ابنِ صفیؔ

جلد نمبر
19

جاسوسی دنیا

60- زہریلے تیر

61- پانی کا دھواں

62- لاش کا قہقہہ

63- ڈاکٹر ڈریڈ



پیشرس

ابن صفی کی جاسوسی دنیا کا بہترین سیٹ ''زہریلے تیر، پانی کا دھواں، لاش کا قہقہہ اور ڈاکٹر ڈریڈ'' ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر ڈریڈ اور فنچ ان کہانیوں کے مرکزی مجرم ہیں۔ خصوصاً ڈاکٹر ڈریڈ پس پردہ کاروائیاں کرتا ہے اور فنچ کی اچھل کود، عیاری، پھرتی اور چالاکی سنگ ہی کی یاد دلاتی ہے۔ بہت سی دوسری خوبیوں کے علاوہ فنچ کا کردار سب سے انوکھا اور نرالا ہے۔ یہ ایسا مجرم ہے جس سے ہمدردی ہوتی ہے مگر نفرت کے ساتھ! اسی لئے اس کا انجام بھی روایتی ہونے کی بجائے الگ اور ہٹ کر ہے۔ وہ انتقام کا بھوکا تھا اور اپنی خواہش انتقام کی تکمیل کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ یہی اس کا انجام ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے خودکشی کرلی ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ پھر سے شریفانہ زندگی گزارنے لگا ہو۔ بہرحال یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ واقعات کے پس منظر کا مطالعہ کے بعد جو بھی نتیجہ چاہیں نکال سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈریڈ کا کردار مکمل اور بھرپور ہے۔ ڈاکٹر جیسا مجرم اگرچہ اپنی بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے مگر سب سے بڑی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اگر اس کی قدرت ''ہر فرعون را موسیٰ'' کے مقولے کے مطابق ہر زہر کا تریاق پیدا نہ کرتی تو یہ دنیا ایسے مجرموں کی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے جہنم بن چکی ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے ایک سرکس کے ''جوکر'' جس کی پروردہ لڑکی کو ڈاکٹر ڈریڈ کے مظالم نے موت کی نیند سلا دیا تھا اور جس کو ڈاکٹر ایک معمولی حیثیت دینے کو بھی تیار نہیں تھا ''فنچ'' کے ہاتھوں زندگی سے عاجز کر دیا اور آخر اس کے ہاتھوں ڈاکٹر ڈریڈ جہنم واصل ہوا۔

''زہریلے تیر'' کی کہانی اس وقت کتنی دلچسپ اور سنسنی خیز ہو جاتی ہے جب تارا نائیڈو اور کہکشاں کے چکر میں حمید الجھ کر رہ جاتا ہے۔ لاش کا قہقہہ میں پروپیگنڈہ کے فراڈ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شخصی پروپیگنڈہ کس طرح جرائم کی راہ کھول سکتا ہے اس کی تشریح سعیدہ رحمان کے کردار سے ہوتی ہے۔ کس طرح لوگ اس کی بے اندازہ دولت کی کہانی سے متاثر ہو کر اس کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ کہانی کا یہ اخلاقی پہلو آج کی پوری سوسائٹی کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ موجودہ دور میں حقائق سے زیادہ پروپیگنڈا پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔

قاسم کے ساتھ ساتھ انور اور رشیدہ کی جھڑپیں، حمید اور ریکھا کی نوک جھونک بھی ہے۔ یوں تو حمید کا وجود ہی قہقہہ انگیز اور تبسم آمیز ہوتا ہے۔ لیکن ''ڈنکی ٹیلس'' نے تو قیامت ڈھا دی ہے۔ نفسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے فنچ، میری سنگلٹن اور زرد پوش فرشتہ معرکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں یہ کہے بنا چارہ نہیں کہ ابن صفی کے ناولوں کا مرکزی خیال ہمیشہ یہی رہا ہے کہ مجرم خواہ کتنا ہی ذہین اور ہوشیار کیوں نہ ہو آخر ایک روز قانون سے شکست کھا کر کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔

پبلشر

جاسوسی دنیا نمبر 60

زہریلے تیر

(پہلا حصہ)

دھوئیں میں لاش!

کیپٹن حمید آرلکچو کی رقص گاہ سے نکل ہی رہا تھا کہ کسی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ چونک کر مڑا اور پھر ایک ایسے آدمی کو جسے وہ پہچانتا نہیں تھا دیکھ کر اُسے غصہ آگیا۔ مخاطب کرنے کے اس انداز سے اُسے بڑی نفرت تھی۔ وہ ایسے آدمیوں کو بڑی حقارت سے دیکھتا جو اس کے جسم کو چھو کر اسے مخاطب کرتے تھے۔

"کیوں....؟" وہ اُسے نیچے سے اوپر تک گھور کر رہ گیا۔

"میں اس بے تکلفی کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" اجنبی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دراصل اس وقت میرے ہاتھ پیر قابو میں نہیں ہیں۔"

حمید نے ایک بار پھر اُسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک وجیہہ نوجوان تھا عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہو گی۔ ظاہری حالت سے بھی وہ کسی گری پڑی حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن حمید کو اس کی آنکھیں خوفزدہ سی نظر آئیں۔ چہرہ زرد تھا اور وہ بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میں آپ کو پہچانتا ہوں جناب۔" وہ پھر آہستہ سے بولا۔ "اسی لئے مجھے یہ جسارت کرنی ہی

پڑی۔ ہو سکتا ہے اس وقت یہاں آپ کی موجودگی میرے لئے نیک فال ہو۔ ورنہ آنے والے چند گھنٹوں میں مجھے زندگی کی توقع نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔" دفعتاً حمید نرم پڑ گیا۔

"میں چند گھنٹے آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟ کوئی وجہ؟"

"میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"آپ نے ضرورت سے زیادہ تو نہیں پی۔"

"نہیں جناب! میں بالکل ہوش میں ہوں۔"

"تین چار دن پہلے کی بات ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "یہیں آر لکچو میں ایک صاحب فرما رہے تھے کہ مجھے خدا نے ایک خاص مشن پر بھیجا ہے لیکن میں کرسی سے اٹھ نہیں سکتا۔ ان کی میز پر جن کی دو خالی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔"

"میں خطرے میں ہوں جناب۔ خدا کے لئے مجھے بچایئے۔" اس نے خوفزدہ آواز میں کہا اور پھر اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا کوئی دشمن وہیں موجود ہو۔

"آپ مجھے پہچانتے ہیں۔" حمید نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ میرے وقت کی بربادی....!"

"جناب والا.... آپ یقین کیجئے۔ پھر آپ کا ہاتھ تو ہر وقت مجھ تک پہنچ سکتا ہے۔"

"آیئے....!" حمید نے ایک خالی میز کی طرف اشارہ کیا۔ "میں آپ سے معلوم کروں گا کہ آپ اس وہم میں کیوں مبتلا ہو گئے ہیں۔"

اجنبی ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے میز کیطرف بڑھا اور حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ پئے ہوئے ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے ایک اچھا سبق دینا چاہئے۔ اجنبی بیٹھ چکا تھا۔ حمید بھی اسکے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔ "میں آپ کو صرف پانچ منٹ دے سکتا ہوں اگر آپ مجھے اس طرح روکنے کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکے تو نتیجے کے آپ خود ذمہ دار ہونگے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں کون ہوں۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں جناب لیکن فی الحال میرے پاس اپنے بیان کی صداقت ثابت کرنے

کے لئے کچھ نہیں ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔"

"چلئے... میں نے تسلیم کر لیا۔" حمید اسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "پھر آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"یا تو مجھے اپنے ساتھ رکھئے یا گرفتار کر کے جیل میں ڈلوا دیجئے۔ وہاں شائد میں محفوظ رہ سکوں۔ آپ یقین کیجئے جناب آخر میں خواہ مخواہ آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"یہ بھی ناممکن نہیں ہے۔" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "مگر میں یہ ضرور پوچھوں گا آپ کس سے خوفزدہ ہیں۔"

"وہ ایک گروہ ہے جناب۔ ابھی اس کا ایک آدمی یہاں نظر آیا تھا لیکن وہ جلد ہی غائب بھی ہو گیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میری ہی تاک میں ہے۔"

"کس بناء پر یقین ہے آپ کو۔"

"میں شائد کسی حد تک اُن کے مقاصد سے واقف ہوں۔"

"سیدھی بات۔ گھماؤ پھراؤ مجھے پسند نہیں ہے۔" حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"آپ میری قیام گاہ تک چلئے میرے ساتھ۔ پھر میں وہاں آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

"اور اگر میں یہیں سب کچھ سننے پر اصرار کروں تو۔"

"میں وہاں اُن لوگوں کے خلاف دستاویزی ثبوت بہم پہنچاؤں گا۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔"

حمید پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "آپ چند ایسے لوگوں سے خائف ہیں جن کے خلاف آپ کے پاس دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور آپ ان سے اسی لئے خائف ہیں کہ انہیں اس کا علم ہے۔"

"جی ہاں! میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن وہ دستاویزی ثبوت آپ کے گھر پر محفوظ ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"لیکن وہ لوگ اُن دستاویزی ثبوت کو حاصل کرنے کی بجائے آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"بات سمجھ میں نہیں آتی.... فرض کیجئے۔ وہ اس دوران میں ان دستاویزی ثبوتوں کو آپ کے گھر سے اڑا لیں....!"

"یہی تو اُن کے بس کا روگ نہیں ہے۔ وہ بارہا اس کی کوشش کر چکے ہیں۔"

"اور اب ناکامی کی صورت میں آپ کو مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"اچھا تو.... میں آپ کی صرف اتنی ہی خدمت کر سکتا ہوں کہ ایک پگ وہسکی پیش کر دوں۔"

"آپ کو یقین نہیں آیا۔" اجنبی نے مایوسی سے کہا۔

"بالکل یقین آ گیا ہے۔ اب اجازت دیجئے۔"

دفعتاً اجنبی کے چہرے کی حالت بدل گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت شدت سے غصہ آ گیا ہو۔ وہ چند لمحے غصیلی نظروں سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "خیر.... میں چاہتا تھا کہ کسی قسم کا ہنگامہ برپا کئے بغیر کام ہو جائے۔ لیکن آپ شائد دنیا کے سب سے زیادہ محتاط آدمی ہیں۔ میں خواہ مخواہ آپ کے ساتھ اپنا وقت برباد کر رہا تھا۔"

حمید نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور خالی خالی نظروں سے اجنبی کو دیکھتا رہا۔

"اب جو کچھ بھی ہوگا۔" اجنبی اٹھتا ہوا بولا۔ "اس کی ذمہ داری سراسر آپ پر ہوگی۔"

حمید پائپ کے کش لیتا رہا اور اجنبی اٹھ گیا لیکن آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ دفعتاً حمید نے پائپ کی جلی ہوئی تمباکو ایش ٹرے میں جھاڑ کر پائپ کو جیب میں ڈال لیا.... اجنبی بار کی طرف جا رہا تھا۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر وہ رکا۔ پھر حمید نے اُسے کاؤنٹر پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھاتے دیکھا.... اور یہ بھی دیکھا کہ وہ بوتل بار مین کے سر پر توڑ دی گئی۔ بار مین کی چیخ ہال میں گونجی اور لوگ کاؤنٹر کی طرف جھپٹنے لگے۔ اجنبی گھونسے چلا رہا تھا۔ کئی آدمی اپنی ٹھوڑیاں دبائے ہوئے بھیڑ سے الگ ہو گئے۔

حمید بھی اٹھا اور اس وقت کاؤنٹر کے قریب پہنچا جب کچھ لوگ اجنبی کو فرش پر گرا کر اس کے ہاتھ باندھ رہے تھے۔

کسی نے فون پر پولیس کو اطلاع دی۔ اس علاقے کا تھانہ آرلکچنو سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر پولیس آ گئی، حمید دور کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ پھر جب پولیس

اجنبی کو لے جا رہی تھی حمید صدر دروازے کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی وہ بڑے فخریہ انداز میں مسکرایا اور حمید کو ایسی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو "تم نے دیکھا....؟"

حمید اب اس میں گہری دلچسپی لے رہا تھا۔ پولیس والوں کے ساتھ ہی ساتھ وہ پھر باہر سڑک پر آ گیا۔ تھانہ چونکہ قریب ہی تھا اس لئے ملزم کو کسی سواری پر لے جانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ حمید ان سے تھوڑے فاصلے پر چل رہا تھا۔ لیکن اب یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ متواتر اس پر اسرار آدمی پر نظر ہی جمائے رہتا۔ وہ تو بس اُن کے پیچھے چل رہا تھا۔ ملزم کی طرف اس کی توجہ نہیں تھی۔ وہ تو دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ تھانے میں پہنچ کر کیا کرتا ہے۔

دفعتاً اس نے ایک چیخ سنی اور چونک کر آواز کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اجنبی ہتھکڑیوں سمیت زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ حمید تقریباً دوڑتا ہوا اس طرف جھپٹا۔ کانسٹیبل اُسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید کی نظر اس کے داہنے بازو پر پڑی جس میں ایک تیر پیوست تھا۔

"ارے.... یہ تو.... ختم ہو گیا۔" ہیڈ کانسٹیبل ہکلایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "ہٹو.... پیچھے ہٹو.... تم کون ہو۔"

حمید مرنے والے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ "کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں پہچانتا نہیں تھا جناب کپتان صاحب۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید دوسری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر وہ اسی طرف تیزی سے چلنے لگا۔ شائد وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تیر کہاں سے آیا تھا۔

لیکن بمشکل تمام سو قدم چلا ہوگا کہ ایک دھماکہ سنائی دیا۔ وہ بوکھلا کر مڑا۔ لوگ بے تحاشہ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ اس جگہ گہرا دھواں طاری تھا جہاں اجنبی گرا تھا۔ حمید نے اپنی آنکھوں میں ہلکی سی جلن محسوس کی اور دھوئیں کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ دھوئیں کا [illegible] آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سڑک کی پوری چوڑائی پر مسلط ہو گیا۔ دوسری طرف کی روشنیاں تک نہیں دکھائی دیتی تھیں۔ حمید آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہا کیونکہ اس کی آنکھوں کی جلن بڑھتی

جا رہی تھی اور اب وہ دھواں بھی ہوا کے ساتھ منتشر ہونے لگا تھا۔

ٹریفک رک گیا۔ کافی دور تک ہیجان پھیل گیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد فضا صاف ہوئی۔

مرنے والا اب بھی وہیں پڑا ہوا تھا۔ جہاں حمید نے اسے پہلے دیکھا تھا لیکن اب اس کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ وہ بالکل برہنہ تھا اور اب اس کے بازو میں تیر بھی نہیں نظر آرہا تھا کسی نے اس پر چادر ڈال دی.... اور اب پھر اس کے گرد بھیڑ اکٹھی ہونے لگی تھی۔

حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں پہنچا جیسے ہی ہیڈ کانسٹیبل کی نظر اس پر پڑی وہ کسی بدحواس چوپائے کی طرح ہانپنے لگا۔

"اب مجھے کیا کرنا چاہئے جناب کپتان صاحب۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"لاش سے تین تین گز چاروں طرف سڑک گھیر لو۔ تمہارے ساتھ پانچ آدمی ہیں۔ یہ کافی ہوں گے۔ میں تمہارے پولیس اسٹیشن اور کوتوالی کو فون کئے دیتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب۔" ہیڈ کانسٹیبل نے ایک طویل سانس لی۔ وہ کچھ اس انداز میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُسے خبیث روحیں نظر آرہی ہوں۔

حمید نے ایک دوکان سے دو تین جگہوں کے نمبر ڈائیل کئے۔ کوتوالی اطلاع دی۔ اپنے محکمے کے اس آفیسر سے رابطہ قائم کیا جو اس وقت ڈیوٹی پر تھا لیکن فریدی کہیں نہ مل سکا۔ گھر کے علاوہ بھی حمید نے کئی ایسی جگہوں آزمایا جہاں فریدی کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے مگر وہ نہ ملا۔

پانچ منٹ بعد وہ پھر جائے واردات پر پہنچ گیا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ چاروں طرف آدمیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور پانچوں کانسٹیبلوں کو لاش کے گرد حلقہ قائم رکھنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ بھیڑ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

حمید کی الجھن بڑھنے لگی۔ اب وہ یہاں سے ہٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ واقعہ پراسرار تھا لیکن یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ کیپٹن حمید خواہ مخواہ اپنی ٹانگ اڑاتا۔ وہ فریدی کی طرح مصروفیت کا بھوکا نہیں تھا۔ بیکاری اسے اکثر بہت دلکش معلوم ہوتی تھی اور یہ وہی زمانہ تھا جب کام میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ سردیاں شباب پر تھیں اور شہر کی تفریح گاہوں میں رات بھر رونق رہتی تھی لیکن یہ موقعہ ایسا بھی نہیں تھا کہ حمید شہر کی تفریح گاہوں کے متعلق کچھ سوچتا۔

بہر حال اُسے تو اب یہاں ٹھہر کر اپنے محکمے کے آدمیوں کا انتظار کرنا تھا کیونکہ وہ اپنا بیان

دیئے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا تھا۔

بھیڑ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ ذرا سی ہی دیر میں پھر ٹریفک رک گیا۔ دو تین ڈیوٹی کانسٹیبل جو اس سڑک پر موجود تھے مجمع منتشر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔

سب سے پہلے قریبی تھانے کا انچارج وہاں پہنچا۔ اس کے ساتھ بھی دو تین کانسٹیبل آئے تھے۔ مگر وہ بھی مجمع کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ ویسے اتنا ضرور ہوا کہ لاش کے گرد جو حصار قائم کیا گیا تھا اُسے مزید تقویت حاصل ہو گئی۔

کچھ دیر بعد محکمہ سراغ رسانی کے فوٹوگرافر بھی پہنچ گئے لیکن ابھی تک لاش پر سے کپڑا نہیں ہٹایا گیا تھا۔ حمید بور ہوتا رہا۔ اب ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کا انتظار تھا۔ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی آمد پر لاش پر سے کپڑا ہٹایا گیا اور حمید بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ یہ تو اُس آدمی کی لاش نہیں معلوم ہوتی تھی جسے اس نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ دھواں صاف ہو جانے کے بعد تک لاش میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔ مگر اب اس کے چہرے پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ اصلی خدوخال مسخ ہو کر رہ گئے تھے۔ پھر حمید نے اسکے جسم پر نظر ڈالی۔ چہرے ہی کی مناسبت سے وہ بھی متورم نظر آرہا تھا۔

حمید نے اس کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی اسے ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

مگر حمید اتنی زیادہ اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا کہ یہ حیرت انگیز تبدیلی بھی اُسے وہاں نہ روک سکی اور وہ اپنا بیان دے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

دوسرا تیر

فریدی کی لنکن بڑی تیز رفتاری سے ریکسن اسٹریٹ میں دوڑ رہی تھی، اور لیڈی انسپکٹر مس ریکھا سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے کیونکہ ریکسن اسٹریٹ شہر کی سب سے زیادہ بھری پُری سڑکوں میں سے تھی مگر فریدی کی مہارت نے اُسے ایک بار بھی چیخنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

ریکھا کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اس بھاگ دوڑ کا مقصد کیا ہے؟ بس وہ اتنا ہی جانتی تھی کہ فریدی اس سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ اسے کام کی نوعیت کا بھی علم نہیں تھا۔

"کیا ہم محض تفریحاً باہر نکلے ہیں۔" ریکھا نے پوچھا۔

"تفریحاً....!" فریدی بڑبڑایا۔ "نہیں میں تنہا تفریح کرنے کا عادی ہوں۔"

ریکھا اس جواب پر کچھ جھینپ سی گئی۔ ویسے بھی اس کا سوال تشنہ تھا۔ فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ ریکھا بھی خاموش ہی رہی۔

آخر کچھ دیر بعد کار چیتھم روڈ پر مڑ رہی تھی، فریدی بولا۔ "چائنیز کارنر میں تمہیں جانا پڑے گا.... اور یہ لو.... اسے اپنے کوٹ کے کالر میں بائیں جانب پن کرلو۔"

اس نے جیب سے کچھ نکال کر ریکھا کو دیا۔ اس کا داہنا ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا اور آنکھیں سامنے سڑک پر۔

وہ سرخ رنگ کا ایک مصنوعی گلاب تھا۔ ریکھا نے اسے حیرت سے دیکھا۔ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ اسکا مقصد کیا تھا۔ چند لمحے ذہن پر زور دیتی رہی پھر ہکلائی۔ "مم... میں نہیں سمجھی... یہ پھول۔"

"یہ گلاب کا پھول ہے، اسے اپنے بائیں کالر میں پن کرلو۔"

"اوہ.... شکریہ۔" یک بیک ریکھا کھل گئی۔

"تم غلط سمجھیں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "یہ تحفہ پیش نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ میں ایک تجربہ کرنے جارہا ہوں۔ تم یہ پھول لگا کر چائنیز کارنر میں جاؤ گی۔ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔ میں صرف یہ دیکھوں گا کہ اس پھول کی وجہ سے تمہیں کن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔ اس کے چہرے کی تازگی رخصت ہو گئی تھی۔ وہ اکثر غلط فہمی میں مبتلا رہ جاتی تھی کہ فریدی اس کی طرف جھک رہا ہے۔ حمید اسے محسوس کر کے بغلیں بجاتا اور پیشین گوئی کرتا کہ وہ آئندہ سال تک ٹی۔ بی میں مبتلا ہو کر مر جائے گی۔

فریدی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اب تک نہ جانے کتنی عورتیں اس کے خبط میں مبتلا رہ کر مایوس ہو چکی تھیں۔ ریکھا بھی اُن میں سے ایک تھی، لیکن ابھی اس کا ذہن مایوسی کی سرحدیں نہیں چھو سکا تھا۔ اسے توقع تھی کہ وہ ایک نہ ایک دن فریدی کا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے گی.... مگر اس وقت کا ذہنی جھٹکا اس کے لئے بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ اس جھٹکے میں خجالت کا زور بھی شامل تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کیا سچ مچ اس آدمی کے سینے میں پتھر کا ٹکڑا ہی ہے۔

دفعتاً فریدی پھر بولا۔ "کیا تم ہچکچا رہی ہو۔"

"کس بات سے۔"

"اسی تجربے سے۔"

"نہیں تو....!" ریکھا زبردستی ہنس کر بولی۔ "آپ مجھے اتنی ڈرپوک کیوں سمجھتے ہیں۔ اگر میں ایسے ہی کمزور دل کی ہوتی تو اس محکمے میں کیوں آتی۔"

"پتہ نہیں کیوں! بہتیرے یونہی آجاتے ہیں۔"

فریدی کا یہ ریمارک بھی ریکھا کو کھل گیا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ دل ہی دل میں جھلتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ "مگر آپ جو کچھ کرنے جارہے ہیں کم از کم اس کے مقصد سے تو آگاہ کردیجئے۔"

"بس تمہیں وہاں کسی خالی میز پر بیٹھ کر واقعات کا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کس قسم کے واقعات۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ پھول کسی نہ کسی کو تمہارے قریب ضرور لائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔"

"آپ آج کل چھٹی پر ہیں۔"

"میں کبھی چھٹی پر نہیں ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ پھر آپ چھٹی لیتے ہی کیوں ہیں۔"

"کیا میں تنخواہ نہیں لیتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "سارے ہی کام ضابطے کے اندر کرتا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی کیس میں اسی وقت دلچسپی لوں جب وہ محکمے کی طرف سے میرے سپرد کیا جائے۔"

"کیا یہ کوئی اہم کیس ہے جس کے سلسلے میں آپ کوئی تجربہ کرنے جارہے ہیں۔"

"اہم بھی ہو سکتا ہے۔"

"اس کی نوعیت کیا ہے۔"

"نوعیت ابھی تک روشنی میں نہیں آسکی۔"

ریکھا خاموش ہو گئی۔ وہ حمید سے بھی سن چکی تھی کہ فریدی سے کچھ معلوم کرلینا آسان کام نہیں ہے۔

"خیر....!" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "مجھے اور کیا کرنا ہوگا۔"

"تم خود ہی کافی ذہین ہو۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اس لئے مجھے توقع ہے کہ کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گی۔ دراصل یہ پھول ایک طرح کا شناختی نشان ہے جس کے ذریعہ دو مختلف پارٹیوں میں پیغام رسانی ہوتی ہے۔ یہ میرا خیال ہے جسے یقین کی حد تک پہنچانے کے لئے تجربہ کرنے

جارہا ہوں۔"

"اچھا میں سمجھ گئی۔ آپ ان پارٹیوں میں سے کسی ایک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔"

"دھوکا غیر مناسب لفظ ہے۔ جب قانون کے محافظ اس قسم کی کوئی چال چلتے ہیں تو اُسے حکمت عملی کہا جاتا ہے۔" فریدی کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

پھر چائنیز کارنر سے کچھ فاصلے پر اس نے کار روکتے ہوئے کہا۔ "اب تم اتر جاؤ۔ ایک بار پھر سن لو کہ ہم دونوں وہاں ایک دوسرے کے لئے قطعی اجنبی ہوں گے۔"

"جی ہاں! مجھے یاد ہے۔" ریکھا کہتی ہوئی اُتر گئی۔

فریدی نے کار دوسری سڑک پر موڑ دی اور ایک بڑی عمارت کا چکر لگا کر چائنیز کارنر کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ شہر کے بڑے ریستورانوں میں سے تھا اور اس کا مالک ایک چینی فوہی تھا۔

ریکھا اندر جا چکی تھی۔ فریدی بھی کار سے اتر کر ریستوران میں داخل ہوا۔ یہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ ریکھا ایک میز پر تنہا نظر آئی۔ اس کے قریب ہی دوسری میز بھی خالی تھی۔

فریدی نے اپنے لئے وہی میز منتخب کی۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے لیکن توقع کے مطابق ریکھا کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوا۔ ریکھا کافی پی چکی تھی اور اب اس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی جیسے بہت تھک گئی ہو۔ اس کے چہرے سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کی منتظر ہے۔

پچیس منٹ گذر جانے کے بعد ریکھا کے ذہن پر اکتاہٹ نے حملہ کر دیا۔ لیکن وہ کرتی بھی کیا، ویسے اُسے علم تھا کہ فریدی اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود ہے مگر اُس نے اس دوران میں ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

دفعتاً ریکھا کا دل دھڑکنے لگا کیونکہ ایک آدمی اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک گوشے کی میز سے اٹھا تھا اور اس نے اُسے اُسی وقت دیکھا تھا جب وہ یہاں داخل ہوئی تھی۔ وہ تھا بھی کچھ اسی قسم کا آدمی کہ اُس پر خاص طور سے نظر پڑ سکتی تھی۔ وہ ایک دبلا پتلا اور چھوٹے سے قد کا آدمی تھا۔ آنکھیں چھوٹی اور نیلی تھیں۔ جبڑے بندروں کے سے تھے اور پیشانی پر سایہ کیے ہوئے چھوٹے چھوٹے بھورے بال بھی پہلی نظر میں اُسے بندروں ہی کی کسی ترقی یافتہ نسل کا ایک فرد ثابت کرتے تھے۔ چہرے پر بے شمار جھریاں تھیں لیکن لباس سے وہ کمتر حیثیت کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گھڑی کی زنجیر میں مختلف رنگوں کے جواہرات نظر آرہے تھے۔

"آپ کی اجازت سے۔" وہ بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" ریکھا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے

دیکھا۔ حقیقتاً وہ سو فیصدی بندر معلوم ہوتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ تھی جیسے بندر دانت نکالتے ہیں۔

"میرا نام فنچ ہے.... فنچ.... صوتی اعتبار سے بھی میری شخصیت سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ کیا خیال ہے مس.... اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ ابھی مس ہی ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ میں بھی آپ کو اپنا نام بتاؤں۔" ریکھا نے خشک لہجے میں کہا۔

"ضروری تو نہیں ہے۔" فنچ آہستہ سے بولا۔ "لیکن ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرنے کے لئے پھر اور کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

دفعتاً ریکھا سنبھل گئی۔ وہ بہر حال کسی مقصد کے تحت یہاں آئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے اس رویہ کی بناء پر حصول مقصد میں ناکامی ہوتی۔

وہ پیشہ ور عورتوں کے سے انداز میں مسکرائی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "ریکھا.... میرا نام ریکھا ہے۔"

"تو.... مس ریکھا۔ کیا آپ یہاں اس کارنر میں اکثر آتی رہتی ہیں۔" فنچ نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں کہ میں یہاں کتنی بار آئی ہوں۔"

"شے.... ار.... کیا آپ کو گلاب بہت پسند ہیں۔"

"ہاں... ہیں تو.... لیکن بہت جلد کمہلا جاتے ہیں اسلئے میں انکی نقل زیادہ پسند کرتی ہوں۔"

"میرے پاس ایک ایسا لوشن ہے...." فنچ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "جو گلابوں کو کم از کم ایک ہفتے تک تر و تازہ رکھتا ہے۔"

"اوہ....!" ریکھا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ "میں ایسے لوشن کے لئے اپنی آدھی سلطنت دے سکتی ہوں۔"

"میں آپکو اس لوشن کی ایک بڑی مقدار دے سکتا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ چل سکیں گی۔"

"اوہ.... میں ضرور چلوں گی۔" ریکھا نے بے پایاں مسرت کا اظہار کیا۔

فنچ اٹھ گیا۔ ریکھا بھی اٹھی۔ فریدی ان کی طرف پشت کئے بیٹھا اخبار پر جھکا ہوا تھا۔ ریکھا اس پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ وہ باہر آئے، فنچ اُسے جس کار کی طرف لے جا رہا تھا وہ بڑی شاندار تھی۔ ایک لمبی سی سیاہ رنگ کی سیڈان۔

سیڈان ہموار سڑک پر تیرنے لگی۔

ریکھا نے کئی بار سوچا کہ مڑ کر دیکھے مگر پھر ایسا نہ کر سکی۔ ویسے اُسے یقین تھا کہ فریدی کی

لنکن اس سیڈان سے زیادہ دور نہ ہو گی۔ فنچ خاموش تھا۔ ریکھا کا دل دھڑک رہا تھا مگر اس دھڑکن کا تعلق خوف سے نہیں تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ اُسے یقین تھا کہ یہ یقیناً کوئی گہرا معاملہ ہے۔ ورنہ فریدی اُسے اس طرح کسی تجربے کی بھینٹ نہ چڑھاتا۔

سیڈان مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ریکھا نے راستے کی تفصیل ذہن میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ قدرتی بات تھی کیونکہ وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ آخر یہ سفر بیس منٹ بعد ختم ہو گیا۔ کار ایک عظیم الشان عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہی تھی۔

پھر وہ پورچ میں پہنچ کر رک گئی۔ فنچ نے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا۔ نہ جانے کیوں نیچے اترتے وقت ریکھا کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔

"اس طرف" فنچ نے بڑے ادب سے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

پھر وہ اور ریکھا ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"میں یہیں رہتا ہوں۔" فنچ بولا۔

"ہوں۔" ریکھا نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا۔ فنچ ابھی تک انگریزی ہی میں گفتگو کرتا رہا تھا اور ریکھا اندازہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ کس قوم اور نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ نہ وہ انگریز معلوم ہوتا تھا اور نہ مقامی باشندہ۔

چال ڈھال سے بہت زیادہ پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

وہ ایک بہت کمرے میں آئے جسے ہال ہی کہنا مناسب ہوگا۔ ریکھا متحیر تھی، کیونکہ ابھی تک اسے اس بڑی عمارت میں ایک متنفس بھی نہیں نظر آیا تھا۔

فنچ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ دونوں ہال کے وسط میں کھڑے تھے۔

دفعتاً ریکھا نے قدموں کی آہٹ سنی اور ایک دروازے سے ایک دراز قد آدمی ہال میں داخل ہوا۔ یہ سچ مچ اتنا ہی لمبا تھا کہ وہ اور فنچ ساتھ مل کر "ڈیڑھ" کا عدد بنا سکتے تھے۔

اس نے تیز نظروں سے ریکھا کا جائزہ لیا اور فنچ کی طرف دیکھنے لگا۔

فنچ نے اُس سے کچھ کہا لیکن ریکھا نہ سمجھ سکی کیونکہ اس نے جو کچھ بھی کہا تھا ایسی زبان میں کہا تھا جو ریکھا کی سمجھ سے باہر تھی۔

دراز قد آدمی نے جواب میں بھی کچھ کہا اور ریکھا کو ایک بار پھر نیچے سے اوپر تک دیکھ کر واپس جانے کے لئے مڑا لیکن ابھی بمشکل دو ہی تین قدم چلا تھا کہ یک بیک چیخ کر منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ اس کی پشت میں ایک بڑا سا تیر پیوست تھا۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔ ریکھا بھی غیر ارادی

طور پر اسی کے پیچھے جھپٹی۔ شائد۔ اب بھی خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کا یہ فعل سو فیصدی اضطراری تھا۔ وہ فنچ کے پیچھے دوڑتی رہی لیکن ایک بار ایسا بھی ہوا کہ فنچ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور وہ صرف اس کے قدموں کی آواز کی سمت دوڑتی رہی۔ یہ ایک تاریک راہداری تھی۔

پھر فنچ کے قدموں کی آواز بھی سناٹے میں گم ہو گئی لیکن ریکھا اسی طرح دوڑتی رہی۔ دفعتاً وہ ایک دیوار سے ٹکرائی۔ آگے راستہ نہیں تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگے۔ بائیں جانب اسے خلاء محسوس ہوئی اور وہ اُدھر ہی مڑ گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔

دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی "کیا بات ہے؟"

غیر ملکی سفر

کچھ دیر بعد ریکھا نے محسوس کیا کہ وہ فریدی کے بازو پر ٹکی ہوئی بُری طرح کانپ رہی ہے۔

"وہ.....وہاں.....!" ریکھا کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ایک لاش ہے۔"

فریدی اپنا بازو ہٹاتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی کہ اس محکمے میں عورتوں کو کیوں جگہ دی جاتی ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ نہ جانے اُسے کیا ہو گیا تھا۔ وہ اُسی وقت اپنا ذہن کریدنے لگی۔ وہ خوفزدہ تو نہیں تھی۔ پھر فریدی کی آواز سنتے ہی یک بیک وہ اس طرح ڈر کیوں گئی تھی۔ اس کا جسم کیوں کانپنے لگا تھا۔ اگر فریدی نے آگے بڑھ کر بازو کا سہارا نہ دیا تو وہ گر ہی پڑی ہوتی۔

"وہ بندر کہاں ہے۔ تم بھاگ کیوں رہی تھیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"وہ بھاگ گیا۔" ریکھا نے اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "اور اُس کے ایک ساتھی کو کسی نے قتل کر دیا۔"

"اوہو.....!"

کچھ دیر بعد ریکھا اُسے محض یادداشت کے بھروسے پر اس کمرے کی طرف لے جا رہی تھی جہاں اُس نے لمبے آدمی کو تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔ راہداری کے سرے پر پہنچتے ہی انہیں روشنی نظر آنے لگی۔ عمارت کا روشن حصہ اب بھی روشن تھا مگر وہاں زندگی کے آثار نہیں معلوم

ہوتے تھے۔ وہ دونوں صرف اپنے قدموں کی آوازیں سن رہے تھے۔

ریکھا اس بڑے کمرے کو تلاش کرنے میں جلد ہی کامیاب ہوگئی جہاں سے وہ فنچ کے ساتھ بدحواسی میں بھاگی تھی۔ لیکن دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بوکھلا کر پلٹ پڑی۔ فریدی اگر پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو وہ اس سے بُری طرح ٹکرائی ہوتی۔ اس بدحواسی کی وجہ یہ تھی کہ اب فرش پر پڑے ہوئے آدمی کے جسم پر کپڑے نہیں تھے۔ فریدی اُس سے کچھ پوچھے بغیر آگے بڑھا اور ایک دروازے کا پردہ کھینچ کر لاش پر ڈال دیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے پہلی ہی نظر میں کر لیا تھا کہ وہ لاش ہی تھی۔

پھر وہ ریکھا کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تم نے پہلے بھی لاش ہی دیکھی تھی۔"

اس پر ریکھا نے لاش کی طرف مڑے بغیر جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"میں نے اس پر کپڑا ڈال دیا ہے۔" فریدی نے کہا.... لیکن پھر بھی ریکھا لاش کی طرف مڑتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

"یہ.... یہ...." ریکھا لاش کے چہرے کی طرف دیکھ کر ہکلائی اور پھر دم بخود رہ گئی جس کے تیر لگا تھا وہ اتنا موٹا آدمی نہیں تھا۔ اس کا چہرہ تو فٹ بال معلوم ہو رہا تھا اور یہ بتانا دشوار تھا کہ ناک کہاں پر ختم ہوئی تھی اور ہونٹوں کی شروعات کہاں سے ہوئی تھی۔ پیشانی کے گوشت نے آنکھیں ڈھانپ لی تھیں۔

"کیا کہنا چاہتی ہو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"یہ اس آدمی کی لاش نہیں ہے، جسے میں نے گرتے دیکھا تھا۔"

لاش کا چہرہ کھلا ہوا تھا۔ فریدی جھک کر دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "ورم ہے.... اس کے پورے جسم پر ورم ہے۔"

پھر وہ لاش کے نیچے سے بہے ہوئے خون کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ آدمی یقیناً اتنا ہی لمبا تھا.... مگر....!" ریکھا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ لاش پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ "دیکھو....! یہاں کہیں فون بھی ہے۔ مگر نہیں ٹھہرو.... میں بھی چلتا ہوں۔ ذرا ایک نظر اس عمارت پر بھی ڈال لی جائے۔ کیا یہاں صرف دو ہی آدمی تھے۔"

"لیکن اگر یہ وہی آدمی ہے تو اس کے کپڑے کس نے اتارے اور تیر بھی شائد غائب ہے؟ اس کی پشت میں پیوست ہوتا ہوا نظر آیا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ کوئی بہت بڑا الجھاؤ پیدا کرے گا۔"

"وہ اس کمرے سے نکل کر عمارت کے دوسرے گوشوں میں چکرانے لگا۔ لیکن انہیں اپنے علاوہ ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔ ریکھا اس بڑی عمارت اور اس کے ساز و سامان کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

وہ پوری عمارت میں گھوم پھر کر اُس کمرے میں آئے جہاں انہوں نے فون دیکھا تھا۔ فریدی نے اپنے آفس کے نمبر ڈائیل کئے۔

ریکھا اُسے گفتگو کرتے سنتی رہی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے حیرت کے آثار نظر آرہے تھے۔ جب وہ ریسیور رکھ کر ریکھا کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں عجیب قسم کی چمک دکھائی دی جس کا مفہوم سمجھنا کم از کم ریکھا کے بس کی بات نہیں تھی۔

"یقیناً یہ واقعات الجھاوے پیدا کریں گے۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں نہیں سمجھی۔ آپ نے کچھ دیر پہلے بھی یہی بات کہی تھی۔"

"یہ وہی آدمی ہو سکتا ہے جسے تم نے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"مگر اس کی شکل مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" ریکھا بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی کچھ دیر قبل ایسا ہی ایک واقعہ حمید کو بھی پیش آیا ہے۔ آرلکچو کے قریب کسی نامعلوم آدمی نے ایک آدمی پر تیر سے حملہ کیا اور پھر اس کے کپڑے اتار لے جانے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا گیا۔"

"کپڑے اتارنے کے لئے۔"

"ہاں.... کیوں؟ کیا یہ آدمی جو اس کمرے میں ہے گرتے وقت برہنہ تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر اس کے کپڑے اتار لئے گئے ہیں۔ یہ کام شارع عام پر مشکل تھا اس لئے بم پھینکا گیا اور اُسی دھوئیں کی آڑ میں وہ لوگ اپنا کام کر گئے۔"

"مگر کپڑے اتار لینے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"خدا جانے....!" فریدی آہستہ سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لاش والے کمرے میں واپس آگئے۔

"ابھی فون پر میں نے محکمے کے فوٹو گرافروں کو طلب کیا تھا۔" فریدی لاش پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ "مگر فوٹو گرافر اس وقت آرلکچو کے قریب مصروف ہے۔"

"تو دوسرے واقعہ کی اطلاع آپ کو فون پر ملی ہے۔"

"ہاں.... ابھی.... ابھی.... وہ لاش بھی کچھ دیر بعد متورم ہو گئی تھی۔ بالکل اسی انداز میں کہ حمید کو اُسے شناخت کرنے میں تامل ہوا تھا۔"

"تیر اور لباس وہاں بھی غائب ہے۔" ریکھا نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں...!" فریدی نے آہستہ سے کہا اور مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

ریکھا کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا آپ کو اس حادثے کی توقع تھی۔"

"ہر گز نہیں.... میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"پھر آپ کا تجربہ....!"

"اوہ.... وہ اس سے مختلف تھا۔ ٹھہرو۔ کیا تم جانتی ہو کہ اس عمارت میں کون رہتا ہے۔"

"نہیں! میں نہیں جانتی۔"

"ایک غیر ملک کا سفیر یہاں رہتا ہے۔ ہمارے یہاں کی ایک سیاسی پارٹی اس ملک کی ہمدرد ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ اس پارٹی کے بعض افراد حکومت کے راز حاصل کر کے اس ملک کے سفارت خانے تک پہنچاتے ہیں اور طریق کار یہی ہوتا ہے۔ وہ سرخ گلاب لگا کر چائنیز کارنر میں جاتے ہیں اور وہاں سے کوئی آدمی انہیں سفیر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ سرخ گلاب دراصل شناخت کا نشان ہے۔"

"تو وہ.... چھوٹا آدمی فنچ اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہے۔" ریکھا نے پوچھا۔

"پتہ نہیں.... ویسے میں نے اُسے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔"

"یہ فنچ کیسا نام ہے۔ وہ انگریز تو نہیں معلوم ہوتا۔"

"میرا خیال ہے کہ پرتگیز گوون ہے۔ مگر یہ چیز میرے لئے بڑی متحیر کن ہے کہ یہاں ایک ملازم بھی نظر نہیں آتا۔"

"اور سفیر کا بھی پتہ نہیں ہے۔" ریکھا بڑبڑائی۔

"یہ کوئی خطرناک کھیل ہے۔" فریدی لاش کو گھورتا ہوا بولا۔ "محکمہ خارجہ کیلئے دردِ سر۔"

ٹھیک اُسی وقت کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر چار سفید فام غیر ملکی ہال میں داخل ہوئے لیکن ان دونوں کو دیکھ کر انہیں دروازے کے قریب ہی ٹھٹک جانا پڑا۔ فریدی نے اپنی فلٹ ہیٹ اتاری اور ریکھا نے بھی ان میں سے سفیر کو پہچان لیا۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" سفیر نے آگے بڑھ کر غصیلے لہجے میں پوچھا اور پھر لاش پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

سفیر کے تینوں ساتھی مسلح تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ہولسٹروں پر رکھ لئے۔ پھر جیسے ہی فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالنے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا ایک آدمی اپنا ریوالور نکالتا ہوا بولا۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔"

لیکن اتنی دیر میں فریدی وزیٹنگ کارڈ جیب سے نکال چکا تھا۔ اس نے اس آدمی کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی جس نے ریوالور نکالا تھا۔

"میرا کارڈ....!" فریدی نے کارڈ سفیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

سفیر نے کارڈ لیا لیکن اس کی نظر بدستور لاش پر جمی رہی اور پھر وہ اس وقت چونکا جب اس کا ساتھی فریدی سے دوبارہ ہاتھ اٹھانے کو کہہ رہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے کارڈ پر چھپا ہوا نام پڑھا پھر اپنے مسلح ساتھیوں کی طرف مڑ کر کچھ کہا۔

ریکھا نہ سمجھ سکی کہ اس نے کیا کہا تھا۔ بہر حال اس نے دیکھا کہ ریوالور پھر ہولسٹر میں ڈال لیا گیا۔

"آپ کا یہاں کیا کام کرنل فریدی۔" سفیر نے انگریزی میں پوچھا۔ اس کا لہجہ نرم تھا۔

فریدی لاش کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "اس سلسلے میں.... لیکن آپ یہ نہ کہہ سکیں گے کہ میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہوں۔"

"میں کہہ سکتا ہوں کرنل فریدی اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ یہ لاش....!"

"میں نے یہاں ڈالی ہے۔" فریدی نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔

سفیر کے ہونٹ کھلے اور پھر بند ہو گئے۔ غالباً وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر کسی فوری خیال کے تحت خاموش ہو گیا تھا۔

"کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ لڑکی یہاں کیوں لائی گئی تھی۔" فریدی نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"کیوں لائی گئی تھی۔" سفیر نے حیرت سے دہرایا۔ "میں آپ کی ایک بات بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔"

"میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" فریدی لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ کون ہیں۔"

"یقیناً....!" سفیر مسکرا کر بولا۔ "اگر وہ بھی آپ ہی کی طرح اپنا وزیٹنگ کارڈ پیش کر سکے۔"

فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ "آپ نے مجھے کیوں طلب

فرمایا تھا۔"

"میں نے! کون کہتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"میں کیوں بلاؤں گا آپ کو۔"

"یہ میں نہیں جانتا۔ آپ نے مجھے فون کیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے جب میں یہاں آیا تو پھاٹک پر سنتری موجود نہیں تھا۔ مجھے ایک نوکر بھی نہ مل سکا جس سے میں اپنا وزیٹنگ کارڈ آپ تک بھجواتا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے یور ایکسیلنسی....!"

سفیر خاموش رہا۔ فریدی بولا۔ "پھر میں نے محسوس کیا کہ عمارت ویران ہے جہاں سے مجھے سنتری کی غیر حاضری کا احساس ہوا تھا، وہیں سے میرے فرائض کی حدود شروع ہو گئی تھی۔ میں آپ کی اجازت حاصل کئے بغیر بھی عمارت میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب میں اندر آیا تو یہ لاش ملی۔ پوری عمارت ویران پڑی تھی۔"

"اور یہ لڑکی....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"لیڈی انسپکٹر ریکھا فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"کیا مطلب....!" سفیر چونک کر بولا۔ "ابھی آپ نے کہا تھا کہ یہ لڑکی یہاں زبردستی لائی گئی تھی۔"

"نہیں تو.... آپ نے غلط سنا ہوگا۔"

سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے کھسکنا چاہا لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ یہیں ٹھہریئے جناب۔ آپ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں ہل سکیں گے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔"

"کیا بکواس ہے۔" دفعتاً سفیر کو غصہ آگیا۔ "تمہاری حکومت کو اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔"

"اس سے پہلے آپ کو جواب دہ ہونا پڑے گا کہ وہ سنتری کہاں ہے جو آپ کی حفاظت کے لئے ہماری حکومت کی طرف سے متعین کیا جاتا ہے۔"

"صرف وہی سنتری جواب دہ ہو سکتا ہے جو ڈیوٹی پر حاضر نہیں ہے اور تم ان لوگوں کو روک نہیں سکتے۔ عقلمندی کو دخل دو۔ ہو سکتا ہے تم پر کوئی بڑی مصیبت ٹوٹ پڑے۔"

"فی الحال ایسا تو کوئی پروگرام نہیں ہے کہ میں کسی بڑی مصیبت میں پھنس سکوں، یہ بھی

ممکن نہیں ہے کہ آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے سکیں کیونکہ میں تھوڑی ہی دیر پہلے محکمے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے آپ کا فون استعمال کر چکا ہوں اور میرے آفیسر جانتے ہیں کہ میں اس وقت یہاں موجود ہوں۔"

سفیر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا۔ اس کے دونوں ساتھی بُری طرح مضطرب نظر آرہے تھے۔

"اچھا....!" سفیر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔"

"میں معافی چاہتا ہوں یور ایکسیلنسی۔ میں فی الحال یہاں سے جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب پولیس یہاں پہنچ جائے۔"

"تم سچ مچ کسی کچھوے کی طرح مضبوط پشت رکھتے ہو۔" سفیر نے مسکرا کر کہا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر سنجیدگی سے بولا۔ "میں نے تمہیں بلایا تھا میں اس وقت ایک سفارت خانے کی دعوت سے واپس آیا ہوں۔ مجھے بھی پھاٹک پر سنتری نہیں ملا تھا۔ ملازمین نہ جانے کہاں گئے اور پھر اب میں یہاں ایک لاش دیکھ رہا ہوں۔"

سفیر خاموش ہو کر فخریہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ سفیر اور اس کے تینوں ساتھی وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے میں گھنٹی بجی اور سفیر کے ساتھیوں میں سے ایک نے پھر وہاں سے جانا چاہا لیکن فریدی اُسے روکتا ہوا ریکھا سے بولا۔ "تم دیکھو.... شائد پولیس آگئی ہے۔"

ریکھا کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ پولیس آئی سب کے بیانات ہوئے۔ اگر فریدی اپنا بیان پہلے نہ دیتا تو ریکھا بڑی الجھن میں پڑ جاتی۔ کیونکہ فریدی کچھ ہی دیر پہلے سفیر سے کئی قسم کی باتیں کر چکا تھا۔ بہر حال اس نے فریدی ہی کے بیان کو دہرا دیا۔ یعنی وہ فریدی کی کوٹھی میں موجود تھی، جب سفیر کا فون فریدی کے لئے آیا تھا اس نے اس سے استدعا کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس کی کوٹھی میں پہنچ جائے کیونکہ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے اور پھر جب وہ فریدی کے ساتھ یہاں پہنچی تو کوٹھی ویران پڑی تھی۔ باہر پھاٹک پر سنتری بھی موجود نہیں تھا۔ پھر یہاں اسے وہ لاش نظر آئی۔ فریدی نے کوتوالی فون کیا اور اپنے محکمے کو اطلاع دی۔ اس کے بعد ہی سفیر بھی آگیا جس کے ساتھ تین آدمی تھے۔"

سفیر کا بیان تھا کہ وہ چھ بجے ناروے کے سفارت خانے کی طرف سے دی گئی ایک دعوت

میں شرکت کرنے کے لئے گیا تھا اسے نہیں معلوم کہ اس کی عدم موجودگی میں وہاں کیا ہوا۔ واپسی پر اسے ایک لاش ملی اور یہ دونوں نظر آئے، جو قطعی غیر قانونی طور پر عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ اس نے لاش کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ریکھا کو حیرت تھی کہ آخر فریدی نے فنچ کا تذکرہ کیوں نہیں چھیڑا۔

کچھ دیر بعد لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔ واپسی پر ریکھا نے فریدی سے کہا۔ "بڑا عجیب تجربہ تھا"

"جو نامکمل رہا۔" فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مگر سنتری کا کیا بنا جب تم اندر پہنچی تھیں تو پھاٹک پر سنتری موجود تھا یا نہیں۔"

"کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے خود بھی حیرت تھی کہ اتنی بڑی عمارت اسطرح ویران پڑی ہوئی ہے"

"مگر یہ سب ہوا کیا۔"

"کچھ بھی نہ ہوا۔ فنچ نکل گیا اور اس کا ساتھی مارا گیا۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو وہ خود اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا یا کوئی دوسری پارٹی ان معاملات میں دلچسپی لے رہی ہے۔"

"مگر معاملات ہیں کیا؟"

"معاملات جو کچھ بھی ہوں ابھی میرے ذہن میں صاف نہیں ہیں۔ فی الحال میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ سفارت خانہ ایک مقامی سیاسی پارٹی کو ورغلا رہا ہے اور مصنوعی گلاب اس تحریک کا نشان ہے۔"

"تو پھر یہی کہنا پڑے گا کہ فنچ اور اس کا ساتھی اسی سفارت خانے سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"ٹھہرو.... مجھے سوچنے دو۔" دفعتاً فریدی بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سنتری غائب ہے.... ملازمین غائب۔ کیا آج یہاں کوئی اہم بات ہونے والی تھی۔ اوہو۔ ہمیں پھر چائینز کارنر کی طرف واپس چلنا چاہئے۔ تم آج کسی اور کے دھوکے میں سفیر کی قیام گاہ تک لے جائی گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جگہ لینے والی عورت اب بھی وہاں فنچ یا کسی دوسرے آدمی کی منتظر ہو۔ تم اب یہ پھول اپنے کالر سے نکال لو.... گاڑی لے کر میرے گھر جاؤ۔ حمید سے کہنا کہ وہ گھر ہی پر رہے میں اُسے کسی وقت بھی فون کر سکتا ہوں۔"

بے آواز فائر

ریکھا جا چکی تھی۔ فریدی نے اپنی کار سے اترتے ہی ایک ٹیکسی لے لی تھی اور اب چائینز

کارنر کی طرف جا رہا تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں دس منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔

جیسے ہی وہ کارنر میں داخل ہوا اس کی نظر ایک خوبصورت سی لڑکی پر پڑی جس کی عمر سترہ یا اٹھارہ سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ وہ کسی کالج کی طالبہ معلوم ہوتی تھی اور اس کے کوٹ کے کالر پر مصنوعی سرخ گلاب نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئی ہو۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار تھے۔

فریدی سیدھا اس کی میز کی طرف چلا گیا۔

"آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا۔" وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"جی نہیں۔" لڑکی زبردستی مسکرائی۔ "دراصل میں خود ہی پندرہ منٹ بعد پہنچی تھی۔"

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ مجھے بھی آج دیر ہو گئی۔ آئیے اب دیر نہ کرنی چاہئے۔" فریدی کے ساتھ وہ بھی اٹھ گئی۔

لیکن دروازے سے گذرتے وقت اچانک لڑکی نے فریدی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "نہیں میں نہیں جاؤں گی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو اب اس گلاب کو اپنے کالر سے نکال دو۔"

لڑکی نے گلاب پر اپنا داہنا ہاتھ رکھ لیا اور پھر جب فریدی اسے ایک ٹیکسی میں بٹھا رہا تھا اس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی۔"

"حماقت کی بات نہ کرو۔" فریدی نے آہستہ سے اُسے پچھلی سیٹ پر دھکا دیا اور پھر خود بھی بیٹھتا ہوا دروازہ بند کر کے بولا۔ "آخر تم ڈر کیوں رہی ہو۔"

"مجھے بتایا گیا تھا کہ.... ایک چھوٹے قد کا آدمی....!"

"اکثر تبدیلیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ وہ چھوٹے قد کا بندر اچانک بیمار ہو گیا ہے۔"

ٹیکسی چل پڑی۔ فریدی نے ڈرائیور کو اپنی کوٹھی کا پتہ بتایا تھا۔ فریدی نے لڑکی سے پھر کچھ نہیں پوچھا اور نہ خود ہی بولی۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور وہ بار بار اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیتا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ٹیکسی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ فریدی نے لڑکی سے نیچے اترنے کو کہا.... نہ جانے وہ کیوں کانپ رہی تھی۔ اس نے بے چون و چرا تعمیل کی۔ فریدی نے ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ دیا اور پورچ کی طرف اشارہ کر کے لڑکی سے بولا۔ "چلو"

حمید اور ریکھا سے برآمدے میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ریکھا شائد واپس جا رہی تھی۔ فریدی کے

ساتھ ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کر حمید کی جو کیفیت ہوئی ہوگی اس کا اظہار ہی فضول ہے۔

ریکھا بھی رک گئی لیکن فریدی ان کی طرف توجہ دیئے بغیر لڑکی کو اندر لیتا چلا گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے نشست کے کمرے میں پہنچ کر ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شائد اسے شبہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی غلط آدمی کے ہاتھوں میں پڑگئی ہے۔ فریدی کے دوسری بار کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔

اتنے میں ریکھا اور حمید بھی وہاں پہنچ گئے۔ لڑکی ان کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن فریدی اب بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ دفعتاً اس نے لڑکی سے کہا۔

"اس وقت تم سے انٹیلی جنس بیورو کا کرنل فریدی ہم کلام ہے۔"

"نہیں....!" لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ بُری طرح کانپنے لگی۔

"تم کب سے ان لوگوں کے لئے کام کر رہی ہو۔" فریدی نے اس کی چیخ کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بیہوش ہو جائے گی۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں کچھ.... نہیں.... جانتی۔" لڑکی ہکلائی۔

"لیکن وہ سرخ گلاب....!"

لڑکی پھر کچھ نہ بولی۔

"تمہاری خاموشی اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔" فریدی بولا۔ "کیونکہ تم اس چھوٹے قد کے بندر کا تذکرہ پہلے ہی کر چکی ہو۔"

دفعتاً لڑکی نے رونا شروع کر دیا۔

"بہت ہو لیا! جناب!" حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "آپ خواہ مخواہ اس ننھی سی بچی کو پریشان کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس بیچاری کو دھوکا دیا گیا ہے۔"

"جج.... جی ہاں.... دھوکا.... دھوکا....!" لڑکی ہچکیوں کے درمیان بولنے کی کوشش کرنے لگی۔ "مم.... میں.... بے قصور.... ہوں۔"

"دیکھا....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں پہلے ہی جانتا تھا۔ دیکھوں.... وہ پھول مجھے تو دینا۔"

لڑکی نے جیب سے پھول نکالا اور حمید اسے اس کے ہاتھ سے لیتا ہوا بولا۔ "ہاں یہ وہی پھول ہے۔"

پھر اس نے فریدی کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "واقعی یہ بیچاری دھوکا کھا گئی ہے۔ یہ پھول۔!"

اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔ لڑکی دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے سسکیاں لیتی رہی۔ یک بیک فریدی اٹھا اور ریکھا کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم اس مصیبت میں پھنس گئیں۔ میں کوشش کروں گا کہ کرنل صاحب تمہیں مصیبت سے بچالیں۔"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی جناب۔" لڑکی نے جواب دیا۔ آہستہ آہستہ اس کی ہچکیاں کم ہوتی جارہی تھیں۔

"میں جانتا ہوں کہ تم بہت شریف لڑکی ہو۔ تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ جس نے تمہیں اس دلدل میں پھنسایا ہے۔"

"میرے کالج کی ایک لیکچرار نے۔"

"تم کس کالج میں پڑھتی ہو۔"

"نیشنل گرلز کالج میں۔" لڑکی بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں ایک غریب لڑکی ہوں جناب۔ میرا باپ اندھا ہے۔ اس کی قلیل پنشن پر خاندان کا گذارہ ہے میری تین چھوٹی بہنیں اور بھی ہیں۔ بھائی ایک بھی نہیں ہے۔ میں زیر تعلیم ہوں۔ آپ خود سوچئے کہ ان دنوں کمائی کی وجہ سے کتنی مشکلات کا سامنا پڑتا ہے۔ بہر حال مجھے ایک اچھے سے ٹیوشن کی تلاش تھی۔ میرے کالج میں ایک لیکچرار ہیں مس ورما۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میرے لئے مزید آمدنی کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکالیں گی۔ آج انہوں نے مجھے ایک خط دیا جو لفافے میں بند تھا اور کہا کہ میں ٹھیک نو بجے چائنیز کارنر میں پہنچ جاؤں۔ وہاں مجھے ایک چھوٹے قد کا غیر ملکی ملے گا اور وہ مجھے ایک دوسرے آدمی کے پاس لے جائے گا۔ میں وہ خط اُسے دوں گی اور مجھے کام مل جائے گا۔ مس ورما نے بتایا کہ ایک غیر ملکی سفیر اپنے بچوں کو اردو پڑھوانا چاہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ لازمی طور پر بڑی اچھی تنخواہ ملے گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پاپا کی پنشن سے بھی زیادہ ہو۔ مگر جناب مس ورما نے مجھے یہ پھول دیا اور کہا کہ اسے اپنے کوٹ کے کالر میں لگا لو ورنہ اس آدمی کو تمہیں پہچاننے میں دشواری ہو گی تو میں ٹھٹک گئی۔ آخر اس اتنے سے معاملے کے لئے اتنے الجھاوے کیوں؟ کیا وہ مجھے اس آدمی کا پتہ نہیں بتا سکتی تھیں۔ میں خود ہی جا کر اسے مل لیتی۔ آخر یہ ملاقات کسی ریستوران میں کیوں قرار پائی تھی۔ میں جتنا بھی اس مسئلے پر غور کرتی میری الجھن بڑھتی جاتی۔ میں نے مس ورما کے متعلق یہ بھی سن رکھا تھا کہ وہ کسی زمانے میں ایک دہشت پسند

پارٹی کی سرگرم کارکن رہ چکی ہیں اور پھر انہوں نے جو لفافہ مجھے دیا تھا اس پر لاخ کی مہریں لگی ہوئی تھیں یعنی اگر میں لفافے کو کھول کر خط پڑھنا چاہتی تو یہ بھی ممکن نہ ہوتا۔ آپ خود سوچئے ایک سفارشی خط کے لئے اتنا اہتمام کیوں۔ اتنی احتیاط کیوں کہ اسے لاخ سے سیل کر دیا جائے۔"

"ہاں.... یہ بات غور طلب ہے۔"

"مگر جناب.... یہ سب کچھ سوچنے کے باوجود بھی میں اس چکر میں پھنس ہی گئی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے میرے اندیشے غلط ہوں۔ بُرا ہو اس اقتصادی بدحالی کا کہ میں سارے اندیشوں کو ٹھکراتی ہوئی اس راہ پر چل نکلی۔ جب ان صاحب نے یہ کہا کہ میں کرنل کیا نام.... میں بھول گئی۔ لیکن یہ یاد ہے انٹیلی جنس بیوریو۔ جب ان صاحب نے انٹیلی جنس بیوریو کا حوالہ دیا تو مجھے خیال آیا کہ میرے اندیشے غلط نہیں تھے۔ میں یقیناً کسی بہت بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ مگر آپ یقین کیجئے مجھے اب بھی اس بات کا علم نہیں ہے کہ مجھ سے کیا کام لیا جانے والا تھا۔"

"وہ خط کہاں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ٹھہریئے.... دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور اپنا پہلو ٹٹولنے لگی پھر کھڑی ہوگئی۔ ساتھ ہی اُس کے چہرے پر ہوائیاں بھی اڑنے لگیں اور وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑائی۔

"میرا پرس.... اوہ.... شائد.... وہ ٹیکسی ہی میں رہ گیا۔"

حمید اُسے گھورنے لگا لیکن اسے لڑکی کے چہرے پر مکاری کی جھلکیاں نہیں دکھائی دیں۔ وہ بڑی معصوم لڑکی معلوم ہو رہی تھی۔

"وہ خط میرے پاس پرس میں تھا جناب۔"

"تم کہاں رہتی ہو۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔"

"اور مس ورما کہاں رہتی ہے۔"

"کالج ہوسٹل میں۔ وہ وہاں کی وارڈن بھی ہے۔ خدا کے لئے مجھے میرے گھر پہنچا دیجئے جناب۔ اب میں کس طرح اپنی بے گناہی ثابت کروں۔ وہ خط بھی میرے قبضے میں نہیں رہا۔"

"پرواہ مت کرو۔" حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔

"میرا کیا بنے گا۔"

"کچھ بھی نہیں چلو.... میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔ لیکن تم دو تین دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکلو گی اور نہ اس واقعے کا تذکرہ کسی سے کرو گی۔"

"ہرگز نہیں جناب۔ جیسا آپ کہیں گے اس پر عمل کروں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"تارا نائیڈو....!"

"کس ایئر میں پڑھتی ہو۔"

"تھرڈ ایئر میں۔"

پھر حمید اُسے ساتھ لے کر برآمدے میں آیا۔ فریدی اور ریکھا یہاں موجود تھے۔ حمید نے فریدی کو لڑکی کے بیان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں ان کے گھر پہنچانے جا رہا ہوں۔"

"نہیں آپ تکلیف نہ فرمایئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا پھر لڑکی سے پوچھا۔ "کیا تمہیں مس ورما نے اس آدمی کے پہنچنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔"

"بتایا تھا جناب... انہوں نے کہا تھا کہ وہ ٹھیک نو بجے ملے گا۔ مگر میں پندرہ منٹ بعد پہنچی۔"

"تب پھر تم بارہ بجے تک اس کا انتظار کیوں کرتی رہیں۔ کیا تم یہ سوچ نہیں سکتی تھیں کہ وہ دس منٹ تک تمہارا انتظار کرنے کے بعد واپس چلا گیا ہوگا۔"

"شائد میں پاگل ہوگئی تھی جناب۔ میں اتنا نہیں سوچ سکتی تھی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو لڑکی۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور حمید کو اس پر غصہ آنے لگا۔

دفعتاً لڑکی کے حلق سے ایک بھیانک.... چیخ نکلی اور وہ دوسری طرف الٹ گئی۔ اس کے سینے سے خون کا فوارہ نکل رہا تھا۔ فریدی اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ وہ اندھا دھند پھاٹک کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ یقیناً کوئی بے آواز رائفل تھی جو پھاٹک کے باہر سے چلائی گئی تھی کیونکہ ان لوگوں نے فائر کی آواز نہیں سنی تھی۔

حمید نے جھپٹ کر برآمدے کی روشنی گل کر دی اور پھر وہ پھاٹک کی طرف دوڑنے لگا۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور باہر سڑک پر سناٹے کی حکمرانی تھی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ تقریباً دو تین منٹ تک وہ وہیں کھڑا رہا پھر اُسے اپنے حماقت کا احساس ہوا۔ پتہ نہیں وہ لڑکی زندہ ہے یا مر گئی۔ اس نے مڑ کر برآمدے کی طرف دیکھا۔ وہاں اب بھی تاریکی تھی۔

وہ پھر دوڑتا ہوا برآمدے میں آیا۔

"کون ہے؟" اس نے ریکھا کی آواز سنی۔

"میں ہوں۔" حمید کہتا ہوا سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور دوسرے ہی لمحے میں برآمدہ پھر

روشن ہو گیا۔ ریکھا لڑکی کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔ پہلی ہی نظر میں حمید نے اندازہ کر لیا کہ لڑکی مر چکی ہے۔ فرش پر دور تک خون پھیلا ہوا تھا۔

ریکھا کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت کھڑی لاش کو گھور رہی تھی۔ حمید نے آہستہ سے کہا۔

"تم اندر جاؤ۔"

"کیوں؟" ریکھا یک بیک چونک پڑی۔

"کچھ نہیں یونہی۔ تم اس وقت یہ دوسری لاش دیکھ رہی ہو۔"

"میں کوئی گھریلو عورت نہیں ہوں۔ اس محکمے سے میرا تعلق ہے جہاں ہر وقت ہی ایک آدھ لاش سے سابقہ پڑتا ہے۔"

"میرا مطلب ہے تیسری لاش کے لئے کوتوالی فون کر دو۔"

ریکھا خاموشی سے اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد فریدی برآمدے میں داخل ہوا اور ریکھا بھی فون کر کے واپس آ گئی۔ فریدی کی آنکھیں گہرے تفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"ریکھا نے کوتوالی فون کر دیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" فریدی نے مختصر سا جواب دیا۔ وہ ایک آرام کرسی میں گر گیا۔

کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "حالات بہت زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ ریکھا ذرا تم اس لاش کی تلاشی لو۔ شائد کچھ ہاتھ آ سکے۔"

لیکن تلاشی سے کچھ بھی نہ حاصل ہو سکا۔ اس کے پاس سے کوئی بھی ایسی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے کچھ اس کی یا اس کے قاتلوں کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

"کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ حرکت اسی سفارت خانہ والوں کی ہے۔" فریدی نے ریکھا سے کہا۔

"ان کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔" ریکھا نے جواب دیا۔ "اپنی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد انہیں اصل عورت کی فکر ہوئی ہو گی۔ مگر کیا وہ لوگ بھی اس عورت کو نہیں پہچانتے جس سے انہیں کوئی پیغام ملنے والا تھا۔"

"یہی ہو سکتا ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر حمید سے بولا۔ "تم نیشنل گرلز کالج کے ہوسٹل میں کسی مس ورما کو اسی وقت تلاش کرو۔ ویسے مجھے توقع نہیں ہے۔"

"پھر کیوں خواہ مخواہ مجھے دوڑا رہے ہیں۔"

"احتیاطاً....!"

وہ کون تھی

نیشنل کالج تک پہنچنے میں تو حمید کو کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن رات کو دو بجے ہوسٹل کی وارڈن تک پہنچنا یقیناً بڑا مشکل کام تھا۔ کسی نہ کسی طرح وہ اس سے بالمشافہ گفتگو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وارڈن ادھیڑ عمر کی عورت تھی اُسے اتنی رات جگایا جانا بہت گراں گزرا تھا۔ اگر حمید کا تعلق محکمہ سراغ رسانی سے نہ ہوتا تو شائد اس نے اسے کالج کے کمپاؤنڈ سے باہر پھنکوا دیا ہوتا۔ لیکن وہ مس ورما نہیں تھی۔ اس نے بتایا کہ کالج میں اس نام کی کوئی لیکچرار کبھی نہیں رہی۔

حمید بے نیل و مرام واپس ہوا۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے تین بج گئے۔ یہاں اب سناٹا تھا۔ حمید نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر فریدی موجود ہوتا تو یقینی طور پر آنے والی صبح کا سورج حمید کی کھوپڑی ہی سے طلوع ہوتا۔ اس نادر موقع سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں مزید وقت برباد کئے بغیر اُسے سوٹ اور جوتوں سمیت لحاف میں جا گھسنا پڑا۔

یہ اور بات ہے کہ اُسے آٹھ بجے سے پہلے ہی اٹھا دیا گیا ہو۔ فریدی اُسے بُری طرح جھنجھوڑ رہا تھا۔

"ہاں...ہاں...سب ٹھیک ہے۔" حمید نے آنکھیں کھولے بغیر بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی۔

فریدی نے اُس کی گردن دبوچی اور اٹھا کر فرش پر کھڑا کر دیا۔

"کیا مصیبت ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "اگر آپ کو آرام سے نفرت ہے.... تو....!"

"شٹ اپ....!"

"نہیں خاموش رہوں گا۔ میں صرف سراغ رسانی کے لئے نہیں پیدا ہوا۔"

"تم پیدا ہی کب ہوئے تھے۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "پیدا ہونے والے زندہ رہتے ہیں اور زندگی سردیوں میں لحاف کا نہیں بلکہ ٹھنڈے پانی کا نام ہے۔ تمہیں اس وقت ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔"

"مت بور کیجئے، ورنہ میں دیوار سے سر ٹکرا لوں گا۔"

"یہی کر کے دکھاؤ۔ کچھ تو کرو.... مگر ٹھنڈے پانی سے غسل....!"

"کیوں....!"

"تم جوتوں اور کپڑوں سمیت سوگئے تھے۔"

"تو کیا ان جوتوں اور کپڑوں نے مجھ پر پیشاب کردیا ہے۔ کیوں غسل کروں ٹھنڈے پانی سے۔"

"کاہلی کی سزا....!"

حمید نے سوچا دماغ ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ ورنہ وہ اُسے کپڑوں سمیت ٹھنڈے پانی کے ٹب میں پھینک آئے گا۔ ایک بار پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا۔ سردیوں کا زمانہ تھا اور حمید اُسی طرح کپڑوں سمیت سو گیا تھا۔ دوسری صبح فریدی نے اُسے ٹھنڈے پانی کے ٹب میں غوطے دیئے تھے۔ فریدی کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اسے کسی معاملے میں بھی بے قاعدگی پسند نہیں تھی۔ حمید نے یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال فریدی کا دھیان دوسری طرف بٹا دیا جائے۔

"اوہو.... میں تو بھول ہی گیا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "نیشنل گرلز کالج میں مس ورما نام کی کوئی عورت نہیں ہے۔ پہلے بھی کبھی نہیں رہی۔"

"بہت خوب۔" فریدی مسکرایا۔ "اتر آئے سراغ رسانی پر۔ ابھی تو کہہ رہے تھے۔"

"میں غلط کہہ رہا تھا۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نیند میں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف سراغ رسانی کے لئے پیدا ہوا تھا۔"

"تمہیں بہر حال ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا پڑے گا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"گولی ماردیجئے نا مجھے۔" حمید حلق پھاڑ کر چیخا۔

دفعتاً فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بجی اور اس طرح حمید ٹھنڈے پانی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُسے سردیوں میں ٹھنڈے پانی کے نام ہی سے چکر آنے لگتے تھے۔

اس نے بڑی تیزی سے دانت صاف کئے اور کچن میں جا گھسا۔ وہ صبح کی پہلی چائے بھی دانت صاف کئے بغیر نہیں پیتا تھا۔

جب وہ ضروریات سے فارغ ہو چکا تھا تو ایک بار پھر فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"اس لڑکی کا سراغ مل گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کس لڑکی کا.... میری لسٹ پر ہر وقت کم از کم دو درجن لڑکیاں رہی ہیں۔"

فریدی جھنجھلا کر کوئی سخت بات کہنے ہی والا تھا کہ پھر فون کی گھنٹی بجی اور حمید سر سہلاتا ہوا ناشتے کی میز کی طرف چلا گیا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد فریدی خواب گاہ سے واپس آیا۔

"میرا خیال ہے آپ مقتولہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"ہاں.... آں...." فریدی بیٹھ کر کافی انڈیلنے لگا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ وہ خاموشی سے ناشتہ ختم کرلے۔

کچھ دیر بعد فریدی ناشتہ ختم کر کے سگار سلگانے لگا۔ حمید سر جھکائے کافی پیتا رہا۔

"وہ شرما اسٹریٹ میں نہیں رہتی تھی اور یہ بھی غلط ہے کسی نے اُسے دھوکا دیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو اسی وقت ثابت ہو گیا تھا جب گرلز کالج میں کوئی مس ورما نہیں ملی تھی۔"

"کیا خیال ہے۔ اگر اُسے گولی نہ ماری جاتی تو۔"

"ظاہر ہے کہ وہ بعد میں بھی ہماری گرفت میں آسکتی تھی۔ میں نے تو اسکے بیان پر یقین کر لیا تھا میں اس کو اسکے بتائے ہوئے پتہ پر چھوڑ بھی آتا لیکن مس ورما کی اصلیت ظاہر ہوتے ہی....!"

"ختم کرو۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اسکے بعد تمہارے فرشتے بھی اس تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ہوسکتا ہے۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن اس کے متعلق آپ نے اور کیا معلوم کیا۔"

"اس کی بڑی بہن راجرس اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اُس سے کیا معلوم کرسکتے ہیں۔ تم ناشتہ کتنی دیر میں ختم کرو گے۔"

کچھ دیر بعد وہ راجرس اسٹریٹ کی طرف جارہے تھے۔

"میں اس آدمی کو کبھی نہیں بھول سکوں گا۔" حمید نے کہا۔ "جو مجھے پچھلی شام آرلکچو میں ملا تھا۔ کاش میں اُسے بچا سکتا۔"

"تم اُسے کسی طرح نہ بچا سکتے۔ وہ یقیناً ان لوگوں کے کسی راز سے واقف تھا۔"

"مگر وہ اسے ننگا کیوں کر گئے تھے۔ یقیناً یہ ایک ایسا کام تھا جس میں ذرا سی لغزش بھی ان کے لئے پھانسی کا پھندہ بن سکتی تھی۔ انہوں نے محض اس کے کپڑے اتارنے کے لئے دھوئیں کا بم پھینکا تھا۔ آخر کیوں! کپڑے اُتارنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"کپڑے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "نہیں میرا خیال ہے کہ کپڑوں سے زیادہ اس تیر کی اہمیت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے تیر پولیس تک پہنچ سکیں۔ سفارت خانے کی عمارت میں بھی یہی ہوا تھا۔ تیر نہیں مل سکا۔ حالانکہ ریکھا نے خود اسے تیر کھا کر گرتے دیکھا تھا۔"

"کپڑے اس کے بھی اتار لئے گئے تھے۔" حمید نے اس طرح کہا جیسے تیروں پر کپڑوں کو اہمیت دینا چاہتا ہو۔

"میں یہ نہیں کہتا کہ کپڑوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "ہو سکتا ہے مگر نہیں

سو فیصدی یہی بات ہے۔ دونوں ہی لاشیں اس حال کو پہنچ گئی تھیں کہ ان کی شناخت ناممکن تھی لہٰذا کپڑے اتار لینے کا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ کپڑوں ہی کے ذریعہ لاشوں کی شناخت کا امکان باقی نہ رہے۔ اور حمید صاحب.... میں ایک ایسے زہر کے وجود سے بھی واقف ہوں جس سے شکار کی لاش پر ورم آجاتا ہے، یعنی جسم کے وہ حصے متورم ہو جاتے، جو کھلے رہ جائیں۔ اگر لاش ننگی ہو تو پورے جسم پر بھی اس حد تک ورم آسکتا ہے جتنے پھیلاؤ کی صلاحیت گوشت میں موجود ہو۔"

"یہ کیسا زہر ہے۔" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اس قسم کے کسی زہر کے متعلق میں نے آج تک نہیں سنا۔"

"تم نے سنا ہی کیا ہے۔ میکسیکو کی بعض خشک پہاڑیوں میں ایک کانٹوں دار پودا اگتا ہے۔ اس کا ایک کانٹا بھی اگر جسم کے کسی حصے میں چبھ جائے تو آدمی ایک منٹ کے اندر ہی اندر ختم ہو سکتا ہے اور جسم کے کھلے ہوئے حصے متورم ہو جائیں گے۔ میکسیکو کے قدیم باشندے اس پودے اپنے ایک قاہر دیوتا کی ڈاڑھی کہتے ہیں۔"

"کانٹے میں زہر۔" حمید کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔

"زہر تو دراصل اس پورے پودے ہی میں ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا سفوف سا جو پودے کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے۔ حقیقتاً وہ پودے کے مسامات سے خارج ہونے والی ایک طرح کی رطوبت ہوتی ہے جو خشک ہونے کے بعد سفید رنگ کے سفوف کی شکل اختیار کر لیتی ہے اگر تمہارے جسم کے کسی زخم پر اس سفوف کے ذرات پڑ جائیں تو اس کا نتیجہ بھی وہی ہوگا جو کانٹا لگنے کا ہو سکتا ہے۔ موت اس سفوف ہی کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ جو کانٹوں کے ساتھ جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اب وہ فریدی کے معاملے میں اس ذہنی اسٹیج سے بھی گذر چکا تھا۔ جہاں اس کی معلومات پر عش عش کر سکتا۔

راجرس اسٹریٹ میں پہنچ کر فریدی نے کار ایک عمارت کے سامنے روک دی۔

"اس عمارت کے اٹھارویں فلیٹ میں وہ رہتی ہے۔ مقتولہ کی بہن" فریدی نے داہنی جانب کی ایک عمارت کی طرف اشارہ کیا۔

"مگر آپ کو اتنی جلد اس کا علم کیسے ہو گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"محض اتفاق۔" فریدی نے کہا۔ "پچھلی رات لاش کے فوٹو لئے گئے تھے۔ خیال تھا کہ آج ایک فوٹو شام کے اخبارات میں دیا جائے گا۔ مگر فنگر پرنٹ سیکشن کے ایک آدمی نے لاش شناخت کر لی۔ اسی سے اس کی قیام گاہ کا پتہ بھی معلوم ہوا۔ وہ اس کی بڑی بہن کو جانتا ہے۔"

وہ دونوں کار سے اتر کر اُس عمارت کے قریب پہنچے۔ اٹھارواں فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔ فریدی نے بند دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ تین چار بار دستک دینے کے بعد فریدی نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا لیکن شائد وہ اندر سے مقفل تھا۔ پھر اس کے اشارے پر حمید نے برابر والے فلیٹ کے دروازے پر دستک دی۔ کسی نے جلدی ہی دروازہ کھولا۔ وہ ایک ادھیڑ عورت تھی۔

"فرمایئے....!" اس نے حیرت سے کہا۔

"کیا یہاں مسز گپتا رہتی ہیں۔"

"جی نہیں باجو والا فلیٹ ہے۔" عورت نے اُسی فلیٹ کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر وہ کئی بار دستک دے چکے تھے۔

"تب تو ہم نے غلطی نہیں کی تھی۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر اس عورت سے بولا۔ "مگر اندر سے جواب نہیں ملتا۔ کیا مسز گپتا دیر تک سونے کی عادی ہیں۔"

"پتہ نہیں۔" عورت بولی۔ "مسز گپتا تو ہسپتال میں ہیں۔ اندر ان کی نوکرانی ہوگی جو اونچا سنتی ہے۔"

"ہسپتال میں کیوں.... پتہ نہیں.... کیوں.... کیا....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

"آپ مسز گپتا سے کب سے نہیں ملے۔" عورت نے پوچھا۔

"ارے ابھی پچھلے ہی ہفتے ملاقات ہوئی تھی۔"

"اچھا ایک بات بتایئے! کیا آپ نے پچھلی ملاقات پر یہ محسوس کیا تھا کہ یہ عورت عنقریب پاگل ہو جائے گی۔"

"نہیں تو۔" فریدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ "کیوں کیا بات ہے؟"

"آج صبح چار بجے اسکے چند عزیز اُسے یہاں سے لے گئے وہ جانوروں کیطرح چیخ رہی تھیں۔"

"ممکن ہے اور کوئی تکلیف رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جی نہیں.... ان کے کزن نے مجھے یہی بتایا تھا کہ اکثر ان پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہتے ہیں۔"

"وہ کب سے آپ کی پڑوسی ہیں۔"

"میرا خیال ہے پچھلے تین برسوں سے۔"

"کیا اس سے پہلے بھی کبھی ان پر اس قسم کا کوئی دورہ پڑا تھا۔"

"میرے علم میں تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے پڑا ہو۔"

"ملازمہ سے کس طرح گفتگو کی جائے۔ ویسے آپ کو تو معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس ہسپتال لے جائی گئی ہیں۔"

"جی نہیں.... مجھے نہیں معلوم۔"

"آہا.... ان کی ایک بہن بھی تو ہیں مس شیلا۔ کیا وہ بھی موجود نہ ہوں گی۔"

"ارے.... وہ....!" عورت بُرا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"کیوں.... انہیں کیا ہوا....؟" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"ایک آوارہ عورت کی بدولت ان دونوں بہنوں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ مسز گپتا کا کہنا تھا کہ اس عورت سے قطع تعلق کر لے لیکن شیلا اس پر کسی طرح تیار نہ ہوئی اور دونوں میں ہو گیا۔ شیلا اب اسی عورت کے ساتھ رہتی ہے۔"

"اُف.... فوہ.... غالباً اسی حادثے نے مسز گپتا کا دماغ الٹ دیا ہے۔" فریدی تشویش لہجے میں بولا۔

"ہو سکتا ہے.... مسز گپتا بہت شریف عورت ہیں۔"

"پھر کیا.... کیا جائے۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بڑبڑایا۔ "میرے خیال سے بہ ہوگا کہ مس شیلا کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔"

"قطعی.... یہ بہت ضروری ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

فریدی نے عورت سے کہا۔ "یہ کیسے معلوم ہو کہ وہ عورت کہاں رہتی ہے۔"

"میں آپ کو بتا سکوں گی۔ میں نے اپنے طور پر پتہ لگایا تھا کہ وہ واقعی بہت خراب عو ہے۔ صورت سے کوئی نہیں اندازہ لگا سکتا کہ وہ اتنی بد چلن عورت ہوگی۔"

"وہ کہاں رہتی ہے۔"

"شرما اسٹریٹ میں۔ اس کا نام تارا نائیڈو ہے۔"

حمید یک بیک چونک پڑا کیونکہ پچھلی رات مقتولہ نے نہ صرف اپنا نام یہی بتایا تھا بلکہ کہا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔

"شرما اسٹریٹ....!" فریدی عورت کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "شرما اسٹریٹ درجنوں عمارتیں ہیں اُسے کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔"

"وہ دیکھئے.... وہاں کیفے شبستان ہے۔ ٹھیک اسی کے سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ میں رہتی ہے۔"

"اوہ.... اچھا.... بہت بہت شکریہ۔ اتنا کافی ہے۔ اب ہم اس تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔"

فریدی اور حمید نیچے آئے۔ حمید نے اس سے کہا۔ "اس کی ملازمہ سے گفتگو کئے بغیر ہم واپس آگئے۔"

"کوئی ضرورت نہیں۔ وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر تارا نائیڈو اور شرما اسٹریٹ کے نام سن کر تمہارے پیٹ میں چوہے ضرور کودنے لگے ہوں گے۔"

دھمکی

فریدی کی لنکن پھر شہر کی بھری پُری سڑکوں پر نکل آئی تھی۔ حمید نے محسوس کیا کہ اب فریدی فکر مند نہیں ہے.... وہ اس تبدیلی کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔

"کیا.... وہ عورت سچ مچ پاگل ہو گئی ہوگی۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی نہیں.... میرا خیال ہے۔ انہوں نے اُسے بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ جو لوگ کسی کو میری چھت کے نیچے قتل کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ مشکل کام نہیں ہو سکتا۔"

"اب دیکھنا ہے کہ اس عورت تارا نائیڈو پر کیا افتاد پڑتی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہونا ہے اب تک ہو چکا ہوگا۔ یا پھر وہ بالکل محفوظ ہوگی۔"

"کیوں.... یہ دو متضاد باتیں کیوں۔"

"وہ اُن لوگوں کے لئے خطرناک ہوگی یا انہیں میں سے ہوگی یا پھر بالکل ہی بے تعلق ہوگی۔ ممکن ہے اس کا اس سلسلے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"کچھ ہو یا نہ ہو۔ خدا کرے جوان ہو حسین ہو۔" حمید بڑبڑا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

کار شرما اسٹریٹ میں داخل ہو کر دوسری سڑک پر نکل آئی۔

"کیوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"میں اس وقت صرف سڑک پیمائی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور وہ تارا نائیڈو۔"

"فکر نہ کرو۔ مجھے سب سے زیادہ اس عورت کی فکر ہے جو پاگل ہو گئی ہے۔"

"کیوں؟"

"اسلئے کہ وہ یقیناً بوڑھی ہو گی اور دنیا کا کوئی حمید اس کیلئے دردِ سر مول لینے کو تیار نہ ہوگا۔"

"اُسے لے جانے کا تو یہی مطلب ہو سکتا ہے وہ بھی ان لوگوں کے کسی راز سے واقف پھر ایسی صورت میں انہوں نے اُسے زندہ ہی کیوں رکھا ہو گا۔"

"کبھی کبھی دوسرے ہماری طرح نہیں سوچتے۔"

"مگر آپ اُسے تلاش کہاں کریں گے۔"

"تلاش....!" فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں آئیں تھیں اور آنکھوں میں ذہنی الجھن کے آثار تھے۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ حمید نے کھڑکی کے باہر سر نکال کر چائنیز کارنر کا پڑھا۔ مگر اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ فریدی یہاں سے کس طرح معلومات حاصل کر سکے گا۔ سے زیادہ یہاں فنچ کے متعلق یہ معلوم کر سکتا تھا کہ وہ روزانہ کا گاہک ہے یا کبھی کبھی آتا ہے۔ ہے کہ فنچ جیسے لوگ دوسروں کو اپنے بارے میں لاعلم ہی رکھتے ہیں۔

بہر حال وہ بھی فریدی کے ساتھ کار سے اتر گیا۔ وہ کارنر سے داخل ہوئے اس وقت اکادکا آدمی نظر آرہے تھے۔ فریدی نے کاؤنٹر کے قریب رک کر چاروں طرف اچٹتی سی ڈالی۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف مڑا جو شائد ان کے آرڈر کا منتظر تھا۔

"مسٹر فنچ نہیں آئے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"کون مسٹر فنچ.... جناب.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ.... ننھے سے آدمی۔" فریدی مسکرا کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ.... نہیں جناب۔ وہ عموماً رات ہی کو آتے ہیں۔" وہ آدمی بھی معنی خیز انداز مسکرایا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "مسٹر فنچ کے علاوہ بھی یہاں کچھ اور آدمی ہیں اور ان کے پاس ایسے مال ہیں کہ مسٹر فنچ نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔"

"اچھا....!" فریدی کاؤنٹر پر کہنیاں ٹکا کر اس کی طرف جھکتا ہوا رازدارانہ لہجے میں بو

"فنچ کی لڑکیاں تو گلاب لگاتی ہیں۔"

اس کے جواب میں اس نے ایک ایسی گندی بات کہی جو مضحکہ خیز نہ ہوتی تو حمید نے اس کے گال پر تھپڑ ہی رسید کر دیا ہوتا۔

پھر اُس نے کہا۔ "وہ ہمیشہ ایک رات میں ایک ہی لڑکی سپلائی کرتا ہے لیکن پچھلی رات یہاں دو تھیں ایک کو وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا اور دوسری آپ کے ساتھ گئی تھی۔"

"اوہو....!" فریدی اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔ "تو تمہیں یاد ہے۔ ویسے کیا روزانہ اس کی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔"

"جی نہیں.... کبھی کبھی۔ ویسے وہ خود روزانہ یہاں آتا ہے۔"

"مسٹر فوہی سے دوستی ہو گی۔"

"مسٹر فوہی.... جی ہاں.... یہی سمجھ لیجئے۔"

"مسٹر فوہی سے اس وقت کہاں ملاقات ہو سکے گی۔"

"یہ بتانا مشکل ہے۔ مسٹر فوہی کے پیروں میں چکر ہے۔ وہ کسی ایک جگہ رکنا جانتے ہی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اوپری منزل پر اپنے کمرے میں ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شہر کے دوسرے سرے کے کسی شراب خانے میں۔"

"بڑا رنگین آدمی ہے یہ فوہی بھی۔" فریدی حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "اس کے پاس بھی بڑی عمدہ لڑکیاں ہیں۔"

"آپ کس سے کم ہیں جناب۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"او.... ہاں.... اچھا چلو! ہم مسٹر فوہی کو دیکھتے ہیں۔" فریدی نے کہا پھر اس آدمی سے پوچھا۔ "کس نمبر کا کمرہ ہے۔"

"گیارہ نمبر جناب۔"

فریدی زینوں کی طرف بڑھا۔ حمید نے بھی قدم بڑھائے۔

گیارہویں کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حمید کو اندر ایک فربہ اندام اور دراز قد چینی نظر آیا۔ چینیوں میں اتنا نکلتا قد شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے جتنا کہ اس کا تھا۔ فریدی کو دروازے کے سامنے رکتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

فریدی اجازت طلب کئے بغیر کمرے میں داخل ہو چکا تھا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی۔ لیکن چینی کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"آپ کون ہیں؟" وہ انگریزی میں غرایا۔

"تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔" فریدی نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"میں نہیں پہچانتا۔"

فریدی نے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھادیا۔ اس نے کارڈ لے کر اس پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور اس کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

"کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔" وہ پھر اسی انداز میں غرایا۔ "آپ اس طرح بغیر اجازت درانہ میرے کمرے میں گھستے چلے آرہے ہیں۔ یہ کہاں کی انسانیت ہے۔"

"مجھے فنچ کا پتہ چاہئے۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ آپ خواہ مخواہ مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔"

"تم جانتے ہو اس لئے لازمی طور پر پریشان کئے جاؤ گے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔ "اگر میں کوئی غیر قانونی کام کرتا ہوتا تو رشوت بھی دے سکتا تھا۔"

"اوہو.... تو میں تم سے رشوت وصول کرنے آیا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میں وصول کروں اس سے رشوت۔" حمید نے غصیلے لہجے میں اردو میں پوچھا۔

"ٹھہرو....!" فریدی نے آہستہ سے کہا پھر فوہی سے بولا۔ "میں اس کمرے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں.... تلاشی کا وارنٹ ہے آپ کے پاس۔"

"میں خود ہی وارنٹ ہوں۔"

"تب آپ نہیں لے سکتے تلاشی۔"

"ہم تمہیں پھانسی بھی دے سکتے ہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"کوشش کر کے دیکھئے۔" فوہی نے لاپروائی سے کہا۔

"حمید تمہیں یہاں سے کوکین برآمد کرنی ہے۔" فریدی سرد لہجے میں بولا۔

حمید الماریوں کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی فوہی نے بھی آگے بڑھنا چاہا۔ لیکن دوسرے لمحے میں فریدی کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا۔

حمید نے بڑی تیزی سے کمرے کی چیزیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔

"تم حد سے بڑھ رہے ہو کرنل فریدی۔ میں کوئی گیا گزرا آدمی نہیں ہوں۔" فوہی غرایا۔

"نہیں تم بہت معزز آدمی ہو۔ میں تمہیں جوتے سے نہیں ماروں گا۔ مطمئن رہو۔" فریدی

نے لاپروائی سے جواب دیا۔

پندرہ منٹ تک حمید نے سر مارا لیکن کوکین نہ برآمد کر سکا۔ آخر تھک ہار کر اس نے فریدی سے کہا۔ "کوئی دوسرا چارج لگایئے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ میری جیب سے ہتھکڑیاں نکال کر فوہی کے لگادو۔"

"مذاق ہے۔ یونہی لگادو گے ہتھکڑیاں۔ تمہارا راج ہے۔" فوہی پاگلوں کی طرح چیخا۔

"ہاں اس شہر پر میرا راج ہے۔ حمید جلدی کرو۔"

حمید نے فریدی کی جیب سے ہتھکڑیاں نکالیں اور فوہی کی طرف بڑھا۔

"اچھی بات ہے تم لگاؤ ہتھکڑیاں لیکن اسے لکھ لو کہ یہ تم دونوں کے وقار کا آخری دن ہے۔"

"ہمارا وقار ہر وقت خطرے میں رہتا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔

حمید فوہی کے ہتھکڑیاں لگا چکا تھا۔

چند لمحے فریدی اور فوہی ایک دوسرے کو گھورتے رہے پھر فریدی مسکرا کر بولا۔ "اب بھی غنیمت ہے کہ فنچ کا پتہ بتادو ورنہ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ اگر میں نے کوکین برآمد کر لی تو پھر کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔ جو دل چاہے کرو۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا۔ پھر سامنے والی دیوار کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک فریم والی تصویر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً فوہی کے حلق سے عجیب قسم کی آواز نکلی جسے نہ کھانسی کہا جا سکتا تھا اور نہ یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس نے کھکار کر اپنا گلا صاف کیا ہے اور پھر حمید نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھیں۔

فریدی بڑی میز کو گھسیٹ کر دیوار سے لگا رہا تھا۔ اس نے میز پر ایک کرسی رکھی اور پھر میز پر چڑھ ہی رہا تھا کہ فوہی بڑبڑایا۔ "ٹھہرو۔ میں بتادوں گا۔"

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے۔" فریدی نے اس کی طرف مڑے بغیر کہا۔

کرسی پر کھڑے ہو کر اس نے فریم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ پھر حمید نے دوسرے ہی لمحے میں اس فریم کو کسی الماری کے ڈھکن کی طرح کھلتے دیکھا۔ ایک تاریک سی خلاء نمایاں ہو گئی۔

"بات کو آگے نہ بڑھاؤ۔ میں بتادوں گا۔" فوہی نے پھر کہا۔

"بات بڑھ چکی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب تم کچھ بتاؤ۔"

"میں اس کے عوض منہ مانگی رقم دے سکتا ہوں۔" فوہی کی آواز کسی دائم المریض کی طرح

سرد اور بے جان ہو گئی تھی۔

"تم واقعی ایک معزز آدمی ہو۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔"

"اگر تم نے اس فریم پر میری نظر پڑنے سے پہلے درخواست کی ہوتی تو میں تمہیں معاف کر دیتا۔"

"میں فنچ کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ اس کے متعلق سب کچھ جانتا ہوں۔"

"اور اس کے بعد فنچ کو بھی مطلع کر سکتے ہو کہ تم نے مجھے اس کا پتہ دیا ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ لڑکیوں کے بیوپار سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ بس وہ میرا دوست ہے۔ میں جانتا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مصیبت میں پڑے گا۔"

"ہتھکڑیاں نکال دو۔" فریدی نے فوہی کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے حمید سے کہا۔

فوراً ہی تعمیل کی گئی۔ فریدی ریوالور جیب میں ڈال چکا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

فوہی کرسی میں ڈھیر ہو کر ہانپنے لگا۔ اس کے چہرے پر کچھ اسی قسم کے آثار تھے۔ جیسے غیر متوقع طور پر موت کے منہ سے نکل آیا ہو۔

"فنچ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے۔" فریدی نے سوال کیا۔

فوہی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔ وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے ہوئے تھا۔ شائد اس طرح وہ اپنی چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"منہ سے بولو۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ لڑکیوں کا بیوپار کرتا ہے خود کو پیٹنٹ دواؤں کا دلال ظاہر کرتا ہے لیکن حقیقتاً وہ لڑکیوں کا دلال ہے۔"

"تمہیں اس کا پتہ معلوم ہے۔"

"معلوم ہے جناب۔ وہ اپنا پتہ کسی کو بھی نہیں بتاتا لیکن میں نے ایک بار معلوم کر لیا تھا۔"

"اس نے خود تمہیں نہیں بتایا۔"

"جی نہیں لیکن وہ میرے گہرے دوستوں میں سے ہے۔"

"خیر اس کا پتہ بتاؤ۔"

"تھرٹین پیرا ماؤنٹ لین۔"

فریدی نے حمید کو پتہ نوٹ کرنے کا اشارہ کر کے فوہی سے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ لڑکیوں کی تجارت کرتا ہے۔"

"جی ہاں.... مجھے یقین ہے لیکن اس کا طریقہ عجیب ہے۔ اسی بناء پر مجھے سوچنا پڑا ہے کہ میں اس تجارت کی پشت پر کوئی اور ہے۔ فنچ کی حیثیت ایک ایجنٹ سے زیادہ نہیں ہے۔"

"کیوں؟ یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔"

"کیونکہ وہ لڑکیاں اس کے لئے اجنبی ہوتی ہیں اگر وہ اپنے کالروں میں سرخ گلاب نہ لگائیں تو شائد فنچ انہیں پہچان بھی نہ سکے۔ ہر بار ایک نیا چہرہ نظر آتا ہے۔ میں نے کسی بھی لڑکی کو دوسری بار نہیں دیکھا۔ فنچ انہیں یہاں سے کہیں لے جاتا ہے۔ مگر پچھلی رات مجھے اطلاع ملی تھی کہ کل دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے آئی تھیں۔ حالانکہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"تو گویا روزانہ نئی لڑکیاں یہاں آتی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں جناب کبھی کبھی۔ نہ فنچ یہاں روزانہ آتا ہے اور نہ لڑکیاں۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "لیکن تم اپنی زبان بند رکھو گے۔"

"میں اپنا اتنا بڑا کاروبار چھوڑ کر اس شہر سے بھاگ نہیں سکتا۔"

"سمجھدار آدمی ہو۔" فریدی مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

باہر آ کر حمید بولا۔ "اس فریم کے پیچھے کیا تھا۔"

"وہ فریم نہیں بلکہ الماری کا دروازہ تھا۔ ایسے تصویری فریم کون لگاتا ہے جو دیوار سے چپکے رہیں۔ چلو بیٹھو....!"

وہ کار میں بیٹھ گئے۔

وہ عورت

حمید بور ہو رہا تھا جیسے ہی کار حرکت میں آئی وہ آنکھیں بند کر کے پشت گاہ سے ٹک گیا۔ پچھلی رات کی دو لاشیں اس کے ذہن پر بُری طرح مسلط تھیں۔ وہ چھوٹے قد کی خوبصورت سی گڑیا کتنی دلکش تھی جس کے سینے میں ایک بدنما سا سوراخ ہو گیا تھا وہ خوفزدہ تھی۔ ہو سکتا تھا شائد اسے انہیں لوگوں کا خوف رہا ہو جنہوں نے اسے اتنی بے رحمی سے قتل کر دیا تھا۔ شائد وہ سرکاری

سراغ رسانوں سے پیچھا چھڑا کر اس شہر ہی سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے اپنا نام تارانائیڈو بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ شرما اسٹریٹ میں رہتی ہے۔ مقصد یہی رہا ہوگا کہ وہ اس طرح اس عورت کو پولیس کے چکر میں پھنسادے گی جس کی وجہ سے اسے ان پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا تھا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ وہ لوگ اس سے زیادہ ہوش مند تھے۔ حمید نے سوچا اب تارانائیڈو کے خلاف ثبوت مہیا کرنا بھی آسان نہ ہوگا۔

پھر وہ اس آدمی کے متعلق سوچنے لگا جو ایک پُر اسرار تیر کا شکار ہو کر اپنے خدوخال تک کھو بیٹھا تھا۔ حمید اس کے لئے بھی مغموم تھا کیونکہ اس نے اس سے اپنی زندگی کی حفاظت کی درخواست کی تھی۔ مگر حمید.... سمجھا تھا کہ وہ اسے کسی چکر میں پھانسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر کیا ہوا؟ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو اپنے شبہات پر نادم ہونا پڑا۔ دوسری طرف فریدی سرخ گلابوں کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ بظاہر دونوں معاملے بالکل الگ الگ تھے لیکن پھر اسی زہریلے تیر کی کارفرمائی وہاں بھی نظر آئی۔ اور اب انہیں اس کا فیصلہ کرنا تھا کہ وہ دو معاملات حقیقتاً الگ الگ تھے یا وہ ایک ہی اصلیت کے دو مختلف پہلو کہے جاسکتے تھے۔

"کیا اب فنچ تک پہنچنے کا ارادہ ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"اس کی توقع کم ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔ اُسے سفارت خانے کی طرف سے ہوشیار کر دیا گیا ہوگا۔"

"پھر بھی اگر ہم تھرٹین پیراماؤنٹ اسٹریٹ کو دیکھ ہی لیں تو کیا حرج ہے۔"

"اوہو.... ضرور.... مجھے علم ہے کہ آج کل پیراماؤنٹ اسٹریٹ کی ایک لڑکی سے تمہارا معاشقہ چل رہا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ایکٹنگ نے اسے تم سے قریب کر دیا تھا۔"

"نہیں.... کیا؟" حمید حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس نے تمہیں اپنا نام کہکشاں بتایا تھا۔ وہ کہتی ہے کہ اس کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ وہ نسلی امتیاز وطنیت اور قومیت میں یقین نہیں رکھتی۔ وہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کسی قسم کا تکلف جائز نہیں سمجھتی اور بتاؤں۔"

"تو آپ میری ٹوہ میں رہا کرتے ہیں۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اب میں اُن معلومات کو کیا کروں جو اپنے پیروں چل کر مجھ تک پہنچ جاتی ہیں۔"

حمید کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ "آپ کے طرز گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام کہکشاں نہیں ہے۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔"

حمید پھر خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا آخر فریدی کو اس کی اطلاع کیسے ہو گئی۔ خیر اس کے متعلق علم ہو جانا اتنا حیرت انگیز نہیں تھا۔ مگر اسے وہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں جو اُن دونوں کے درمیان ہوئی تھیں۔

کہکشاں اُسے ایک غیر معروف سے ریستوران میں ملی تھی۔ حمید کا خیال تھا کہ اس کی احمقانہ انداز رکھنے والی حرکتوں نے اُسے اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔

وہ اتوار کی شام تھی اور حمید اس طرح شہر میں چکراتا پھر رہا تھا جیسے کوئی خزاں رسیدہ پتہ خشک اور بے کیف ہواؤں کے جھکڑ میں جا پڑے۔ خزاں رسیدہ پتے کی تشبیہ اس لئے مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حمید ان دنوں اپنے ہی الفاظ میں خود کو "بنجر" محسوس کر رہا تھا اور وہ اسی صورت میں خود کو بنجر محسوس کر رہا تھا جب شام کے بیکار لمحات گذارنے کے لئے کوئی نئی لڑکی نہیں ملتی تھی۔ پرانی شناسا لڑکیاں اسے ہمیشہ بور معلوم ہوتی تھیں۔ اگر وہ کبھی کہیں نظر بھی آتیں تو وہ کترا کر نکل جانا ہی بہتر سمجھتا تھا۔

بہر حال اس شام حمید تنہا اور اداس تھا اور اداسی میں پیدل ٹہلنا اس کی پرانی عادتوں میں سے تھا۔ جب وہ تھک گیا تو قریب کے ایک کیفے میں جا گھسا۔ وہاں بمشکل دس منٹ گذارے ہوں گے کہ ایک لڑکی اندر آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ بس ایسی ہی تھی کہ حمید نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ حمید کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا۔ اس نے جلد ہی اپنی غیر معمولی حرکات و سکنات سے لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ بھی اپنی میز پر تنہا ہی تھی اور متواتر حمید کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ حمید نے ایک ویٹر کو بلا کر اس سے ایک پیکٹ سگریٹ لانے کو کہا اور پرس سے کچھ اس انداز میں ایک نوٹ نکالا کہ دو نوٹ اس کی مصنوعی بے خبری میں فرش پر گر پڑے۔ اس نے یہ حرکت اس طرح کی تھی کہ ویٹر کی نظر نہیں پڑ سکی ورنہ وہ خود ہی اسے باخبر کر دیتا۔ ویٹر چلا گیا اور حمید نے پرس جیب میں ڈال لیا۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے نوٹوں کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا وہ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر حمید کو مخاطب کر کے بولی۔

"آپ کے نوٹ گر گئے ہیں جناب۔"

"جی....!" حمید چونک پڑا۔ لڑکی نے فرش کی طرف اشارہ کیا اور حمید کچھ ایسے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے جھکا جیسے پیروں کے پاس سانپ بیٹھا ہو۔

لڑکی بے اختیار مسکرا پڑی اور حمید کھڑا ہو کر احمقانہ انداز میں بولا۔ ”یہاں کسی صاحب کے نوٹ گر گئے ہیں۔“

لڑکی بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ یہاں اُن کے علاوہ صرف دو آدمی اور تھے وہ غیر ارادی طور پر اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ مگر لڑکی نے کہا۔ ”یہ نوٹ آپ ہی کے ہیں۔“

”میرے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”نہیں تو۔“

”میں نے آپ کے پرس سے گرتے دیکھے تھے۔“

”کیا آپ مجھے گدھا سمجھتی ہیں۔ کیا میں بچہ ہوں کہ نوٹ گرادوں گا۔“

لڑکی اپنی میز سے اٹھ کر اس کے پاس آبیٹھی۔

حمید نے اب بھی نوٹ فرش سے نہیں اٹھائے تھے۔

”نوٹ اٹھا لیجئے۔“ لڑکی آہستہ سے بولی۔

”آپ خود نہ اٹھا لیجئے۔ میں کیوں خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پڑوں۔“

لڑکی نے جھک کر نوٹ اٹھا لئے اور اپنے وینٹی بیگ سے ایک نوٹ بک نکالتی ہوئی بولی۔ ”یہ دس دس کے دو نوٹ ہیں۔ ہمارے کالج میں ایک ڈرامہ ہونے والا ہے۔ ان نوٹوں کے عیوض میں آپ کو اس کے دو ٹکٹ دے رہی ہوں۔“

”میں نے ایک بار کہہ دیا آپ سے کہ وہ میرے نوٹ نہیں ہیں۔“ حمید جھنجھلا گیا۔ ”آپ کیوں خواہ مخواہ کسی دوسرے کا وبال میرے گلے لگا رہی ہیں۔“

”آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔“ لڑکی بڑے خلوص سے مسکرائی۔ ”وبال میرے ہی سر رہے گا میں تو آپ کو ٹکٹ دے رہی ہوں۔ ڈرامہ کل نو بجے رات کو ہوگا۔ اپنی بیگم صاحبہ سمیت تشریف لائیے۔ ایک ٹکٹ پر دو بچے فری۔ گویا آپ چار بچے اپنے ساتھ لا سکتے ہیں۔ اگر چار سے زائد ہوں تب بھی پرواہ نہ کیجئے۔ میں دس روپے والے کلاس کے گیٹ ہی پر آپ کو ملوں گی۔“

”آپ خواہ مخواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔“

”کل ٹھیک نو بجے.... ماڈرن کالج میں.... میں آپ کا انتظار کروں گی۔“

لڑکی اپنا وینٹی بیگ سنبھالتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

”دیکھئے آنا نہ بھولئے گا۔“ اس نے چلتے چلتے ایک بار پھر کہا۔

پھر حمید دوسری رات ماڈرن گرلز کالج جا پہنچا۔ کہکشاں سے وہاں بھی ملاقات ہوئی اور دو ہی تین گھنٹوں میں وہ اس سے بہت زیادہ گھل مل گئی اور پھر وہ تقریباً روز ہی شہر کی کسی نہ کسی تفریح

گاہ میں ملتے رہے۔ حمید کی دانست میں کہکشاں اسے کریک اور بدھو سمجھتی تھی۔ حمید نے خود کو اسی انداز میں پیش کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آج کل سراغ رسانی کے موڈ میں نہیں تھا۔ ویسے وہ کام سے تو ہمیشہ ہی دور بھاگتا تھا۔

فریدی نے کار ایک جگہ روک دی اور حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے نیچے اُتر گیا۔ سامنے ہی ایک پبلک کال بوتھ تھا۔ اس نے اس میں داخل ہو کر کچھ نمبروں پر فون کئے اور پھر کار میں واپس آگیا۔

”تم گھبراؤ نہیں۔“ اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب ہم پیراماؤنٹ اسٹریٹ ہی کی طرف جائیں گے۔“

”نہیں مجھے گھبرانے دیجئے۔ گھبرانے سے خون صاف ہوتا ہے۔ صفائی سے مطلب سفیدی نہیں ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار چل پڑی اور حمید بڑبڑاتا رہا۔ ”میرا دل چاہتا ہے کہ اب بچے جننا شروع کردوں۔ اس طرح کچھ دن تو آرام کا موقع ملے گا۔ ویسے چھٹیاں بھی برباد ہی ہوتی ہیں۔ پچھلی بار چھٹی لی تھی تو ”طاقت“ کا کیس سر پر سوار ہو گیا تھا اور اب یہ۔“

”نہیں پچھلی بار روحی ملی تھی لیکن تضیع اوقات کا موقع نہ مل سکا تھا اور اس بار کہکشاں کے ساتھ ہی ساتھ گلابوں اور تیروں کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔“

”میں کہتا ہوں آخر آپ خواہ مخواہ ہر معاملے میں کیوں کود پڑتے ہیں۔“

”سنو فرزند! یہ قصہ آج کا نہیں ہے۔ گلابوں کا معاملہ عرصہ سے درپیش ہے۔ جن معاملات کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ ہاتھ لگائے بغیر کام نہیں چلے گا ان کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے اور بعد میں تو سب کچھ ہی سر پر آپڑتا ہے۔ بہر حال میں عرصہ سے ان گلابوں کی فکر میں تھا۔ مگر یہ تیر بالکل نئی چیز ہے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ہم دونوں ایک رات میں مختلف حالات میں اس سے دوچار ہوئے۔“

”آپ دوچار ہوں گے۔ میں تو چار آٹھ ہو گیا تھا۔ ویسے دل تو یہی چاہا تھا کہ نو دو گیارہ ہو جاؤں مگر اس خیال سے رک جانا پڑا کہ....!“

کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی اور حمید کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ داہنی جانب والے موڑ سے اچانک ایک کار سامنے آگئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر رکی تھیں۔

دوسری کار ایک عورت ڈرائیو کر رہی تھی۔

حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”دو آدمی بیک وقت مرتے محترمہ۔ آپ اکیلی مرتیں اور ہمیں بالکل افسوس نہ ہوتا۔“

عورت نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ فریدی اپنی کار آگے نکال لے گیا۔

”یہ عورتیں خوب کار ڈرائیو کرتی ہیں۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”لیکن میں نے آج تک کسی عورت کو تانگہ ہانکتے نہیں دیکھا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس پر شائد سوچنے کا دورہ پڑا تھا۔ حمید اُسے ”دورہ“ ہی کہتا تھا۔

کچھ دیر بعد کار پیر اماؤنٹ اسٹریٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ تیرھویں عمارت کے سامنے فریدی نے کار روک دی۔

عمارت کافی بڑی تھی۔ یہاں پہنچ کر انہیں احساس ہوا کہ عمارت میں فنچ کو تلاش کر لینا آسان کام نہ ہو گا کیونکہ اس کی ساخت بھی شہر کی دوسری کرایہ پر دی جانے والی عمارتوں کی سی تھی۔ اسی عمارت میں کم و بیش پچیس یا تیس فلیٹ ضرور رہے ہوں گے۔

وہ دونوں کار سے اُترے اور فریدی اس بڑے پھاٹک کی طرف بڑھا جس کے اندر والی راہداری سے دونوں طرف اوپری منزلوں کے زینے تھے۔ پھاٹک پر ایک موٹے اور بھدے جسم والا چوکیدار موجود تھا۔

”کیوں! وہ بوڑھا بندر کس منزل پر رہتا ہے۔“ فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

”بوڑھا بندر....!“ چوکیدار نے حیرت سے دہرایا۔ پھر یک بیک ہنس پڑا۔

”پنچ صاحب کو پوچھ رہے ہیں شائد۔“ اس نے کہا۔

”ہاں.... فنچ....!“

”پانچویں کے تیسرے میں۔“

فریدی آگے بڑھ گیا۔ پھر جب وہ زینے طے کر رہے تھے حمید بولا۔ ”یعنی پانچویں منزل پر.... خدا کی پناہ:.... دم اکھڑ جائے گا۔ ٹھہریئے۔“ فریدی رک گیا۔

”آپ اوپر جایئے۔ میں نیچے ہی ٹھہر کر آپ کی واپسی کے لئے دعا کروں گا۔“

”چلو....!“ فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر بیک وقت دو تین زینے طے کرا دیئے۔

پہلی منزل کی گیلری میں ایک خوبصورت سی لڑکی نظر آئی۔

”مجھے یہیں رہ جانے دیجئے۔“ حمید مغموم آواز میں بولا۔ ”میں یہاں سے بھی آپ کے لئے دعا کر سکتا ہوں۔“

”بکواس مت کرو۔ خاموشی سے چلتے رہو۔“

حمید نے اس خیال سے قدم بڑھا دیئے کہ کہیں اس خوبصورت لڑکی کے سامنے ہی فریدی اس کی گردن نہ پکڑ لے۔

پانچویں منزل پر پہنچ کر وہ تیسرے فلیٹ کے سامنے رکے۔ دروازہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔

فریدی نے دستک دی۔

”بھاگ جاؤ.... ورنہ میں تم پر کتے چھوڑ دوں گی۔“ اندر سے کسی عورت کی چنگھاڑتی ہوئی آواز آئی۔ یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور وہ یقیناً کوئی کیم شحیم عورت تھی۔ آواز یہی ظاہر کر رہی تھی۔

”ہمیں مسٹر فنچ سے ملنا ہے۔“ فریدی نے بڑے شریفانہ لہجے میں کہا۔

”اررر.... ہش!“ کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے وہ عورت اپنے رویہ پر متاسف ہو اور پھر دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ ایک لمبی تڑنگی سفید فام عورت انکے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے متحیرانہ انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اندر تشریف لایئے جناب۔“

کمرے میں معمولی قسم کا فرنیچر تھا۔

”تشریف رکھئے۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”میں سمجھی تھی پڑوس کے شریر بچے ہیں۔ بہت پریشان کرتے ہیں جناب۔ میں تنگ آگئی ہوں۔ مجھے آج تک بچے بھی شریف نہیں ملے۔ آپ آرام سے بیٹھئے جناب۔ جوانی میں مجھے مشرق سے عشق تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ آدمی کو قطبین میں بھی سکون نہیں نصیب ہو سکتا۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”مسٹر فنچ کہاں ہیں۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے شرفا فنچ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ تو تاجر بھی معلوم نہیں ہوتے۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ صرف تاجر ہی قسم کے آدمیوں سے مسٹر فنچ کی جان پہچان ہو۔“

”اگر میں فنچ کو سمجھی ہوں تو یہی ہونا چاہئے۔“

”آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔ ہم لوگ نئے نئے کاروباری دنیا میں داخل ہوئے ہیں۔“

”اور فنچ سے زیادہ جان پہچان بھی نہیں ہے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔“

"اگر آپ فنچ کو قریب سے جانتے ہوتے تو آپ کو اس کا بھی علم ہوتا کہ وہ گھر پر کبھی نہیں ملتا۔ وہ صرف پیسہ پیدا کرنے کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ ایک ساڑھے چار فٹ کے آدمی سے اس سے زیادہ اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ جس کام میں لگے اسی کا ہو کر رہ جائے۔"

حمید اس موٹی عورت کی اس باریک بات پر دنگ رہ گیا۔

"آپ کا مسٹر فنچ سے کیا رشتہ ہے۔" اس نے پوچھا۔

"وہ رشتہ جس کی اہمیت اس کی نظروں میں کچھ بھی نہیں ہے۔ لوگ مجھے مسز فنچ کہتے ہیں۔"

"ہائیں....!" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا پھر اس نے اردو میں یہ مصرعہ پڑھا۔

"کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے"

"جی....!" عورت اُسے گھورنے لگی۔

"مطلب یہ ہے کہ....!"

"میں سمجھتی ہوں مطلب۔ آپ ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہیں۔" عورت مسکرائی۔ "مگر میں اس کی عادی ہو چکی ہوں۔ مجھے ذرہ برابر بھی افسوس نہیں ہوگا۔ جب ہماری شادی ہوئی تھی تو ہم ایک لطیفہ بن کر رہ گئے تھے۔"

"مسٹر فنچ سے ملنا بہت ضروری ہے۔" فریدی نے کہا۔

"گھر حاضر ہے۔ اکثر لوگ فنچ سے ملاقات کرنے کیلئے یہاں پندرہ پندرہ دن قیام کرتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"فنچ کے ملاقاتی عموماً دوسرے شہروں سے یہاں آتے ہیں اپنے سامان سمیت.... فنچ سے ملاقات نہیں ہوتی اور وہ یہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ فنچ کو تلاش کرتے ہیں جب وہ مل جاتا ہے تو سامان لے کر وہیں چلے جاتے ہیں جہاں وہ مقیم ہوتا ہے۔ ابھی کل ہی دوپہر کو ایک صاحب آئے تھے اور سامان رکھ کر جو غائب ہوئے ہیں تو ابھی تک شکل نہیں دکھائی آپ یقین کیجئے کہ ایسے مواقع پر میں بڑی اذیت میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کئی کئی مہمان یکے بعد دیگرے آجاتے ہیں۔ اس فلیٹ میں صرف تین کمرے ہیں آپ خود سوچئے کہ کس طرح انتظام کیا جاسکتا ہے؟ ایک کمرہ میں نے ایسے لوگوں کے لئے خالی کر دیا ہے۔ وہ آتے ہیں اور فرش پر اپنا بستر جماتے ہیں۔"

"خیر ہم اپنا سامان اسٹیشن ہی پر چھوڑ آئے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"تو آپ ٹھہریں گے۔" عورت نے بے دلی سے پوچھا۔

"جی ہاں۔ یہ رات تو یہیں گذارنی پڑے گی۔"

"آخر آپ لوگ کسی اچھے ہوٹل میں قیام کیوں نہیں کرتے۔ ذی حیثیت معلوم ہوتے ہیں آپ لوگ۔"

"اب ہم اسے کیا کریں کہ مسٹر فنچ کی ہدایات یہی ہے۔"

"خیر چلئے۔ آپ لوگ تو اپنے بستر بھی نہیں لائے۔ کمرے میں صرف چٹائیاں ہیں۔"

"اوہ.... آپ اس کی فکر نہ کیجئے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہم تاجر لوگ ہر قسم کی زندگی کے عادی ہوتے ہیں۔"

عورت انہیں ایک کمرے کے دروازے تک لائی۔ فریدی نے دروازے کو دھکا دیا اور عورت کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہم آپ کو زیادہ تکلیف نہیں دیں گے۔"

عورت کچھ کہے بغیر واپس جانے کے لئے مڑ گئی۔

دوسری عورت

کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ عورت کے بیان کے مطابق وہاں سچ مچ جوٹ کی چٹائیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک طرف ایک سوٹ کیس اور ایک مختصر سا ہولڈال رکھا ہوا تھا۔ یہ شائد اُسی آدمی کا سامان تھا جو عورت کے بیان کے مطابق پچھلی دوپہر کو یہاں آیا تھا اور غالباً فنچ کو ابھی تک شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

فریدی چٹائی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بیٹھو.... فرزند.... بیٹھو.... کسی کا مہمان ہونا بھی کتنی اچھی بات ہے۔ مگر اس شریف عورت نے یہ نہیں بتایا کہ کھانے پینے کی کیا رہے گی میرا خیال ہے کہ اس کی فکر ہمیں ہی کرنی پڑے گی۔"

"آپ سنجیدہ ہیں۔" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا تم نے کبھی کسی موقع پر مجھے غیر سنجیدہ بھی دیکھا ہے۔"

"تو پھر آپ ہی قیام فرمائیے۔ میں اپنے قیام کے لئے کسی یتیم خانے کو ترجیح دوں گا۔"

"بکواس مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔"

"میری پتلون کی فٹنگ اس کی اجازت نہیں دے گی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموشی سے غور و فکر کرتے رہنے کے بعد اٹھا اور دروازہ بند کر کے اس کے شیشوں سے باہر دیکھنے لگا۔

"ادھر آؤ....!" اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔

حمید بُرا سا منہ بنائے ہوئے اسکے پاس پہنچا اور فریدی اس کی گردن پکڑ کر شیشوں کے قریب کرتا ہوا بولا۔ "تم اس عورت پر نظر رکھو۔ میں ذرا اس سوٹ کیس اور ہولڈال کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

حمید نے اپنی ناک شیشے سے لگا دی۔ فریدی جو کچھ بھی کرنے جا رہا تھا حمید اُسے تفص اوقات تو نہیں سمجھ سکتا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں حاصل ہوئے گا۔ ویسے اب اُسے فنچ کی شخصیت اور زیادہ پُراسرار معلوم ہونے لگی تھی مگر وہ تو اس وقت بھی کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جس سے آج ہوٹل نیاگرہ میں ملاقات ہونے کی توقع تھی لیکن اگر فریدی کا پروگرام طویل ہو گیا تو اُسے یہ شام کسی مدقوق کی طرح گذارنی پڑے گی جسے زندگی کی خواہش نہیں رہ جاتی لیکن جینا پڑتا ہے۔

وہ شیشوں سے باہر دیکھتا رہا۔ نزدیک و دور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بھی مڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ اس کے ذہن پر صرف کہکشاں مسلط تھی۔ ایک شوخ اور چنچل لڑکی جو اُسے احمق سمجھتی تھی اور اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مانتی تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد اس نے فریدی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا۔ "اب واپس آجاؤ۔"

حمید اس کی طرف دیکھے بغیر مڑا اور آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"کیا ہو گیا تمہیں۔" اس نے پوچھا۔

"مجھے جاسوسی جھٹکا ہو گیا ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر دردناک آواز میں کہا۔

"ہم یہاں صرف پندرہ منٹ اور ٹھہریں گے۔ مطمئن رہو۔" فریدی بولا۔

"اگر آپ مجھے پانچ بجے تک چھٹی دے دینے کا وعدہ کریں تو میں آگ کے سمندر میں کود چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہوں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ ایک کاغذ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں تھا اور نظریں اسی کاغذ پر تھیں۔ حمید نے اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ کی مسکراہٹ دیکھی جو فوراً ہی غائب بھی ہو گئی اس کی انگلیوں کے درمیان ایک لفافہ بھی دبا ہوا تھا۔ یہ خط اسی سوٹ کیس سے برآمد ہوا تھا۔

"خدا ان لڑکیوں کو عقل دے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"سب کو نہیں.... ورنہ میرا کیا حشر ہو گا۔" حمید نے جلدی سے کہا۔

"ذرا یہ خط دیکھو۔" فریدی نے خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ خط کسی شہلا نے کسی تنویر کے نام لکھا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ وہ اس کی تصویر واپس کر رہی ہے۔ اس کی بیوفائی اور لاپرواہیوں کی بناء پر اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اس کی تصویر واپس کر دے اور بھی بہتیرے اقسام کے شکوے تھے۔

"کیا ان صاحبزادے کی تصویر بھی ہے لفافے میں۔" حمید نے پوچھا۔

"ہے۔" فریدی نے لفافہ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

حمید نے لفافے سے تصویر نکالی اور دفعتاً لفافہ اور تصویر دونوں ہی اس کے ہاتھوں سے چھوٹ پڑے۔

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"یہ.... یہ آدمی۔"

"کیا تم اسے پہچانتے ہو۔"

"اچھی طرح۔ مجھے یقین ہے اس معاملے میں میری یادداشت مجھے دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"یہ کون ہے۔ خواہ مخواہ بات نہ بڑھاؤ۔"

"یہ وہی آدمی ہے جو پچھلی رات مجھے ہوٹل میں ملا تھا۔"

"اوہ...!" فریدی نے جھک کر لفافہ اور تصویر فرش سے اٹھا لئے۔ اسکی پیشانی پر سلوٹیں تھیں۔

وہ لفافہ کی تحریر اور خط کی تحریر کا موازنہ کرنے لگا۔ پھر ان سب کو جیب میں ٹھونستا ہوا بولا۔ "چلو.... اب ہمیں دیر نہ کرنی چاہئے۔"

وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ آگے راستہ نہیں تھا کیونکہ راہداری سے گذرے بغیر وہ باہر نہیں نکل سکتے تھے اور راہداری کا دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا گیا تھا۔

فریدی نے دروازہ تھپتھپایا۔ دوسری طرف سے جلد ہی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پھر دروازہ کھلا۔ موٹی عورت کے چہرے پر اس وقت خوش اخلاقی کے آثار نہیں تھے۔

"کیوں کیا بات ہے۔" اس نے خشک اور کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"اوہ.... آپ کو تکلیف ہوئی۔" فریدی اظہار افسوس کرتا ہوا بولا۔ "ہم نے سوچا کہ ہمیں اس طرح بیکار بیٹھنے کی بجائے مسٹر فنچ کو تلاش کرنا چاہئے۔"

عورت زبان سے کچھ کہے بغیر ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ دونوں فلیٹ سے باہر آئے۔ زینوں پر حمید بولا۔ "اب کہاں۔"

"اگر لفافے پر لکھا ہوا پتہ غلط نہیں ہے تو ہم اس تنویر کی اصل جائے قیام تک تو پہنچ ہی سکتے ہیں۔اس نے تم سے یہی تو کہا تھا کہ اسکے پاس چند خطرناک آدمیوں کے خلاف بعض ثبوت ہیں۔"

"اوہ.... ہاں.... اس نے یہی کہا تھا اور وہ سارے ثبوت اس کے گھر ہی پر کہیں چھپا کر رکھے گئے ہیں۔"

"بس تو پھر ہم وہیں جا رہے ہیں۔"

"کیا آپ کو کامیابی کا یقین ہے۔"

"ضروری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ثبوت ان لوگوں کے ہاتھ لگ ہی گئے ہوں۔"

حمید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔"کیا اس سوٹ کیس میں اور کچھ نہیں ملا۔"

"ہاں.... ایک چیز اور ملی ہے۔" فریدی نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر حمید کی طرف بڑھادی۔ وہ لوگ نیچے پہنچ چکے تھے۔

کار پھر چل پڑی۔ حمید اس ڈبیہ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اسے کھول ڈالا اور اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ وہ سمجھا تھا کہ اس ڈبیہ میں یقیناً کوئی عجیب و غریب چیز ہو گی مگر لوہے کی وہ چھوٹی نلکی اُسے نہ تو عجیب معلوم ہوئی اور نہ وہ یہی سمجھ سکا کہ فریدی نے اُسے اتنی اہمیت کیوں دی ہے۔اس چیز سے زیادہ اس کے بارے میں فریدی کا رویہ عجیب تھا۔

"یہ کیا بلا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔" فریدی نے جواب دیا۔

"لیکن اسکی اہمیت کا احساس کئے بغیر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکالنا کیوں ضروری سمجھا۔"

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ کتنی احتیاط سے اس ڈبیہ میں رکھی گئی ہے۔"

"محض اسی بناء پر آپ نے اسے سوٹ کیس سے نکال لیا۔"

"محض اسی بناء پر....!"

"فرض کیجئے یہ محض حماقت نکلے تو۔"

"تو میرا کیا نقصان ہوگا۔ میں اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک دوں گا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ پھر بولا۔"کیا تم نے اس کی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔"

"فی الحال میں اپنی کھوپڑی کی بناوٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

"کسی نتیجے پر پہنچنے کا امکان ہے۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

"یہی کہ اگر میں اس کو سو سے ضرب دے دوں تو حاصل ضرب کچھ آئے گا بھی یا نہیں۔"

"حاصل ضرب ہوگا گوبر کا ڈھیر۔"

"آپ میری توہین کر رہے ہیں۔"

"تمہاری کھوپڑی میں گوبر یا بھس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"خیر.... ہوگا۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔

فریدی راہ میں ایک جگہ پھر فون کرنے کے لئے اُترا۔ پبلک فون بوتھ میں اس نے تقریباً دس منٹ صرف کئے اور پھر کار میں واپس آ گیا۔

"کئی خبریں ہیں حمید صاحب۔" اس نے مشین اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"میں پوری طرح دلچسپی لے رہا ہوں کیونکہ پانچ بجے تک مجھے رہا کر دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔"وہ سنتری مل گیا ہے جس کی ڈیوٹی پچھلی رات اس سفیر کی قیام گاہ پر تھی۔ اس کا بیان ہے کہ وہ ڈیوٹی پر جانے کے لئے ارجن پورے کی ایک تاریک گلی سے گذر رہا تھا کہ کسی نے اس کے سر پر کسی وزنی چیز سے حملہ کیا اور آج صبح اس نے خود کو منٹو پارک میں بیہوش پڑا پایا۔ اس کے سر پر گہرا زخم ہے۔"

"کیا سفارت خانہ کی طرف سے رپورٹ بھی نہیں کی گئی کہ سنتری ڈیوٹی پر نہیں پہنچا۔" حمید نے سوال کیا۔

"یہ بھی ایک عجیب دلچسپ بات ہے۔ آٹھ بجے ڈیوٹی تبدیل ہونی تھی۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ تک صبح کی ڈیوٹی والے سنتری نے اس کا انتظار کیا تھا پھر اس کے بعد وہ سفیر کے پرسنل سیکریٹری سے آٹھ بج کر پانچ منٹ کی روانگی پر دستخط لے کر چلا گیا تھا۔ سیکریٹری نے آٹھ بج کر دس منٹ پر کوتوالی فون کیا کہ رات کی ڈیوٹی والا سنتری ابھی تک نہیں پہنچا۔ مگر کوتوالی والوں نے لاپروائی برتی اس کے خلاف رپورٹ تو درج کر لی گئی لیکن پھر سفارت خانہ سے نہیں پوچھا گیا کہ سنتری پہنچایا نہیں۔ وہ لوگ صرف اس خیال میں رہے کہ وہ کسی وجہ سے دیر میں پہنچا ہوگا لہٰذا اس سے جواب طلب کر لیا جائے گا۔"

"سفارت خانہ سے بھی پھر فون نہیں کیا گیا۔"

"نہیں....؟"

"کیا یہ بات قابل اعتراض نہیں ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قطعی ہے لیکن اس کے لئے بھی جواز پیش کر دیا گیا ہے۔ پرسنل سیکریٹری آج صبح تک کسی نشہ آور دوا کے اثر سے بیہوش پڑا رہا ہے۔"

"یعنی.... جس نے اس سنتری پر حملہ کیا....!"

"ہاں.... بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حرکتیں ایک ہی آدمی یا گروہ کی ہیں۔ ایک طرف انہوں نے سنتری کو ڈیوٹی پر جانے سے روکا اور دوسری طرف پرسنل سیکریٹری کو کوئی نشہ آور دوا دے دی کہ وہ صبح تک غفلت میں پڑا رہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سنتری کی غیر حاضری کی اطلاع دوبارہ نہ دے سکے۔"

"پھر بھی سفیر کیلئے کئی ایسے سوالات تیار کیے جا سکتے ہیں جن کا جواب دینے پر وہ مجبور ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے وہ ہر بات پر اپنی لاعلمی اور حیرت ظاہر کر سکتا ہے اور اُسے ان سوالات کے جواب پر مجبور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سب کچھ سنتری کی عدم موجودگی میں ہوا تھا ارے بھئی وہ تو ابھی تک اس حیرت انگیز لاش پر سر پیٹ رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ان واقعات پر حیرت کے عالم میں پاگل بھی ہو سکتا ہے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے ان واقعات کی روشنی میں کیا رائے قائم کی ہے۔"

"میری رائے.... ابھی میں اپنی رائے نہیں قائم کرتا۔ ویسے یہ سب کچھ دو مختلف گروہوں کے تصادم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔"

"اور سفارت خانہ اس میں سے ایک پارٹی ہے۔"

"یہی خیال ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑا کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ "ہاں.... ارجن پورے سے ایک عورت کی لاش بھی ملی ہے جسے ابھی شناخت نہیں کیا جا سکا۔ میں نے فنگر پرنٹ سیکشن کے اس آدمی کو لاش دیکھنے کے لئے فون کیا ہے جس نے شیلا کی لاش شناخت کی تھی اور مسز گپتا کی پڑوسن کو بھی کوتوالی بلوایا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ مسز گپتا ہی کی لاش ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"کیوں کیا بات ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"میں لاشیں دیکھتے دیکھتے اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ کار سے کود جاؤ۔ میں جواب دہی کر لوں گا۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے پشت گاہ سے ٹک کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور سنجیدگی سے مسئلے پر غور کر رہا تھا کہ کیوں نہ اس پیشے سے دستکش ہی ہو جائے۔ دن رات لاشیں دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ ہمہ وقت لاشوں کے تذکرے سنتے سنتے کان پک گئے تھے۔

فریدی کی کار تیزی سے فراٹے بھرتی رہی اور حمید اونگھتا رہا۔ جوزف لین کی عمارت

سامنے اس نے کار روک دی۔

یہ عمارت بھی کافی بڑی تھی اور اس میں بھی بے شمار فلیٹ تھے۔ فریدی نے ایک بار پھر جیب سے لفافہ نکالا اور اس پر لکھے ہوئے پتہ پر نظر ڈال کر کار سے اُتر گیا۔

وہ دونوں کچھ دیر بعد اسی فلیٹ کے سامنے کھڑے تھے جہاں انہیں پہنچنا تھا۔ دروازے پر ایس تنویر کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی مگر دروازہ مقفل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف دیکھا۔ پوری گیلری سنسان پڑی تھی۔

"کیوں! کیا ارادہ ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"قفل کھولنا ہے۔"

"دن ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ رات نہیں۔ کیا آپ کے پاس خانہ تلاشی کا وارنٹ ہے۔"

"میں خود وارنٹ ہوں۔" فریدی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ قفل پر جھکا ہوا تھا۔ قفل کھولنے کے اس باریک سے اوزار کی مدد سے جو اس کی جیب میں ہر وقت پڑا رہتا تھا اس نے ایک منٹ کے اندر ہی اندر قفل کھول لیا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور فریدی نے دروازہ بند کر لینے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ فلیٹ نہیں کباڑ خانہ معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ صندوق کھلے ہوئے تھے اور ان میں رکھی ہوئی اشیاء فرش پر ڈھیر تھیں۔ الماریوں کے دروازے ٹوٹے ہوئے تھے۔ غرضیکہ مکمل ابتری اور بدنظمی کا نقشہ تھا۔

"اگر تم نے تنویر کی مدد کی ہوتی....!" فریدی بڑبڑا کر رہ گیا۔

وہ متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے کسی چیز میں بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ فلیٹ فنچ کے فلیٹ سے زیادہ بڑا تھا۔ اس میں چار کمرے تھے۔ کبھی یہ اچھی طرح آراستہ بھی رہا ہوگا۔ مگر اب تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی شیشہ گر کی دوکان میں کوئی بیل گھس کر تباہی پھیلا گیا ہو۔

ان کمروں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی کہ تین کمرے ایک لائن میں آ گئے تھے اور دوسری طرف ان سے متوازی ایک بڑا کمرہ تھا۔ دونوں سلسلوں کے درمیان ایک طویل کاریڈر تھا۔ بڑے کمرے کے ساتھ کچن اور باتھ روم تھے۔ دس منٹ کے اندر ہی اندر انہوں نے پورا فلیٹ دیکھ ڈالا۔ لیکن انہیں اس کا کوئی حصہ ایسا نہیں ملا جس میں ابتری نہ نظر آئی ہو۔

پہلی بار فریدی نے فلیٹ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی اور اب پوری توجہ سے ایک کمرہ دیکھ

رہا تھا۔ کبھی وہ فرش پر جگہ جگہ پیر مارتا اور کبھی دیواریں تھپتھپانے لگتا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس کا سلسلہ جاری رہا لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

"نہ جانے آپ کس دھن میں ہیں۔" حمید جھنجھلا گیا۔ "آپ کس بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ چیزیں جن کا حوالہ تنویر نے دیا تھا اب بھی یہاں موجود ہوں گی۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہیں۔"

"خیر....!" حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "تلاش کیجئے۔ میں یقین کی وجہ بھی نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں تم سے پوچھوں گا۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"مجھ سے.... کیوں؟ کیا میں آپ کو یہاں لایا تھا۔"

"نہیں میں تمہیں یہاں لایا تھا۔ مگر اس لئے نہیں لایا تھا کہ تم کسی کمیاب نسل کے مینڈک ہو اور میں تمہیں کسی مرتبان کی زینت بنانا چاہتا ہوں۔"

حمید بیزاری سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔

فریدی پھر بولا۔ "میں تمہیں اس لئے لایا تھا کہ تم سے اپنے اس یقین کی وجہ پوچھوں اور تمہیں وجہ بتانی پڑے گی۔"

"میں آپ کی طرح اجناء کی نسل سے نہیں ہوں۔"

"میں پھر کہہ رہا ہوں کہ وجہ تمہیں ہی بتانی پڑے گی کیونکہ وجہ تمہیں صاف نظر آرہی ہے۔ اندھے نہیں ہو۔"

حمید نے اُسے غور سے دیکھا اس کی آنکھیں خشمگین نظر آرہی تھیں۔ بالکل اسی اسکول ماسٹر کی آنکھوں کی طرح جس کے کسی شاگرد نے پچھلا سبق بھلا دیا ہو۔

حمید نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ چند لمحے سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔

"بے شک آپ کا خیال درست ہے۔"

"کیوں؟"

"یہ ابتری یہی ظاہر کرتی ہے۔ اگر مجھے اس فلیٹ کی ایک چیز بھی اپنی جگہ پر نظر آتی تو میں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان چیزوں کو پالینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"گڈ....!" فریدی نے چٹکی بجائی۔ "تمہیں جو گاؤدی سمجھے وہ خود گاؤدی ہے۔ بس برائی یہ ہے کہ تم تن آسانی کی تلاش میں اپنی ذہانت کا خون کررہے ہو۔"

"شکریہ....!"

"اب آؤ.... میں تمہیں وہ جگہ دکھاؤں جہاں وہ چیزیں ہو سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب.... یعنی.... کہ آپ کو جگہ بھی معلوم ہو گئی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ صرف خیال ہے۔ دعویٰ نہیں۔"

وہ اس حصے میں آئے جہاں کچن اور باتھ روم تھے۔ فریدی کچن کے دروازے پر رک کر چوکھٹ کے داہنے بازو پر جھک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے سوراخ میں کچھ دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے جیب سے وہی باریک سا اوزار نکالا جس سے بیرونی قفل کھولا تھا اور اسے سوراخ میں ڈال کر گردش دینے لگا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔

"کیوں وقت برباد کررہے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"بس دیکھتے رہو۔ اب میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ چیزیں یہیں ملیں گی۔"

اس نے اوزار جیب میں ڈال لیا اور پر کوئی دوسری چیز اس سوراخ میں ڈالی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہلکا سا کھٹکا ہوا اور دیوار میں چوکھٹ کے قریب ہی ایک دو فٹ لمبی اور تقریباً ایک بالشت چوڑی خلاء نظر آنے لگی۔

حمید نے حیرت سے فریدی کی طرف دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔ اس خلاء میں اُسے بہتیری چیزیں نظر آئیں۔ جڑاؤ زیورات، بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں کچھ خطوط اور ایک تیر۔

فریدی نے تیر اس میں سے نکال لیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ حمید دوسری چیزیں الٹنے پلٹنے لگا تھا۔ اس نے وہ خطوط نکال لئے جو بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے۔ اور پھر انہیں پڑھنے میں اتنا محو ہو گیا کہ فریدی کی موجودگی کا احساس بھی نہ رہا۔

"یہ سب کیا ہے؟" کچھ دیر بعد اس نے فریدی کی آواز سنی اور چونک پڑا۔

"اوہ.... یہ تنویر.... غالباً بلیک میلر بھی تھا۔ یہ مختلف لڑکیوں کے خطوط مختلف آدمیوں کے نام ہیں۔"

"انہیں الگ پھینکو۔ میرے لئے بیکار ہیں۔ یہیں رکھ دو۔"

حمید نے ان خطوط کو اسی خلاء میں رکھ دیا اور فریدی نے جیسے ہی اپنی انگلی اس سیاہ سی چیز پر رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دیوار برق کی سی سرعت کے ساتھ برابر ہو گئی۔ اب حمید نے غور سے اس چیز کو دیکھا تو یہ وہی لوہے کی نلکی تھی جو فریدی کو تنویر کے سوٹ کیس میں ملی تھی۔ فریدی نے اسے سوراخ سے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔

"یہ تیر.....!" فریدی جلدی سے بولا۔ "دیکھو خبردار اس کی نوک سے ہوشیار رہنا۔ اس پر ڈاکٹر ڈریڈ تحریر ہے۔ مگر یہاں ڈاکٹر کا کیا کام۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ۔" حمید پیشانی پر شکنیں ڈال کر بڑبڑایا۔ "یہ نام تو کچھ سنا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔"

"شمالی امریکہ کا خطرناک ترین آدمی۔ زہروں کا ماہر۔ پندرہ سال سے وہاں کی پولیس اس کے چکر میں ہے لیکن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکی۔"

حمید خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظر جمائے رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"پھنس گئے۔ بُری طرح پھنس گئے دلدل میں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ تیر کا پھل دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے باہر سے دروازے پر دستک دی۔

"اندر کون ہے۔" ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ حمید دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ فریدی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ٹھہرو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ پھر پنجوں کے بل آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ حمید نے دیکھا کہ وہ ایک رخنے سے باہر جھانک رہا ہے۔ دروازہ برابر پیٹا جا رہا تھا۔ پھر کسی نے چیخ کر کہا۔ "اندر چور ہے۔"

فریدی فوراً ہی حمید کی طرف مڑ گیا اور اسے بھی اشارہ کیا کہ وہ اپنی پشت دروازے کی طرف کر لے۔ باہر شور بڑھتا جا رہا تھا اور "چور چور" کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ فریدی نے حمید کو دوسرے کمرے کیطرف کھینچا۔ وہ اس وقت راہداری میں تھے۔ راہداری سے بڑے کمرے میں مڑ گئے۔

"یہ کیا مصیبت آگئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو... پولیس آئے گی۔"

"مگر اس سے پہلے ہی ہماری کافی آؤ بھگت ہو جائیگی۔ میرا خیال ہے کہ مجمع بڑھتا جا رہا ہے۔"

"مت سوچو۔ اس کے متعلق کچھ مت سوچو۔ ابھی ایک دلچسپ واقعہ پیش آئے گا۔"

"وہ یقیناً دلچسپ ہوگا۔ اخبارات کے لئے.... خصوصیت کے ساتھ کتنی شاندار سرخیاں ہوں گی۔ محکمہ سراغرسانی کے دو آفیسر چوروں کے دھوکے میں پٹ گئے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اچھی بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "میں تو گولی مار دوں گا ایک آدھ کو۔"

"شائد اس کی ضرورت نہ پیش آئے کیونکہ وہ پولیس کو ضرور طلب کریں گے۔ پو

پرنسٹن کے تھانے ہی سے آئے گی۔"

"مگر ہم قانونی طور پر یہاں نہیں داخل ہوئے۔"

"جس نے بھی دروازے پر دستک دے کر چور چور کا شور بلند کیا ہے صحیح آدمی نہ ہوگا۔"

"ممکن ہے وہ تنویر کا کوئی عزیز ہو۔"

"اچھا.... مگر اُسے یہ کیا معلوم کہ تنویر کے علاوہ اور کوئی ہو سکتا ہے۔ اگر معلوم ہے کہ تنویر مر چکا ہے تو اُسے کم از کم پولیس کو تو اطلاع دینی ہی چاہئے تھی۔ کیونکہ پولیس کو کسی ایسے آدمی کی تلاش ہے جو تنویر کی لاش شناخت کر سکے۔"

"ارے جب ہاتھ اٹھ جاتے ہیں لوگوں کے تو منطق اور فلسفہ سب دھرا رہ جاتا ہے۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "وہ نادانستگی میں ہمیں پیٹ دیں گے اور ہم کچھ کر بھی نہ سکیں گے۔"

"بیٹھو خاموشی سے۔" فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔" حمید ایک لمبی سانس لے کر بولا۔ تقریباً بیس منٹ گذر گئے۔ اب باہر سے آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں۔

بڑے کمرے سے وہ پھر راہداری میں آئے۔ باہر سناٹا تھا۔ فریدی پنجوں کے بل دروازے تک گیا اور پھر مڑ کر آہستہ سے بولا۔

"عجیب بات ہے۔ اب یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔ عجیب بات کیوں۔"

"شائد میں دھوکا کھا گیا۔"

"گھونسہ کھانے سے بہتر ہے خدا کرے آپ دھوکا کھا گئے ہوں۔"

فریدی نے اس تیر کو پرانے اخبار میں لپیٹ لیا تھا اور اب اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے گا۔

اس نے یہی کیا بھی۔ دوسرے لمحے میں وہ باہر گیلری میں کھڑے ہوئے تھے اور یہ گیلری پہلے ہی کی طرح ویران نظر آ رہی تھی۔ فریدی نے جھک کر قفل لگایا۔ حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے خوف تھا کہ کہیں کسی طرف سے لوگ ٹوٹ نہ پڑیں۔ لیکن ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا تھا۔

فریدی نے آگے بڑھ کر تنویر کے پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آیا۔

"فرمائیے جناب۔"

"ابھی یہاں کہیں چور چور کا شور بلند ہوا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ.... جناب....!" وہ آدمی ہنس کر بولا۔ "کوئی بات نہیں تھی۔ محض غلط فہمی۔"

"غلط فہمی کا کیا مطلب۔"

"اندر سے کھڑبڑاہٹ سن کر دو آدمی دستک دے رہے تھے اور پھر کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے چور چور کا شور مچا دیا۔ لوگ اکٹھا ہو گئے۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا۔ اس نے ہنس کر کہا کوئی بات نہیں اندر تنویر صاحب کے چچا ہوں گے۔ جن کے کان بالکل بیکار ہیں۔ وہ اس وقت تک نہیں سن سکتے جب تک کہ آلہ سماعت نہ استعمال کریں۔ وہ دونوں آدمی جو دستک دے رہے تھے بڑبڑاتے ہوئے چلے گئے۔"

اوہ.... لاحول ولا قوۃ۔ مگر یہ تنویر صاحب کہاں ہیں۔"

"پتہ نہیں جناب۔ یہ بتانا بڑا مشکل ہے۔"

"خیر معاف کیجئے گا۔" فریدی کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"آپ نے کیا سوچ رکھا تھا جناب والا۔" حمید نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کچھ نہ پوچھو.... کچھ بھی نہ ہوا.... خیر.... میں سمجھا تھا کہ وہ پولیس کی مدد ضرور حاصل کریں گے۔"

"تو اس سے کیا ہوتا۔"

"اپنا داخلہ غیر قانونی تھا۔ اس صورت میں انہیں لوگوں کی گردن لیتا اور پھر اس داخلے کی حیثیت غیر قانونی نہ رہ جاتی۔"

"آپ کی دانست میں وہ لوگ کون تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"یا تو وہ لوگ جو اس تیر کی تلاش میں تھے یا پھر وہ لوگ تنویر کی پارٹی سے تعلق رکھتے رہے ہوں گے۔"

"تنویر کی بھی کوئی پارٹی ہو سکتی ہے۔"

"کیوں نہیں وہ تو صاف ظاہر ہے۔ فنچ کے یہاں تنویر کا سامان پہنچنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ صریحاً فنچ کی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا اور فنچ لازمی طور پر سفارت خانے سے متعلق ہے۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کسی بناء پر ٹھن گئی ہے۔"

وہ عمارت سے باہر آئے اور حمید نے گھڑی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "پانچ بجنے میں صرف آدھ

گھنٹہ اور باقی ہے۔"

"اوہ.... دفع ہو جاؤ۔"

"دفع کہاں ہو جاؤں۔ ذرا مجھے آرلکچو کے سامنے اتار دیجئے گا۔" حمید کار میں بیٹھتا ہوا بولا۔

"ٹھہرو.... میں ذرا فون کروں گا۔" فریدی نے کہا اور ایک دوا فروش کی دوکان کی طرف بڑھا۔ حمید کار میں بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ اب وہ صرف کہکشاں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آگیا۔ سیٹ پر بیٹھتے وقت اس نے ایک طویل سانس لی۔

"ان ظالموں نے ایک اچھے گواہ کا خاتمہ کر دیا۔"

"کیا مطلب۔"

"شیلا کی بہن مسز گپتا۔"

"اوہ تو وہ لاش اسی کی تھی۔"

"ہاں....!"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ تارا نائیڈو کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں۔"

"اسے مت چھیڑنا.... بلکہ اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کھیل بگڑ جائے۔ سفارت خانہ سے تعلق رکھنے والے سارے مجرم میری نظر میں ہیں۔"

"تارا نائیڈو بھی۔"

"ہاں وہ بھی.... آج سے نہیں بہت دنوں سے۔"

"پھر انتظار کس بات کا ہے۔"

"ثبوت.... تم جانتے ہو کہ ثبوت فراہم کئے بغیر میں کوئی اقدام نہیں کرتا۔"

"کیا آپ نے لیڈی انسپکٹر ریکھا کو گلاب والی لڑکی بنا کر ثبوت نہیں فراہم کیا۔"

"وہ کچھ بھی نہیں ہے حمید صاحب۔ اس سلسلے میں ان پر کوئی بڑا چارج نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ لوگ یہ کہہ کر واقعات کو دوسرا رنگ دے سکتے ہیں کہ ان کا پیشہ لڑکیاں سپلائی کرنا ہے۔ وہ سفارت خانہ والوں کے لئے لڑکیاں مہیا کرتے ہیں۔"

"مگر اس کے لئے اتنا پیچیدہ طریقہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"

"تارا نائیڈو اس کا جواب بھی دے سکے گی۔"

"کیا جواب دے سکے گی۔"

"کچھ بھی کہہ سکتی ہے۔ بہر حال عدالت میں طریقہ کار زیر بحث نہیں آسکتا۔ ایسی صورت میں جب کہ وہ اعتراف ہی کرلیں کہ وہ لڑکیوں کا کاروبار کرتے ہیں۔"

"مگر جناب.... وہ لاش.... سفارت خانہ اس لاش کے متعلق کیا کہے گا۔"

"یہی کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ لڑکیاں لاتے تھے کوئی ان کی تاک میں تھا اور اس نے منتقمانہ کاروائی کی تھی۔"

"اچھا.... اچھا.... آپ ثبوت تلاش کیجئے۔ میں سکون کی تلاش میں جارہا ہوں۔"

"قبر کی تلاش کہو۔"

"قبر ہی سہی۔ آپ نے کوئی نئی بات نہیں کی۔ عورت ہی جنم دیتی ہے اور عورت ہی قبر بنتی ہے۔"

"اور تم جیسے لوگ عقل کے اندھے کہلاتے ہیں۔"

"کہلاتے ہوں گے۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا اور آنکھیں بند کرلیں۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں کہا۔ حمید کی یہ حرکتیں اس کے لئے نئی نہیں تھیں اور اب وہ اس مسئلے پر شاذ و نادر ہی گفتگو کرتا تھا لیکن جب حمید کام کے وقت بھی اپنی مصروفیات کو خیر باد کہنے تیار نہیں ہوتا تھا تو اسے غصہ آ ہی جاتا تھا۔ مگر آج نہ جانے کیوں اس نے اُسے آرلکچنو کے پھاٹک پر اتار ہی دیا۔

حمید نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کیا۔ ٹائی کی گرہ درست کی اور گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا آرلکچنو کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ کہکشاں نے ٹھیک پانچ بجے یہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

وہ ہال میں موجود تھی۔ حمید کو دیکھ کر اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں مسکرائی بالکل اسی طرح جیسے اسے بہت حقیر سمجھتی ہو یا کوئی معمر آدمی کسی بچے کو دیکھ کر مسکرائے۔

"ہلو....!" حمید اسی میز پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بدھو کے معنی سمجھتی ہو۔"

"یہ لفظ بجائے خود اتنا پیارا ہے کہ معنی پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"لاطینی میں شوہر کو کہتے ہیں۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"آج عقلمندوں کی طرح بول رہے ہو۔ کیا بات ہے۔"

"آج مجھے احساس ہوا ہے کہ میں واقعی الو ہوں۔"

"لیکن اس احساس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔"

"میں ایسی ہی باتیں کر سکتا ہوں جیسی اس وقت کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی میں ایک کتاب کر آرہا ہوں جس میں لکھا ہوا تھا کہ عورتوں سے اکڑ کر رہنا چاہئے۔"

"خوب....!" کہکشاں مسکرائی۔ "مگر تم اکڑے ہوئے نظر نہیں آتے۔"

"واہ.... تم کیا جانو.... یہ مطلب تھوڑا ہے کہ جسم اکڑائے رہنا چاہئے۔" حمید احمقانہ انداز میں ہنسا۔

"پھر....!"

"مطلب یہ کہ.... بس.... اکڑنا.... یعنی کہ.... کس طرح سمجھاؤں۔"

"نہ سمجھاؤ۔ لیکن اپنے متعلق ضرور بتاؤ کہ تم کیا کرتے ہو۔ کہاں رہتے ہو۔ ذریعہ معاش کیا ہے۔"

"کیوں.... یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہی ہو۔"

"واہ.... یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم اتنے گہرے دوست ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔"

"نہ جاننا ہی اچھا ہوتا ہے ورنہ عموماً بڑی کوفت ہوتی ہے۔"

"کیوں! کوفت کیوں ہوتی ہے۔"

"بس ختم کرو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اگر اس سلسلے میں کچھ اور بتاؤں گا تو تم مجھے زیادہ اُلو سمجھو گی۔"

"میں نہیں سمجھوں گی۔ آخر تم چھپاتے کیوں ہو کہ تم کون ہو۔"

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"خیر نہ بتاؤ۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ تم مجھ سے بہت کچھ چھپاتے ہو۔"

"یقیناً چھپاتا ہوں۔ مجھے اس سے انکار کب ہے۔ میں تم سے یہی چھپاتا ہوں کہ میرا نام عبدالقدوس ہے۔"

"ہائیں.... تو اس معاملے میں بھی تم جھوٹ ہی بولے تھے۔ تم نے اپنا نام جمیل بتایا تھا۔"

"جمیل تو تخلص ہے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ لوگ مجھے جمیل چڑچڑالوی کہتے ہیں۔"

"چڑچڑالوی کیا بلا ہے۔"

"تم خود ہوگی بلا.... چڑچڑالوی کیوں ہو۔ بس اسی لئے تو میں عورتوں سے دور بھاگتا ہوں۔ یہ کیا ہے.... وہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہوا۔ ویسا کیوں ہوا۔"

"میں تمہارا گھر دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"گھر بھی میں نہیں دکھا سکتا۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ کوئی بہت بڑے آدمی ہو۔ مگر پُر اسرار۔"

"کیوں یہ تم کس بناء پر کہہ رہی ہو۔"

"میں نے تمہیں کئی بار ایک ایئر کنڈیشنڈ لنکن گاڑی میں دیکھا ہے۔" کہکشاں نے کہا۔ "شہر میں شائد پانچ یا چھ لنکن گاڑیاں ہوں۔"

"ہو سکتا ہے میں کسی بڑے آدمی کا موٹر ڈرائیور ہوں۔"

"موٹر ڈرائیور اتنے قیمتی سوٹوں میں نہیں رہتے۔ میں تمہیں ہر بار نئے سوٹ میں دیکھتی ہوں"

"چھوڑو.... ختم کرو۔ اس قصے کو۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "نہ تمہیں فائدہ پہنچ سکتا ہے اور نہ مجھے۔"

حمید نے پائپ میں تمباکو بھر کر اُسے میز پر رکھ دیا۔ چند لمحے خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کی طرف دیکھتا رہا پھر پائپ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "لو....!"

"میں کیا کروں۔" کہکشاں حیرت سے بولی۔

"پیئو....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ....!"

"اس جملے کے کیا معنی ہوئے۔" حمید نے اسی لہجے میں سوال کیا۔

کہکشاں ہنسنے لگی۔

"کرسی اٹھا کر پٹخ دوں گا تمہارے سر پر۔ میں پوچھتا ہوں پائپ پینے میں کیا حرج ہے۔"

"عورتیں پائپ نہیں پیتیں۔"

"پینا پڑے گا عورتوں۔" حمید میز پر گھونسہ مار کر بولا۔ "عورتوں کی فوج بن سکتی ہے عورتیں ڈپٹی کلکٹر ہو سکتی ہیں۔ عورتیں طیارے اڑا سکتی ہیں۔ عورتیں رائفل چلا سکتی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ عورتیں پائپ نہ پئیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ ہو میں تمہیں حقہ تک پلا چھوڑوں۔"

"آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔" کہکشاں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"آج مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں واقعی اُلو ہوں۔" حمید نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا میں جا رہی ہوں۔ اب تم سے نہیں ملوں گی۔"

"مجھے تمہارا گھر معلوم ہے۔"

"نہیں میں کسی اُلو سے ملنا پسند نہیں کرتی۔"

"اچھا.... میں عہد کرتا ہوں کہ قبر تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔"

ان دونوں میں نو بجے رات تک اوٹ پٹانگ قسم کی بحثیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ ریکریشن ہال میں جانے کے لئے اٹھے تھے کہ حمید کو سارجنٹ رمیش نظر آیا۔ وہ اُسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

"ٹھہرو.... میں ابھی آیا۔" حمید نے کہکشاں سے کہا اور رمیش کی طرف بڑھ گیا۔

"کرنل صاحب نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔" رمیش نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان سے کہہ دینا کہ میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم سو فیصدی ڈیوٹی پر ہو محکمے نے تم لوگوں کو طلب کر لیا ہے۔ بقیہ رخصت منسوخ کر دی گئی۔"

"محکمے کی ایسی کی تیسی۔ دو ایک راؤنڈ ناچے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری لاش کی شناخت نہ ہو سکے۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل کرنل صاحب اس زہریلے تیر سے بال بال بچے ہیں۔ بس قضا ہی نہیں آئی تھی۔"

"کیا ہوا تھا....؟"

"مجھے تفصیل کا علم نہیں ہے۔ بہر حال تمہیں ابھی میرے ساتھ واپس چلنا ہے۔"

"اوہ.... اچھا ٹھہرو۔" حمید نے کہا اور دوڑتا ہوا کہکشاں کے پاس آیا۔

"دیکھو ڈیئر....!" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "میرے فادر کے پیر میں بچھو نے ڈنک مار دیا ہے اور مجھے فوراً گھر پہنچنا ہے۔ کہیں وہ اوٹ پٹانگ قسم کا وصیت نامہ نہ مرتب کر ڈالیں۔ جلد ہی ملاقات ہو گی۔ تم فکر نہ کرنا۔ اچھا.... ٹاٹا....!"

حمید مجنونانہ انداز میں چلتا ہوا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے رمیش تھا۔



کلاک نے ایک بجایا اور حمید ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ وہ بڑی دیر سے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ سنجیدہ تھا۔ اسے یہ بات گراں گذری تھی کہ فریدی رات گئے تنہا باہر گیا تھا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر جانا چاہتا تھا لیکن فریدی کے آگے ایک نہ چلی۔ یہ حقیقت تھی حمید اس کے لئے کافی مضطرب تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کام سے جان چھڑانے ہی کی فکر میں رہا کرتا تھا۔ مگر ایسے حالات میں جب اُسے فریدی کی زندگی خطرے میں نظر آتی تھی وہ بہت زیادہ چاق و چوبند نظر آنے لگتا تھا۔

آج جب وہ اس لڑکی کے ساتھ آرلکچو میں تفریح کر رہا تھا۔ فریدی پر حملہ ہوا اسے آرل... میں اس کی اطلاع ملی تھی اور وہ اپنی تفریحات کو خیر باد کہہ کر گھر چلا آیا تھا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ حملہ اسی خوفناک تیر سے ہوا تھا جس کا ایک شکار حمید کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنے بھیانک انجام کو پہنچا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ سنا اور لرز گیا۔ فریدی پر کسی ویرانے میں حملہ نہیں ہوا بلکہ شہر کی ایک بارونق سڑک تھی وہ اپنی کار سے اتر کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوا تھا کہ کوئی چیز سنسناتی ہوئی اس کے داہنے کان کے قریب سے گذر کر ایک کھٹاکے کے ساتھ لکڑی کے بوتھ میں پیوست ہوگئی۔ وہ ایک تیر تھا بالکل اسی ساخت کا جیسا فریدی نے تنویر کے فلیٹ سے برآمد کیا تھا۔ پھر ہوشیار ہو جانے کے بعد یہ کہاں ممکن تھا کہ کوئی فریدی پر ہاتھ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے یہ بھی دیکھا کہ ایک نامعلوم آدمی اپنی جان پر کھیل کر اس تیر کو بوتھ کی دیوار سے نکال لے گیا۔ یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ریوالور سے نکلنے والے شعلے نے اُسے پچیس قدم سے زیادہ نہ چلنے دیا ہو۔

گولی اس کے پیر میں لگی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور چاروں طرف سے راہ گیر دوڑ پڑے۔ پھر اچانک پانچ چھ آدمی زخمی پر گر پڑے۔ لیکن جب تک فریدی وہاں پہنچا تیر غائب ہو چکا تھا۔ بھیڑ زیادہ ہونے کی بناء پر پتہ نہ چل سکا کہ تیر کس نے وہاں سے غائب کیا۔ البتہ جو اسے بوتھ کی دیوار سے نکال کر بھاگا تھا اب وہ زندہ آدمیوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر کیا اس کی موت ریوالور کی گولی سے واقع ہوئی تھی۔ بعد کی تحقیقات نے اس کی تردید کر دی کیونکہ مرنے والے کی کلائی میں ایک چھوٹا سا زخم تھا اور اس کے جسم کے کھلے حصوں پر اتنا زیادہ ورم آگیا تھا کہ ان کی شناخت ہی بدل گئی تھی۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ زخم اس زہریلے تیر کا تھا۔ غالباً تیر غائب کر دینے والے نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اسے ختم ہی کر دے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ فریدی ان لوگوں کی راہ پر لگ جاتا۔ جو ان تیروں کے ذریعہ اب تک تین زندگیاں ختم کر چکے تھے۔

فریدی نے حمید کو یہ سب کچھ بتایا اور محتاط رہنے کی ہدایت کی۔ پھر خود تنہا باہر چلا گیا۔ حمید نے انتہائی کوشش کی کہ وہ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائے۔ لیکن فریدی نے یہ کہہ کر اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا کہ وہ وہیں ٹھہر کر فون پر اس کے پیغامات کا انتظار کرے۔

اب حالات کچھ اور تھے اس لئے حمید بھی پوری طرح ہوشیار ہو گیا تھا اُسے یقین تھا کہ معاملہ بہت آگے بڑھ جائے گا۔ فریدی ایسے مجرموں کے لئے دن رات ایک کر دیتا تھا جو راست قانون کے محافظوں سے ٹکرانے کی کوشش کرتے تھے۔ دوسری طرف حمید کو اس کی

فکر تھی کہ اگر وہ سچ مچ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ تھا تو اس میں ناکامی کے امکانات بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ ایک بین الاقوامی مجرم تھا اور امریکہ کی پولیس آج تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ بلاشبہ ایک پُراسرار اور خطرناک آدمی تھا۔

حمید ٹہلتا اور سوچتا رہا۔ ڈاکٹر ڈریڈ وہ آدمی تھا جس نے ایک بار امریکی سینٹ کے تین ممبروں کو بیک وقت ہلاک کر دیا تھا۔ وہ مجمع عام نہیں تھا بلکہ وہاں صرف سرکاری آدمی تھے۔ بیک وقت تین لاشیں فرش پر گریں اور تقریباً پانچ منٹ کے اندر اندر تقریب گاہ کے سارے دروازے بند کرا دیئے گئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ حملہ آور ڈاکٹر ڈریڈ کا یہی طریق کار تھا کہ وہ اپنے شکاروں کے قریب اپنا وزیٹنگ کارڈ ڈال دیا کرتا تھا۔ مرنے والے تین آدمیوں پر بغیر آواز کے ریوالور سے گولیاں چلائی گئی تھیں اور وہ ریوالور وہیں پڑا مل بھی گیا تھا۔

یہ تھا ڈاکٹر ڈریڈ۔ امریکہ کی پولیس کے پاس اس کے ایک نہیں ہزاروں فوٹو تھے لیکن وہ ابھی تک اُسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔

یہاں بھی یہ ہنگامے اگر ڈاکٹر ڈریڈ ہی کی ذات سے ہو رہے تھے تو اس نے اپنا طریق کار یقینی طور پر بدل دیا تھا جو اس کے مخصوص انداز کے برعکس تھا۔ امریکہ میں اس نے اب تک جتنی بھی وارداتیں کی تھیں ان کے متعلق اس نے کسی نہ کسی طرح جتا دیا تھا کہ اسی کی ذات سے تعلق رکھتی تھیں مگر یہاں وہ بڑی رازداری سے کام لے رہا تھا۔ حالانکہ ان میں سے ایک پر فریدی نے اس کا نام بھی لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تیر پر نام تحریر ہونے کا یہی مقصد ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ اپنے جرائم کا پروپیگنڈا چاہتا ہے۔ لیکن پھر بھی تیر غائب کرا دیئے تھے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فی الحال ان معاملات میں اپنا نام نہیں ظاہر کرنا چاہتا۔

یہ ساری باتیں حمید کے ذہن میں چکراتی رہیں اور ٹہلتا رہا۔ ایک بج کر بیس منٹ پر فون جاگا۔ سناٹے میں اسکی گھنٹی کی آواز حمید کے ذہن پر گراں گذری لیکن اس نے جھپٹ کر ریسیور اٹھالیا۔

"حمید.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم تیار ہونا۔"

"بالکل تیار ہوں۔"

"مگر ابھی تمہیں وہیں ٹھہرنا چاہئے۔ فی الحال ایک بلڈ ہاؤنڈ کتا خانے سے نکلوا لو اور میری دوسری کال کا انتظار کرو۔"

"بہت بہتر..... کیا آپ تنہا ہیں۔"

"نہیں میرے ساتھ میرے عزائم بھی ہیں۔" فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے کتے خانے سے ایک بہترین قسم کا بلڈ ہاؤنڈ نکلوایا۔ وہ ایک تربیت یافتہ کتا تھا اور اپنے شکار کو سمندر کی تہہ میں بھی نہیں چھوڑتا تھا۔ حمید سوچنے لگا کیا فریدی اُن میں سے کسی کی کوئی چیز پا گیا ہے۔

کتا اس نے وہیں کمرے ہی میں منگوالیا تھا۔ جو اس کے پیروں کے قریب بیٹھا اپنی سرخ زبان لٹکائے ہانپ رہا تھا۔

پندرہ منٹ بعد فون کی گھنٹی پھر بجی اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "بس اب آجاؤ۔ میں پرنسٹن کے چوراہے پر تمہارا منتظر ہوں۔ گیراج سے وہ گاڑی نکالو جس کے نمبر تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔ کتا اپنے ساتھ لانا۔"

حمید نے فوراً تعمیل کی۔ وہ تھوڑی دیر بعد گیراج سے چھوٹی آسٹن نکال رہا تھا۔ یہ کار شاذ نادر ہی استعمال کی جاتی تھی۔ خاص قسم کی مہمات کے علاوہ اسے اور کسی مصرف میں نہیں لایا جاتا تھا۔ اس کی نمبر پلیٹ بہ آسانی تبدیل کی جاسکتی تھی۔

وہ بلڈ ہاؤنڈ سمیت پرنسٹن کے چوراہے کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ سردی شباب پر تھی اور شہر میں اُلو بول رہے تھے۔ "یہ تو "محاورے" کی بات رہی ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اتنی شدید سردی میں اُلو بھی اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکل کر بولنے کی ہمت نہیں کرسکے تھے۔ چھوٹی آسٹن سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ پھر پرنسٹن کا چوراہا آگیا۔ فریدی یہاں موجود تھا۔ مگر تنہا۔ اس نے اپنی لنکن خدا جانے کہاں چھوڑی تھی اور رات گئے کسی آوارہ گرد کی طرح سڑک کے کنارے کھڑا تھا۔ وہ کار میں آبیٹھا۔

"چلو....!"

"کہاں چلوں۔" حمید نے پوچھا۔

"لاوڈر روڈ۔ فکر نہ کرو۔ اگر ناکامی ہوئی تب بھی مجھے افسوس نہ ہوگا۔"

"کیوں؟"

"کیوں....اب میں جو کچھ بھی کرنے جارہا ہوں وہ ایسا ہی ہوگا جیسے سانپ کی لکیر پیٹنا۔"

"کیا بات ہے۔ کچھ تو مجھے بھی بتادیجئے۔"

"میرا خیال ہے کہ مرنے والے کے گرد جو مجمع اکٹھا ہوگیا تھا اس میں سے ایک آدمی میں نے پہچان لیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس وقت نادانستگی میں اسی سے ٹکرا گیا ہوں۔"

"وہ ہے کہاں۔"

"پتہ نہیں۔ اب یہ بلڈ ہاؤنڈ اُسے ڈھونڈھ نکالے گا۔"

"کیا اس کی کوئی چیز ہاتھ آگئی ہے۔"

"ہاں....ایک رومال۔ جو کثرت استعمال سے بہت میلا ہوگیا ہے۔"

فریدی نے وہ رومال جیب سے نکال کر پچھلی سیٹ پر پڑے ہوئے کتے کے آگے ڈال دیا اور وہ اُسے سونگھتا رہا۔ حمید یہ سب کچھ بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔

"چلو بھئی....کیا سوچنے لگے۔" فریدی نے اسکے پہلو میں کہنی سے ٹھوکا دیا اور کار چل پڑی۔

"وہ کہاں ملا تھا آپ کو۔" حمید نے پوچھا۔

"ہوٹل ڈی فرانس کے پھاٹک پر جہاں سے وہ فنچ کے ایک ساتھی کا تعاقب شروع کررہا تھا۔"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔"

"وہ سب میری نظر میں ہیں۔"

"اگر وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی ہے تو اتنی راز داری سے کیوں کام لے رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ امریکہ میں اپنے نام کے اعلان کے ساتھ جرائم کرتا رہا ہے۔"

"اوہو....تو تیروں کے غائب کرادینے کا مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا ہے۔"

"ہاں....اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے، مقصد کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ مگر آخر تیر پر نام ہونے کا کیا مقصد ہے۔ اگر ان تیروں پر اس کا نام تحریر نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہ پیش آئے۔"

"تیروں پر نام ہی ہونا تو سب سے بڑا مقصد ہے حمید صاحب۔ تم ڈاکٹر ڈریڈ اور اس کے کارناموں سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔"

"میں لاکھ واقف ہوں لیکن یہ موٹی سی بات ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ بالکل گدھا ہے۔ تیروں پر اپنا نام لکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جبکہ وہ راز داری کے لئے تیر غائب کرادینا چاہتا ہے۔ اگر نام تیروں پر موجود نہ ہو تو انہیں غائب کرانے کی بھی ضرورت نہیں۔"

"تم نہیں سمجھے۔ سمجھ ہی نہیں سکتے۔ جب تک ڈاکٹر ڈریڈ سے اچھی طرح واقف نہ ہو۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے تنہا جاتا ہے اور وہیں کے مقامی آدمیوں کا ایک گروہ ترتیب دیتا ہے۔ اُن آدمیوں کو ترتیب دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ انہیں طریقوں سے انہیں تربیت دیتا ہے۔ مثلاً تیروں پر اپنا نام لکھوادیا اور گروہ والوں کو تاکید ہے کہ کسی طرح اس کا نام نہ ظاہر ہونے پائے لہٰذا وہ پھینکے ہوئے تیروں کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگادیتے ہیں۔ ایک بار اس

نے یہی طریقہ جنوبی افریقہ میں بھی استعمال کیا تھا۔ بس یہ اتفاق ہی ہے کہ ایک تیر میرے لگ گیا۔ لیکن اس سے ڈاکٹر ڈریڈ کا کیا بگڑتا ہے۔"

"پھر اس تیر کو حاصل کرنے کے لئے اتنی جدوجہد کیوں جاری تھی۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ کا کھیل۔ محض اپنے آدمیوں کو ترتیب دینے کا ایک طریقہ۔ سنو فرزند۔ یہ ایسا نہیں ہے جس پر آسانی سے ہاتھ ڈالا جاسکے۔ امریکہ کے بچے بچے کے ذہن میں ڈاکٹر ڈریڈ تصویر ہے۔ لیکن پھر وہاں کی پولیس آج تک اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی۔ امریکہ کے اخبارات آئے دن اس کی تصاویر کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بھی دنیا کے ان گنے چنے آدمیوں میں سے ہے جنہیں اپنی تصاویر کی تعداد اشاعت پر ناز ہو سکتا ہے۔"

"تب تو پھر....!"

"تب تو پھر کیا۔"

"کچھ نہیں.... اللہ مالک ہے۔"

"میں اس سے استدعا کرونگا کہ تم پر کوئی زہریلی عورت پھینک مارے۔" فریدی نے قہقہہ لگا

"اگر ایسا ہو تو.... میں اس وقت بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔"

کچھ دیر تک وہ خاموش رہے پھر فریدی نے کہا۔ "کار بائیں جانب والی گلی میں کھڑی کردو"

حمید کار بتائے ہوئے مقام پر کھڑی کر کے نیچے اُتر گیا۔ وہ بلڈ ہاؤنڈ کی زنجیر تھامے ہو تھا۔ ہوٹل ڈی فرانس یہاں سے دور نہیں تھا۔ اچانک ایک جگہ کتا رک کر مخالف سمت میں جا کے لئے زور کرنے لگا۔ وہ بار بار زمین سونگھ کر غرا رہا تھا۔

"پٹے سے زنجیر نکال لو۔" فریدی نے کہا۔ "وہ بو پا گیا ہے۔"

"اگر اس نے دوڑنا شروع کر دیا تو۔"

"میں تمہیں اس کی دم سے باندھ دوں گا۔"

"نہیں واقعی۔ میں اس کتے کے پیچھے نہ دوڑ سکوں گا۔ کیوں نہ ہم کار ہی میں رہیں ا رہنمائی کرے۔"

"میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔"

حمید نے پٹے سے زنجیر نکال دی اور کتا زمین سونگھتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

اس کی رفتار تیز نہیں تھی۔ حمید اور فریدی اس کے پیچھے چلتے رہے۔ وہ کوئنس روڈ گذرتا ہوا ریکسٹن اسٹریٹ میں مڑ گیا اور چلتا رہا۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ آدمی اپنی منزل مقصود تک پیدل ہی گیا ہو۔"

"فکر مت کرو۔ یہ بھی یقینی نہیں ہے کہ نہ گیا ہو۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

سارا شہر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ سڑک کے کنارے روشنی کے ستون اونگھتے ہوئے سے معلوم ہو رہے تھے اور شائد پورے موسم کی سردی بحیثیت مجموعی آج ہی ختم ہو جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ریکسٹن اسٹریٹ سے وہ تلک روڈ پر آئے۔ یہاں اس سڑک پر روشنی کی لائین فیل ہو گئی تھی۔ پوری سڑک تاریک تھی۔ فریدی کو اپنی ٹارچ روشن کرنی پڑی۔

کتا ایک چوراہے پر رک گیا۔ یہاں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کتا فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ اس کا شکار کس طرف گیا تھا۔

شائد آدھے منٹ کے بعد ہی وہ پھر ایک طرف چل پڑا۔ اس کا رخ دیکھ کر فریدی نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے اُسے یقین رہا ہو کہ وہ اسی سمت جائے گا۔ کتا ارجن پورے کی طرف جا رہا تھا۔

"میرے خدا.... کیا یہ سگ نجس پورے شہر میں در در پھرائے گا۔" حمید کراہ کر بولا۔

دفعتاً کتے نے سڑک پر ایک چکر لگایا اور پھر اُسی طرف مڑا جدھر سے ابھی چلتا آیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چل رہا تھا۔ پھر وہ ایک پبلک پیشاب خانہ کے دروازے پر رک گیا۔

"کیا یہ آپ سے مذاق کا کوئی رشتہ رکھتا ہے کرنل صاحب۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ لیکن کتا دوسرے ہی لمحے میں غراتا ہوا پیشاب خانے میں گھس چکا تھا۔ فریدی بھی اس کے پیچھے ہی جھپٹا۔ حمید نے بس اتنا ہی دیکھا کہ فریدی نے جھک کر اس کا پٹہ پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ حمید کے ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی اور وہ بخوبی دیکھ رہا تھا کہ کتا فریدی کی گرفت سے نکل کر اس لاش پر جھپٹ پڑنا چاہتا تھا جو پیشاب خانے کے فرش پر پڑی ہوئی تھی۔

لاش کا چہرہ بگاڑ دیا گیا تھا اور اُسے کسی دھار دار حربے سے قتل کیا گیا تھا۔ فرش پر چاروں طرف خون کی سرخی نظر آرہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقوعہ کے بعد سے کوئی اس پیشاب خانے میں نہیں آیا تھا یا ممکن ہے آیا بھی ہو۔

فریدی کتے کو کھینچتا ہوا پیشاب خانے سے نکل آیا۔

"زنجیر ڈال دو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا یہ وہی آدمی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"چہرہ بگاڑ دیا گیا ہے لیکن ہے وہی آدمی اس کے جسم پر وہی لباس موجود ہے جو میں نے کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ کارنامہ فنچ کی پارٹی کا ہے۔ یہ آدمی فنچ میرے لئے ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ پُر اسرار ہے۔"

"کیا وہ چھوٹا آدمی....!"

"ہاں وہی.... ٹھہرو.... میرا خیال ہے کہ یہاں سے قریب ہی ایک میونسپل شفاخانہ ہے۔ ہمیں وہاں سے کوتوالی فون کرنا چاہئے۔"

"کیا ہم دونوں تنہا ہی ہیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"قطعی....!"

"میں سمجھا تھا ہمارے ساتھ پوشیدہ طور پر کچھ آدمی اور بھی ہوں گے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تنہا نکلیں گے۔"

"میں خود کو اس کے مقابلے کے لئے اتنا کمتر نہیں سمجھتا کہ خواہ مخواہ اپنے ساتھ ایک فوج لئے پھروں۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ ایسی ہی باتوں پر اکثر اُسے فریدی خلل دماغ کا شکار معلوم ہونے لگتا تھا۔

میونسپل شفاخانے سے کوتوالی کیلئے فون کرنیکے بعد وہ پھر اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں لاش پڑی ہوئی تھی۔ پھر صبح پانچ بجے تک انہیں وہیں ٹھہرنا پڑا۔ واپسی پر فریدی کچھ متفکر سا نظر آ رہا تھا۔

گھر پہنچ کر ناشتے کے بعد فریدی نے کہا کہ وہ کچھ دیر سونا چاہتا ہے۔ حمید کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی۔ اس نے آج تک اُسے دن میں سوتے نہیں دیکھا تھا۔

دن کو وہ کبھی نہیں سوتا تھا خواہ پچھلی راتیں جاگ کر ہی کیوں نہ گذاری ہوں۔

حمید کے ذہن پر اس بُری طرح نیند حاوی تھی کہ اس نے اس تبدیلی کی وجہ بھی نہ پوچھی۔

وہ تقریباً چار بجے تک سوتا رہا۔ احتیاطاً اس نے اپنا کمرہ اندر سے مقفل کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی سوتے وقت اس تک پہنچ سکے۔ لیکن چار بجے وہ فریدی ہی کی وجہ سے بیدار ہوا جو بہت بری طرح اس کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ابھی تک نیند ہی نہیں پوری ہو سکی۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گئی۔" حمید نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"میں نے تمہیں صرف یہ بتانے کے لئے جگایا ہے کہ کہکشاں مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

"ہائیں۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "تب پھر جگانے کی کیا ضرورت تھی۔ سوتے ہی میں زہر کا انجکشن دے دیا ہوتا۔"

"نہیں رقیب کے بغیر عشق کہاں۔ بقول مرزا سوا....

سامنے اس کے نہ کہتے مگر اب کہتے ہیں
لذت عشق گئی غیر کے مرجانے سے"

"ارے آپ تو پیشہ ور قسم کے عاشق معلوم ہوتے ہیں۔"

"ختم کرو۔" فریدی جلدی سے بولا۔ "اس وقت ہمیں اسی سفارت خانے کی ایک دعوت میں چلنا ہے جس کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

"یہ کس تقریب میں۔"

"ان کی حکومت کا جشن سالگرہ ہے۔"

"آپ کے پاس آیا ہے دعوت نامہ۔"

"ہاں بھئی اور کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم یونہی چلے جائیں گے۔"

"او ہو.... پہلے تو کبھی کسی سفارت خانے کی دعوت میں ہمیں نہیں مدعو کیا گیا۔"

"نہیں.... ہمیں کبھی کوئی فراموش نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم عدیم الفرصتی کی بناء پر شرکت نہ کر سکیں۔"

فریدی اُسے تیار رہنے کی تاکید کرتا ہوا چلا گیا.... حمید کو اس دعوت پر حیرت تھی اور یہ حیرت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ وہ دونوں وہاں پہنچ گئے۔ دراصل بات یہ تھی کہ سفارت خانہ نے اس جشن کے سلسلے میں سرکاری طور پر کرنل فریدی اور کیپٹن حمید کی خدمات حاصل کی تھیں۔ خیال یہ تھا کہ کہیں اس جشن کے دوران میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ پھر فریدی نے مزید وضاحت کر دی۔

"دیکھو.... فرزند....!" اس نے کہا۔ "یہ سفیر بڑا شاطر آدمی معلوم ہوتا ہے۔ ہماری ہی خدمات حاصل کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ اپنے ان نامعلوم دشمنوں سے خائف ہے۔ جنہوں نے سفارت خانہ کو بدنام کرنے کے لئے وہاں ایک قتل کر دیا تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ مغرب میں آج کل ٹھنڈی جنگ جاری ہے۔ لہٰذا ہماری حکومت اسے باور کر لے گی کہ کوئی تیسرا

ملک ہم دونوں کے تعلقات خراب کرانا چاہتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔

"یہ بہت اچھا ہوا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "ورنہ تمہارے ساتھ تو عموماً کافی تک سر مارنا پڑتا ہے۔"

فریدی نے اپنے عملہ کے تین سب انسپکٹر بھی وہاں لگا رکھے تھے مختلف مقامات پر انکی ڈیوٹیاں رکھی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کو یقین ہو کہ اس جشن میں ہڑبونگ ضرور ہوگی۔

"کیا آپ کو یہاں فنچ کی پارٹی کا بھی کوئی آدمی نظر آیا ہے۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"نہیں.... اُن میں سے تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیا جنہیں میں جانتا ہوں۔"

"کاش میری ناک چپٹی ہوتی۔" حمید نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔"

"وہ چینی لڑکی مجھے بہت اچھی لگ رہی ہے۔" حمید نے سر کی جنبش سے ایک طرف اشارہ کیا۔

"اوہو....!" فریدی کی آواز تحیر آمیز تھی۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس چینی لڑکی کو دیکھ کر اُسے حیرت ہوئی تھی۔

"حمید.... اُس آدمی کو دیکھ رہے ہو جو اس لڑکے کے پیچھے کھڑا ہے۔" اس نے کہا۔

"آ.... ہاں.... کیوں....!"

"اس کے ہاتھ میں کتنی خوبصورت چھڑی ہے۔"

"کیا بات ہوئی جناب۔ مجھے تو اُس میں کوئی خاص بات نہیں نظر آئی۔ ایک معمولی سا جس پر رنگین تار لپٹے ہوئے ہیں۔"

"کیا پہلے کبھی اس قسم کا کوئی بید تمہاری نظروں سے گذر چکا ہے۔"

"مجھے یاد نہیں۔" حمید چڑھ کر بولا۔ "آخر آپ یہ کیسا تذکرہ لے بیٹھے ہیں۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" فریدی نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

حمید نے دیکھا کہ اب بھی اس کی نظر اسی آدمی کی چھڑی پر جمی ہوئی ہے۔ فریدی کے اس انہماک پر حمید کی دلچسپی بھی بڑھ گئی۔ اس نے ایک بار قریب سے بھی بغور اس چھڑی کا جائزہ لیا لیکن اپنے ظاہر کردہ خیال سے ایک انچ بھی نہ ہٹ سکا یعنی وہ ایک معمولی سا بید تھا جسے مختلف رنگوں کے تار لپیٹ کر آراستہ کیا گیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آج تک اسی قسم کی کوئی دوسری چھڑی اس کی نظروں سے نہیں گذری تھی۔ لیکن وہ اُسے اس بناء پر غیر معمولی بھی نہیں قرار

دے سکتا تھا کیونکہ وہ بہر حال ایک چھڑی تھی۔ بناوٹ کے اعتبار سے وہ خواہ کیسی ہی رہی ہو۔

تھوڑی ہی دیر بعد اُسے اس چھڑی یا اس کے مالک کے متعلق کچھ بھی یاد نہ رہ گیا اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کے ساتھ فریدی بھی تھا۔ اس از خود رفتگی کی وجہ یہ تھی کہ اب بال شروع ہو گیا تھا۔ سارا ہال موسیقی کے طوفان میں بہا جا رہا تھا۔ نوخیز جوڑے چوبی فرش پر تھرکتے پھر رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انسانوں کا سمندر موجیں مار رہا ہو۔

حمید دل ہی دل میں اپنا سر پیٹنے لگا۔ کاش وہ ڈیوٹی پر نہ ہوتا۔ یہاں اس وقت کئی قوموں کی خوبصورت اور شوخ لڑکیاں موجود تھیں۔ ایسا "بین الاقوامی موقعہ" اس طرح ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ حمید کا کلیجہ خون ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ وہ کوئی درد بھرا شعر موزوں کرنے کی کوشش کرتا اس کی نظر فریدی پر پڑی جو دور کھڑا اُسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

حمید بڑی بے دلی سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے ایک طرف چلنے لگا تھا۔ حمید جلد ہی اس کے برابر پہنچ گیا۔

"اس آدمی پر نظر رکھو۔" فریدی بولا اور حمید کی نظر اسی آدمی پر پڑی جس کے ہاتھ میں دبی ہوئی چھڑی نے فریدی کو اس کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔

"کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں آپ اس غریب کے۔ اگر صرف چھڑی پسند آئی ہو تو میں اس سے استدعا کروں گا کہ...."

"بکواس مت کرو۔" فریدی نے اُسے جملہ نہیں پورا کرنے دیا۔

وہ آدمی ٹہلنے کے سے انداز میں چلتا ہوا زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ یہ زینے ہال کی اوپری گیلری کو فرش سے ملاتے تھے۔

وہ زینوں پر چڑھنے لگا۔ لیکن وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے آگے پیچھے اور لوگ بھی تھے۔ دراصل بہتیرے مہمان اوپر گیلری سے رقص دیکھ رہے تھے اور کچھ اب اسی مقصد کے تحت اوپر جا رہے تھے۔

فریدی اور حمید بھی اسی بھیڑ میں شامل ہو گئے۔ ویسے ان کی نظریں اب بھی اسی آدمی پر تھیں۔ وہ اسی کے پیچھے لگے رہے۔ اب حمید بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ کیونکہ یہ آدمی اگر تماشائیوں میں سے ہوتا تو گیلری کا رخ کرتا۔ لیکن وہ تو گیلری کی دوسری جانب والے صحن کی طرف جا رہا تھا۔

یہ ہال جہاں رقص ہو رہا تھا نصف دائرے کی شکل کا تھا اور اوپر کی گیلری کی شکل بھی یہی

تھی اور دوسری طرف صحن میں جانے کے لئے اس میں متعدد دروازے لگے ہوئے تھے۔

صحن میں پہنچ کر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے استوائی خطے سے یک بیک قطبین میں پہنچ گئے ہو ان کے جسم کے کھلے ہوئے حصے سردی سے ٹھٹھرنے لگے۔

صحن میں اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ اس آدمی کا دھندلا مجسمہ بہ آسانی دیکھ تھے۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے رکا اور پھر چلنے لگا۔ پھر انہوں نے اسے گیلری کے آخری درواز میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ دونوں پنجوں کے بل تیزی سے چلتے ہوئے اس طرف بڑھے اور حمید نے جو منظر دیکھا اس نے فریدی کی عظمت اس کی نظروں میں اور زیادہ بڑھا دی۔ اب چھڑی کی اہمیت واضح ہوگئی تھی۔ اس میں لپٹا ہوا ایک تار کھل گیا تھا اور وہ درمیان سے لچک کمان کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ حمید سناٹے میں آ گیا۔ پتہ نہیں کون اس تیر کا نشانہ بننے والا تھ جو بڑی احتیاط سے اس کمان پر چڑھایا جا رہا تھا۔ گیلری کا یہ حصہ نیم روشن اور ویران تھا۔ وجہ تھی کہ یہ گیلری اس جگہ پڑے ہوئے پردوں کی بناء پر کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔ اتفاقاً وقت اس حصے کا پردہ کھنچا ہوا تھا اور یہ آدمی اسی لئے دوسری طرف بیٹھے ہوئے آدمیوں کی نگاہ سے محفوظ ہو گیا تھا۔

"بچوں کا یہ کھیل خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" دفعتاً فریدی نے آگے بڑھ کر کھنچی ہوئی کما پر ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔

وہ آدمی وحشیانہ انداز میں پلٹ پڑا۔ تیر اور کمان اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑے تھے۔

فریدی کا گھونسہ اس کی پیشانی پر پڑا۔ وہ پہلے تو گیلری کی ریلنگ سے ٹکرایا پھر دوسری طرف میں الٹ گیا اور پھر وہ چیخ تو بہر حال موسیقی کی لہروں پر بھاری تھی ہی۔ یک بیک ایسا معلوم ہوا کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ایک لمحے کیلئے موت کی سی خاموشی طاری ہوگئی.... پھر شور ہونے

فریدی نے جھک کر فرش سے تیر اور کمان اٹھا لئے۔

پھر وہ نیچے آئے۔ یہاں ہر طرف ابتری کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لوگ بھاگ رہے عورتیں چیخ رہی تھیں۔ اچانک کوئی چیز بڑی قوت کے ساتھ کیپٹن حمید کے جسم سے ٹکرائی او اچھل پڑا۔ ایک تیر اس کے قدموں کے پاس پڑا ہوا تھا دوسرے ہی لمحے میں اس نے ریوالور نک لیا۔ اگر اس نے اپنے لباس کے نیچے بلٹ پروف نہ پہن رکھے ہوتے تو دوسری دنیا کا سفر انتہ آسان ہو جاتا۔

پھر یک بیک پورا ہال تاریک ہو گیا۔ چیخیں بلند ہونے لگیں۔ حمید ایک طرف سمٹ کر د

سے جا لگا۔ اب وہ اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ اس افراتفری میں حمید کو سمتوں کا احساس بھی نہیں رہ گیا تھا۔ ورنہ وہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔

شور بڑھتا جا رہا تھا۔ شائد لوگ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنے لگتے تھے۔

تقریباً تین منٹ تک اندھیرا رہا۔ پھر یک بیک روشنی ہوگئی۔ لوگ گرتے پڑتے دروازوں کی طرف بھاگنے لگے۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ دفعتاً اس نے مائیک پر فریدی کی آواز سنی۔

"ٹھہریئے۔ اس طرح آپ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔"

لوگ ایک لحظہ کے لئے رکے اور پھر بھاگنے لگے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر ہال خالی ہو گیا۔ یہاں تین لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ ایک تو اسی آدمی کی تھی جسے فریدی نے اوپر گیلری سے نیچے پھینکا تھا اور دو لاشیں ان سب انسپکٹروں کی تھیں جو فریدی کے ساتھ یہاں آئے تھے حالانکہ ان کے لباس کے نیچے بھی بلٹ پروف موجود تھے لیکن ان کی قضا ہی آ گئی تھی۔ زہریلا تیر ایک کی گردن میں لگا ہوا تھا اور دوسرے کی پیشانی پر پڑ کر اُچٹ گیا تھا۔ لیکن چونکہ تیر کا پھل گوشت کاٹ چکا تھا اس لئے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فریدی نے انہیں ان کے لباس سے پہچانا ورنہ ان کے چہرے تو غیر معمولی ورم کی وجہ سے بگڑ ہی چکے تھے۔

دس منٹ بعد ہی پولیس کا ایک مسلح دستہ ہال میں گھس آیا۔

"بڑی عجیب..... بب..... بات.....!" حمید فریدی کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

فریدی خاموش ہی رہا۔ وہ ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کی طرف دیکھ رہا تھا جس نے آتے ہی سارے دروازے بند کرا دیئے تھے۔

"اب یہ حضرت کیا کریں گے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

ڈی۔ ایس۔ پی سٹی شائد اس کا منتظر تھا کہ فریدی خود ہی آگے بڑھ کر اُسے کچھ بتائے گا لیکن فریدی جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

اتنے میں ایک دروازہ کھلا اور سفیر چند آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ پہلے وہ ڈی۔ ایس۔ پی سے کچھ کہتا رہا تھا پھر فریدی کی طرف بڑھا۔

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ فنچ کو میرے حوالے کر دیا جائے۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ حالات اس سے بھی بدتر ہو سکتے ہیں۔"

"میں کسی فنچ کو نہیں جانتا کرنل فریدی۔ یقین کرو۔"

فریدی نے لاپروائی ظاہر کرنے کیلئے اپنے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

دس بج گئے تھے۔ ضابطے کی کاروائیوں سے فراغت پاکر وہ باہر نکلے اور فریدی نے کار
میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ "جانتے ہو اس زہریلے تیر کا نشانہ کون تھا۔"

"نہیں میں دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔"

"فنچ....!"

"نہیں....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"بس وہ نکل ہی گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اُسے اسی وقت دیکھا جب وہ کمان میں تیر لگا
چکا تھا۔ فنچ اوپری گیلری ہی میں تھا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ڈاکٹر ڈریڈ کو فضول ہی چھیڑا۔"

"آہا.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کے زہریلے تیر مجھے ہٹا دیں گے۔ یہ اور بات ہے کہ
میں وقتی طور پر اس سے ہاتھ اٹھالوں لیکن یہ خیال کہ اس کے خیال سے باز آجاؤں گا فضول ہے۔
ویسے فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ کے درمیان جو کچھ بھی ہو رہا ہے مجھے اس کی قطعی پرواہ نہیں ہے۔ میں تو
دراصل اب بھی سرخ گلابوں ہی کی فکر میں ہوں کیونکہ میری تفتیش کا آغاز وہیں سے ہوا تھا۔"

"آپ نے تارانائیڈو کو بھی نہ چیک کیا۔"

"اُسے چیک کرنے سے فائدہ ہی کیا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ اپنی بچت کی صور تیر
بہر حال نکال سکتی ہے۔"

"پھر اُسے گرفت میں لینے کی کیا صورت ہوگی۔"

"کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی تم اس کے لئے فکر مند نہ ہو۔"

کار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مجھے آر لکچو میں اتار دیجئے گا۔ میں
بہت تھک گیا ہوں۔ میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اپنے ان دونوں ساتھیوں کی لاشیں
کبھی نہ بھلا سکوں گا۔"

"نہیں.... اب سیدھے گھر ہی چلو ورنہ ہو سکتا ہے اس بار وہ تیر تمہاری گردن ہی چھید کر
رکھ دے۔"

"اوہ.... مجھے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے لیکن گھر اس وقت مجھے کھا جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" فریدی بولا۔

"آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔ بس میں اس وقت اپنے طور پر وقت
گزارنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" فریدی بولا۔ "میں خود بھی اس کا قائل نہیں ہوں کہ
خطرات سے دوچار ہونے کے بجائے آدمی چوہے کے بلوں میں دبکتا پھرے۔"

آر لکچو کے قریب فریدی نے اسے اتار دیا۔ حمید سچ مچ اس وقت تفریح کے موڈ میں نہیں تھا۔
بس وہ کچھ دیر تنہا رہنا چاہتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت کے واقعات ہی کا ذہنی رد عمل رہا ہو۔

وہ جیسے ہی آر لکچو میں داخل ہوا اس کی نظر کہکشاں پر پڑی اور اس نے الٹے پاؤں واپس ہونا
چاہا لیکن کہکشاں اٹھ کر اس کی طرف بڑھی اور حمید کو طوعاً و کرہاً رکنا پڑا۔

"ارے.... تم مجھے دیکھ کر بھاگے کیوں جا رہے تھے۔" اس نے اس کا بازو چھو کر کہا۔

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا بات ہے۔"

"پتہ نہیں۔" حمید کہتا ہوا اسی میز کی طرف بڑھا جس سے کہکشاں اٹھی تھی۔

وہ دونوں بیٹھ گئے۔

"مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ خواہ مخواہ میرے کان نہ کھاؤ۔"

"میں کھانا کھا چکی ہوں ورنہ تمہیں ہی کھا جاتی۔ کان تو کان ہی ہیں۔"

"میں کافی پیئوں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔"

"تم میرا خون بھی پی سکتے ہو۔ مجھے اعتراض نہ ہوگا۔ مگر مجھ سے ایسے خشک لہجے میں گفتگو نہ
کیا کرو۔"

کہکشاں نے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کے لئے کہا اور حمید سے بولی۔ "کافی پی لو پھر میں تمہیں
اپنی ایک سہیلی سے ملاؤں گی، جو تم سے ملنے کی بے حد مشتاق ہے۔"

"کیا وہ مشتاق ہے؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں....!"

"اور وہ تمہاری سہیلی ہے۔"

"ہاں.... لیکن تمہیں حیرت کیوں ہے۔"

"کیونکہ میں نے آج تک کسی عورت کا نام مشتاق نہیں سنا۔"

کہکشاں ہنس پڑی اور حمید اُسے گھورتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آگئی اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

"تمہاری سہیلی مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اُسے سنکی قسم کے آدمی بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں سنکی ہوں۔" حمید نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ دل کچھ بہلنے تو لگا ہے۔ چلو اس کی سہیلی کو بھی دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے زیادہ دلچسپ ثابت ہو۔

کافی ختم ہوگئی۔ حمید نے پائپ سلگایا۔ کہکشاں نے اپنے وینٹی بیگ سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور حمید اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔ کل تم نے کہا تھا کہ میں تمباکو پیا کروں۔" کہکشاں بڑے بھولے پن سے کہا۔

"آج میں کہتا ہوں کہ کنوئیں میں کود پڑو لہٰذا مجھے کل صبح تمہاری لاش تیار ملنی چاہئے۔"

"بڑے بے درد ہو۔" کہکشاں بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "عورتوں سے اسطرح گفتگو کی جاتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اسی طرح کرنا چاہئے کیونکہ میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرنے کا عادی نہیں ہوں اور کیوں فرق کروں جب کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا دعویٰ رکھتی ہیں۔"

"بحث کرو گے۔"

"بس عورتوں سے بحث نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مردوں کے دوش بدوش ہونے کے باوجود بھی بحث کے دوران اپنی عورت پن جتائے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

"میں سمجھ گئی۔" کہکشاں ہنس کر بولی۔ "آج بھی تمہیں اپنے اُلو ہونے کا احساس ہوا ہے۔"

"آج کل میں ہر وقت اُلو رہتا ہوں۔ بس چلو۔ دیکھوں وہ تمہاری دوست کس رفتار دماغ چاٹ سکتی ہے۔"

"ٹھہرو.... میں فون کر کے معلوم کرلوں کہ وہ جاگ رہی ہے یا سوگئی۔" کہکشاں نے کہا اٹھ کر چلی گئی۔

حمید کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے پائپ پیتا رہا۔

تین یا چار منٹ بعد کہکشاں واپس آگئی۔ وہ آرلکچنو سے باہر آئے۔

"اوہ.... کیا اپنی گاڑی نہیں لائے۔" کہکشاں نے مایوسی سے پوچھا۔

"نہیں میں ٹیکسی میں آیا تھا۔"

"خیر تو پھر ٹیکسی ہی میں چلیں گے۔ ویسے تمہاری گاڑی ہوتی تو اچھا رہتا۔ کیونکہ میں نے صوفیہ سے بتایا تھا کہ تمہاری گاڑی بہت شاندار ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اس نے ایک ٹیکسی کی اور کہکشاں نے ڈرائیور سے کہا۔ "ولماٹ ہاؤز۔"

"ولماٹ.... ہاؤز....!" حمید آہستہ سے بولا۔ "وہاں تو شائد کوئی غیر ملکی تاجر رہتا ہے۔"

"ہاں.... صوفیہ.... ایک فرنچ لڑکی ہے۔"

"اوہ....!" حمید خاموش ہوگیا۔

ٹیکسی نے جلد ہی ولماٹ پہنچا دیا۔ یہ ایک بہت شاندار عمارت تھی۔ کہکشاں نے ٹیکسی پھاٹک ہی پر رکوا دی تھی۔ حمید نے ڈرائیور کو پیسے دیئے۔

پھر وہ ایک طویل روش سے گذر کر عمارت میں آئے۔ برآمدہ ٹیوب لائٹ سے روشن تھا، ایک باوردی ملازم انہیں دیکھ کر نہایت ادب سے آگے بڑھا۔ کہکشاں نے اُسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "مدموزیل صوفیہ۔"

نوکر کارڈ لے کر اندر چلا گیا۔ پھر دو تین منٹ بعد واپس آکر اس نے ان سے اندر چلنے کی درخواست کی۔ حمید اس عمارت میں پہلی بار داخل ہوا تھا۔ نوکر نے انہیں اندر لا کر ایک اعلیٰ قسم کی سجاوٹ والے کمرے میں بٹھایا اور خود واپس چلا گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں حمید اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"یہ کیا....!" وہ کہکشاں کو گھورتا ہوا بولا۔ "شائد اس نے دروازہ باہر سے بولٹ کر دیا ہے۔"

"کیوں.... نہیں بھئی.... اس کا کیا مطلب۔ نہیں تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"تم خود دیکھ لو۔" حمید لاپروائی سے بولا۔ کہکشاں اٹھی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن وہ حقیقتاً باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

"کیوں؟ کیا مطلب ہے اس کا۔" حمید غرایا۔

"میں کیا بتاؤں.... ٹھہرو.... دیکھو.... شائد صوفیہ نے مذاق کیا ہے۔"

"دیکھو.... ضرور دیکھو۔ لیکن میرے مذاق کا انجام ہمیشہ موت پر ہوتا ہے۔"

"ارے بس۔ ذرا سے میں دم نکلنے لگا۔ یہ مذاق ہی ہے۔ ابھی سننا صوفیہ کا قہقہہ۔"

ٹھیک اسی وقت باہر سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "کوکشاں.... کوکشاں۔"

"صوفیہ....!" کہکشاں اندر سے چیخی۔

"کیا وہ.... ہے تمہارے ساتھ۔"

"ہاں.... اور تم پر خفا ہو رہا ہے کیونکہ اس قسم کے مذاق کا عادی نہیں ہے۔"

"اسے جلدی معلوم ہو جائے گا کہ عادی ہونے میں کتنا فائدہ ہوتا ہے۔ مجھے افسوس ہے ک
میں نے تمہیں دھوکا دے کر اُسے بلوایا۔ یہ دراصل ہم لوگوں کا ایک بہت بڑا دشمن ہے۔ اس لئے
اب اس کے زندہ رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔"

"ارے کیوں۔ ایسا بے تکا مذاق کرتی ہو۔" کہکشاں خوفزدہ انداز میں ہنسی۔

"میں مذاق نہیں کرتی۔ تمہیں ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لیکن سنو! اس کام
معاوضہ میں تمہیں یہی دے سکتی ہوں کہ تمہارا کام تمام نہ کیا جائے۔"

"اوہو! تو یہ کسی ڈرامے کا ریہرسل ہے۔" کہکشاں پھر ہنسنے لگی۔ لیکن اس بار جواب
اُسے صرف قدموں کی دور ہوتی ہوئی آوازیں سنائی دیں۔

"میرے خدا تو کیا وہ سچ کہہ رہی ہے۔"

"آخر کیوں! تم نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔" حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ "مگر اتنا یاد رکھو کہ یہاں خون کی ندیاں
جائیں گی۔"

"دیکھو....!" وہ گلوگیر آواز میں بولی۔ "ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مذاق ہی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر میز پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر پڑی اور اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ مگر وہ ٹیلی
کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کہکشاں نے اسے للکارا۔ "خبردار اگر تم نے فون میں ہاتھ لگایا تو
مار دوں گی۔"

"ہائیں۔" حمید بوکھلا کر مڑا اور اُسے کہکشاں کے ہاتھ میں اپنا ہی ریوالور نظر آیا۔ شائد
نے اس کی بے خبری میں کسی وقت اس کی جیب سے نکال لیا تھا۔

"تم فون نہیں کر سکتے۔" کہکشاں پہلے سے بہت مختلف نظر آنے لگی تھی۔ اب اس
چہرے پر معصومیت کی بجائے کسی کٹکھنی کتیا کا سا انداز پایا جاتا تھا۔ اس نے پھر کہا۔ "تم
فریدی کو فون نہیں کر سکتے۔ ان گدھوں کو میں کیا کہوں کہ اس کمرے میں چھوڑ گئے جہاں
فون موجود ہے۔"

"اوہ.... دیکھو.... سنو....!" حمید اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس کی طرف بڑ

لگا۔ "میں نے.... تمہارا.... کیا بگاڑا ہے.... تم میری گہری دوست تھیں نا....!"

کہکشاں پیچھے ہٹتی رہی اور پھر حمید نے یک بیک اس پر چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے میں
ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا اور کہکشاں فرش پر پڑی اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"اب تم بتاؤ.... اگر حلق سے ہلکی سی آواز بھی نکلی تو اپنا کام تمام سمجھنا۔"

اس نے ریوالور کا رخ اس کی طرف کئے ہوئے فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ یہ اُس کی خوش
قسمتی ہی تھی کہ فریدی گھر پر موجود تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے بتایا کہ وہ ولماٹ ہاؤز میں
پھنس گیا ہے اور پھر وہ اس داستان کو دہرا ہی رہا تھا کہ اس کے سر پر پشت سے کسی نے کوئی وزنی
چیز رسید کر دی۔ گرتے گرتے حمید نے فائر کر دیا لیکن بے سود۔ گولی کسی کے بھی نہ لگ سکی۔ وہ
بیہوش ہو گیا تھا۔

جب ہوش میں آیا تو اُسے محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اُڑا جا رہا ہو۔ لیکن پھر جلد ہی یہ بات
اس کی سمجھ میں آگئی کہ وہ کسی تیز رفتار بند گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔

یہ سفر بھی جلد ہی ختم ہو گیا۔ گاڑی کسی جگہ رک گئی تھی۔ حمید کے ہاتھ پیر آزاد تھے۔ دفعتاً
روشنی کا ایک بڑا دھبہ گاڑی کے اندر رینگ آیا۔ شائد دروازہ کھولا گیا تھا۔ پھر کسی نے اُسے اترنے
کو کہا۔ حمید چپ چاپ اٹھا اور گاڑی سے باہر آگیا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ گاڑی
ایک بہت وسیع کمرے میں کھڑی ہے۔ یہ ایک بڑی سی سیاہ رنگ کی وین تھی۔ اُس کمرے میں وین
کے ڈرائیور سمیت چھ نفوس تھے۔ ان میں سے دو کو حمید بہت اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ایک تو
کہکشاں تھی اور دوسرا وہ سفیر جسے شائد اس فساد کی جڑ ہی کہنا مناسب ہوگا۔ وہ حمید کی طرف دیکھ
کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"ہلو مائی ڈیئر کیپٹن حمید....!" کہکشاں مسکرائی۔ "تم لوگ بہت چالاک ہو۔"

"ہاں! محترمہ ہم لوگ کافی چالاک ہیں۔" حمید بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"ابھی وہ حضرت بھی اسی طرح لائے جا رہے ہوں گے۔ جو تم سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔"

"کرنل فریدی۔" حمید نے سوال کیا۔

"ہاں کرنل فریدی۔ مگر نہ کہنا کیپٹن یہ چال کتنی شاندار تھی۔ دنیا میں کون ایسا گدھا ہے جو
اپنے شکار کو ایسے کمرے میں بند کر دے جہاں فون موجود ہو۔ فریدی نے فون پر تمہاری چیخ اور فائر
کی آواز بھی سنی ہو گی۔ کیا یہ سب کچھ اُسے ولماٹ ہاؤز پر چڑھ دوڑنے پر مجبور نہیں کر دے گا اور
ولماٹ ہاؤز جواب بالکل ویران ہے کیا اس کے لئے چوہے دان نہیں بن جائے گا۔"

"میرے خدا۔" حمید اپنی پیشانی رگڑ کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"اور پھر...!" کہکشاں مزے لے لے کر بولی۔ "تم دونوں موت کے گھاٹ اتار دیئے جاؤ گے"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سفیر کی طرف دیکھنے لگا تھا جس کے ہونٹوں پر اب بھی وہی طنزیہ مسکراہٹ موجود تھی۔

"یور ایکسیلنسی آخر ہم تینوں کا قصور...!" حمید نے اُسے مخاطب کیا۔

"ہر معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھنا بہت بُرا ہوتا ہے۔" سفیر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ بھی ڈاکٹر ڈریڈ کے تیروں کا شکار بننا چاہتے ہیں۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" سفیر نے حیرت سے کہا۔ "تم جانتے ہو۔"

"عظیم فریدی کیا نہیں جانتا۔"

کچھ دیر کے لئے سکوت طاری ہو گیا۔

پھر حمید نے کہا۔ "یہ عورت مجھ سے شادی کرنے والی تھی، لہٰذا اس کی بیوگی کا خیال تو رکھنا ہی چاہئے۔ اگر یہ شادی سے پہلے ہی بیوہ ہو گئی تو مجھے بڑا افسوس ہو گا۔"

"بکواس مت کرو۔ تم اپنی دانست میں مجھے بیوقوف بنا رہے تھے۔"

"بیوقوف تو تم اب بھی بن رہی ہو۔ کہکشاں ڈارلنگ۔ خیر تم نہیں سمجھ سکو گی۔ لیکن اتنا یا کہ اگر تم لوگوں نے فریدی کو قتل کرنے سے پہلے مجھے قتل کر دیا تو بڑے خسارے میں رہو گے۔"

"کیوں....؟" سفیر نے سوال کیا۔

"فریدی نے ابھی تک تم لوگوں کے متعلق اپنی رپورٹ پیش نہیں کی لیکن وہ جانتا ہے ہے اس نے سارے کاغذات مکمل کر لئے ہیں اور یہ صرف میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے کا کہاں رکھتا ہے۔"

"پھر تم کیا چاہتے ہو۔" سفیر نے بے چینی کے ساتھ پوچھا۔

"یہی کہ فریدی کے قتل سے پہلے مجھے نہ قتل کرنا۔ ورنہ وہ کاغذات بہر حال محکمے کے ہا جائیں گے۔ تم اُسے مار بھی ڈالو گے، تب بھی وہ ان کاغذات کا پتہ تمہیں نہ بتائے گا۔ وہ ایسا آدمی ہے۔ کاغذات تمہیں صرف مجھ سے مل سکیں گے۔ ورنہ پھر وہ محکمے کے ہاتھ لگیں گے۔"

ٹھیک اسی وقت ایک اور وین کمرے میں گھستی چلی گئی۔ یہ بھی سیاہ رنگ کی تھی اور بھی اسی وین کی سی تھی جس پر حمید لایا گیا تھا۔

"لے آئے....!" کہکشاں پُر مسرت لہجے میں چیخی۔

"لے آئے۔" ڈرائیور کی سیٹ سے آواز آئی۔

"شاباش.... اتارو اُسے۔"

وین کا دروازہ کھولا گیا اور دو آدمی ایک ایسے آدمی کو اٹھائے ہوئے باہر آئے جس کے ہاتھ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور اُس کے سر پر سیاہ رنگ کا اتنا بڑا غلاف منڈھا ہوا تھا کہ چہرہ چھپ گیا تھا۔

کہکشاں نے آگے بڑھ کر اس کے سر سے غلاف کھینچ لیا لیکن ساتھ ہی اس کے حلق سے عجیب قسم کی آواز بھی نکلی اور وہ کسی غضب ناک بلی کی طرح غرائی۔ "کیا تم لوگ گھاس کھا گئے ہو۔ یہ تو اپنا ہی آدمی ہے۔"

وہ دونوں بوکھلا کر اس کی طرف دوڑے لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اس طرح ڈھیلے پڑ گئے جیسے یک بیک غباروں سے ہوا نکل گئی ہو۔

حمید نے قہقہہ لگایا اور پھر کہا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ تم اَب بھی بیوقوف بن رہی ہو۔"

"اچھا تو تم جاؤ۔" کہکشاں نے اپنے بلاؤز کے گریبان سے اعشاریہ دو پانچ کا پستول نکالتے ہوئے کہا۔

"ٹھائیں۔" ایک فائر ہوا لیکن حمید اُسی طرح کھڑا رہا جیسے پہلے کھڑا تھا البتہ کہکشاں کا پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس طرح داہنا ہاتھ دبائے ہوئے تھی جیسے اس کے کلائی کے نکل بھاگنے کا خدشہ ہو۔

"ایسا بھی کیا مس تارا نائیڈو۔" کمرے کی خاموش فضا میں فریدی کی آواز گونجی جو بعد میں آنے والی وین سے نکل رہا تھا۔ "یہ اتنا بودا بھی نہیں ہے کہ کسی عورت کے ہاتھوں مر سکے۔ ویسے یہ خود بُری طرح مرتا ہے عورتوں پر۔"

تارا نائیڈو کا نام سن کر حمید کی آنکھیں پھیل گئیں۔

فریدی آٹھ آدمیوں میں تنہا کھڑا تھا، لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کی طرف قدم بھی بڑھا سکتا کیونکہ اس کے دونوں ہاتھوں میں ریوالور تھے اور بارہ راؤنڈ میں سے صرف ایک راؤنڈ چلایا گیا تھا۔ گیارہ راؤنڈ ابھی باقی تھے۔

"میں ذرا ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں پڑ گیا تھا یور ایکسیلنسی۔" فریدی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "ورنہ یہ کھیل بہت پہلے ختم ہو جاتا۔ سرخ گلاب بہت عرصے سے میری نظروں میں تھے او، عو ت تارا نائیڈو بھی۔ یہ بیچاری اپنے متعلق بہتیری غلط فہمیوں میں مبتلا

ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ خود کو بہت چالاک اور دور اندیش سمجھتی ہے۔ اسی ل
اس نے کیپٹن حمید پر ڈورے ڈالے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتی تھی کہ اس حرکت سے خو
خسارے میں رہے گی۔ اس نے صرف یہ سن رکھا تھا کہ کیپٹن حمید عورتوں کا کیڑا ہے لیکن
نہیں جانتی تھی کہ اس سے کسی قسم کی معلومات حاصل کر لینا آسان کام نہیں ہے۔ کیا اب
سرخ گلابوں کی کہانی بھی شروع کر دوں۔ مگر نہیں اس سے پہلے میں معلوم کرنا چاہوں گا کہ ڈا
ڈریڈ کو تم لوگوں سے کیا سروکار۔"

کسی نے جواب نہ دیا۔ آخر فریدی نے کہا۔ "اگر ڈاکٹر ڈریڈ خود ہی تم سے آٹکرایا ہے تو اس
وجہ بھی بڑی شاندار ہوگی۔ کیوں کیا ارادہ ہے۔ اس کے متعلق کچھ بتاؤ گے۔"

"تم خواہ مخواہ چند صلح پسند شہریوں پر تشدد کر رہے ہو۔" کہکشاں یا تارا نائیڈو نے کہا۔

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر سفیر سے بولا۔ "یور ایکسیلنسی آپ کی پوزیشن
خراب ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ آپ کی حیثیت سے واقف ہو جانے کے بعد میں آپکے ہتھکڑیاں
لگا سکتا لیکن فرض کیجئے اگر میں یہ کہہ دوں کہ میں آپ کو پہچانتا ہی نہیں ہوں تو آپ
چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح کٹہرے کے پیچھے ہوں گے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔"

"یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر ڈریڈ کا ان واقعات یا سفارت خانے سے کیا تعلق ہے۔

"اس کا تعلق نہ ان معاملات سے ہے اور نہ سفارت خانہ سے۔ فنچ کا اور اس کا کوئی ذاتی
ہے جس کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"کیا یہ فنچ سفارت خانہ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔"

"نہیں....!"

"وہ کہاں ملے گا۔"

"ہمیں اس کا پتہ معلوم نہیں۔ وہ ایک بُرا آدمی ہے۔ سفارت خانے کے عملہ کا اخلا
کرتا ہے۔ ان کے لئے کرائے کی لڑکیاں مہیا کرتا ہے۔"

"اور وہ لڑکیاں اس عورت کے توسط سے آتی ہیں۔" فریدی نے تارا نائیڈو کی طرف اشارہ

"ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔ میرے سیکریٹری کی اسٹینو ہے۔"

"پھر آخر ہم لوگ یہاں کیوں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

لیکن اس کا جواب کسی سے بھی نہ بن پڑا۔

"حمید....!" فریدی بولا۔ "ہز ایکسیلنسی کے علاوہ اور سب کے ہاتھ ان کی ٹائیوں سے
باندھ دو اور تارا نائیڈو کے لئے اپنی ٹائی استعمال کرو۔"

دفعتاً فریدی کے ریوالور سے شعلہ نکلا اور ایک آدمی چیخ مار کر ڈھیر ہو گیا۔ اس کا ہاتھ جیب
کی طرف جا رہا تھا۔

"میں سب کو یہیں ختم کر دوں گا، ورنہ خاموشی سے اپنے ہاتھ بندھوالو۔ تمہارے جرائم کے
لئے اتنے ثبوت میں نے مہیا کر لئے ہیں کہ دنیا کی کوئی عدالت تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تین خون
تمہاری گردنوں پر ہیں۔"

"کشت و خون سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔" سفیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ سب کچھ
محض فنچ کی ذات سے ہوتا رہا ہے اور فنچ سے سفارت خانے کا کوئی تعلق کبھی نہیں رہا۔ وہ ایک
سیلانی آدمی ہے اور اوباش بھی۔"

"مگر سرخ گلاب والی لڑکیاں وہ ہی سفارت خانے تک پہنچایا کرتا ہے۔"

"ہاں.... آں.... وہ لڑکیوں کا کاروباری ہے۔"

"یور ایکسیلنسی.... پلیز.... اب میں جھوٹ برداشت نہیں کروں گا لہٰذا محتاط رہئے ورنہ
ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات ہو جائے جو آپ کی شان کے خلاف ہو۔ بہر حال میں آپ لوگوں پر
چارج لگائے بغیر یہاں سے نہیں لے جاؤں گا۔ میں آپ کے سفارت خانے پر الزام لگاتا ہوں کہ
وہ ہماری حکومت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ اس کام کے لئے تارا نائیڈو ایسی
لڑکیوں کو تربیت دیتی تھی، جو خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہوں۔ پھر وہ انہیں ایک ایک کر کے فنچ کے
توسط سے آپ تک پہنچاتی تھی اور سفارت خانہ سے انہیں اس کام کی نوعیت معلوم ہوتی تھی جس
کے لئے وہ تارا سے ٹریننگ لے کر آتی تھیں اور پھر یہ لڑکیاں حکومت کے سربر آوردہ لوگوں پر
ڈورے ڈال کر انہیں اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش کرتی تھیں تاکہ اُن سے حکومت کے راز
معلوم کر سکیں۔ اس طرح آپ کے سفارت خانہ سے ہمارے ملک کو زبردست نقصانات پہنچے
ہیں۔ اس رات جب میں اتفاق سے سفارت خانہ کی طرف جا نکلا تھا ایک لڑکی شیلا وہاں آنے والی
تھی، جسے فنچ پہچانتا نہیں تھا تو یہ بیچاری یہاں بھی دھوکا کھا گئی۔ نہ یہ ایسا طریقہ رکھتی اور نہ میں اس
راز سے واقف ہو سکتا اور نہ لیڈی انسپکٹر ریکھا شیلا کی جگہ لے سکتی۔ ویسے تارا نائیڈو کے لئے کام
کرنے والے بڑے ہوشیار معلوم ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ سفارت
خانے کے پھاٹک پر رات کو ڈیوٹی میں آنے والا سنتری شیلا کا پڑوسی ہے اسی لئے انہوں نے اُسے

ڈیوٹی پر پہنچنے ہی نہیں دیا تھا کیا آپ ان الزامات سے انکار کر سکتے ہیں۔"

کوئی کچھ نہ بولا۔ تارا نائیڈو کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔

"میں تم لوگوں پر الزام لگاتا ہوں کہ تم شیلا اور اُس کی بڑی بہن کے قاتل ہو۔ میں تم پر اس آدمی کے قتل کا بھی الزام لگاتا ہوں جس کی لاش دو دن پہلے ارجن پورے کے ایک پبلک پیشاب خانے میں ملی تھی۔ میں تم پر الزام لگاتا ہوں کہ تم فنچ نامی ایک بہت بڑے مجرم کو قانون کی دسترس سے بچانا چاہتے ہو۔ یہ بجائے خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ فنچ کہاں رہتا ہے۔" تارا بولی۔

"خیر دیکھا جائے گا۔ حمید.... کیا تم اپنا کام کر چکے۔"

"جی ہاں.... مگر تارا نائیڈو۔"

"اس کے لئے تمہیں اپنی ٹائی کھولنی پڑے گی۔"

دوسری صبح حمید گھر پر فریدی کا انتظار کر رہا تھا۔ پچھلی رات ان کی آخری ملاقات کوتوالی میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد سے اب تک فریدی غائب تھا۔ حمید کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ مجرموں کا کیا حشر ہوا۔ وہ تو یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب تھا کہ فریدی وہاں تک کیونکر پہنچا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر فریدی کو ایک سیکنڈ کی بھی دیر ہو جاتی تو حمید دوسری دنیا میں ہوتا کیونکہ تارا نے کچھ اس طرح یک بیک پستول نکال لیا تھا کہ حمید کو سنبھلنے تک کا موقع نہ مل سکا تھا ساتھ ہی اگر فریدی کا نشانہ خطا کر جاتا تب بھی نتیجہ وہی برآمد ہوتا جس کے لئے کم از کم حمید جوان العمری میں تو تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

دن ڈھلے فریدی گھر واپس آیا اور حمید کچھ اس طرح اپنے سوالات سمیت اس پر ٹوٹ پڑا کہ فریدی سچ مچ بوکھلا گیا۔ لیکن اب اس اسٹیج پر حمید سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔

"ارے بھئی۔" فریدی نے کہا۔ "وہاں اس طرح جا پہنچنا معجزات میں سے نہیں تھا۔ جب مجھے پہلے ہی سے اس کا علم تھا کہ تارا ہی کہکشاں ہے تو پھر میں کس طرح مطمئن ہو سکتا۔ ویسے میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ عقل کی پتلی کرنا کیا چاہتی ہے چونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی ان مصروفیات میں صرف میں ہی حارج ہو سکتا ہوں لہٰذا اس نے ہم سے قریب آنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اسے اس سلسلے میں مایوسی ہوئی۔ اگر تم اس سے بحیثیت کیپٹن حمید ملے ہوتے تب تو یقینی طور پر کسی نہ کسی طرح تمہارے پیٹ میں اتر جاتی۔ مگر دشواری یہ آ پڑی تھی کہ تم نے خود کو نیم دیوانہ پوز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بہرحال مجھے اطلاع ملی کہ وہ تمہیں ولمات ہاؤز لے گئی۔

میں بھی اسی طرف آنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ تمہارا فون ملا جس میں تمہاری چیخ سنی۔ پھر فائر کی آواز سنی میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے لئے جال بچھایا جا رہا ہے پھر کچھ دیر بعد اطلاع ملی کہ تم اردن لاج پہنچا دیئے گئے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ولمات ہاؤز اس وقت بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔ جس وقت میں ولمات پہنچا تارا کے آدمی پائیں باغ میں اِدھر اُدھر چھپتے پھر رہے تھے۔ میری موجودگی میں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک کو زخمی کر کے باندھ لیا۔ پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ ان گدھوں نے اس بیچارے کو بولنے کا بھی موقع نہ دیا اور میرے دھوکے میں باندھ لے گئے۔ ایک بڑی سی سیاہ وین وہاں موجود تھی جس میں اس بیچارے کو ٹھونس دیا گیا۔ ایک بار پھر وہ دونوں شائد کسی کام سے عمارت کے اندر چلے گئے اور مجھے موقع مل گیا کہ میں بھی اسی وین میں بیٹھ جاؤں۔ وین کے اندر ایک گوشے میں تین چار چھولداریاں تہہ کی ہوئی رکھی تھیں۔ میں انکے پیچھے چھپ گیا۔ بس اس طرح وہاں تک میری رسائی ہوئی۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "اور ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"فی الحال اُسے جہنم میں جھونکو... جب اس کیلئے کام شروع کر دوں گا تب اسکی گفتگو کرنا۔"

"فنچ بھی نکل ہی گیا۔"

"ہاں.... یہ فنچ البتہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔

جاسوسی دنیا نمبر 61

پانی کا دھواں

(دوسرا حصہ)

وہ لڑکی

حمید کا بکرا اگر آدمی ہوتا تو وہ یا تو اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا نقاد ہو جاتا اور اُردو غزل کے متعلق یہی خیال ظاہر کرتا کہ "اس" نیم وحشی صنفِ سخن کی گردن بے تکان مار دینی چاہئے کیونکہ حمید اس وقت بھی اُسے ایک غزل ہی سنا رہا تھا۔

مگر بکرے نہ تو خودکشی کرتے ہیں اور نہ تنقید۔ ویسے وہ اگر آدمی ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ غزل کی گردن مارنے کی بجائے حمید ہی کی گردن اڑا دیتا۔

حمید نے دوسری غزل شروع کی اور بکرے نے ہری ہری دوب پر منہ مارنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور غزل مکمل نہ ہو سکی۔ کیونکہ حمید نے اب نثر شروع کر دی۔ "ابے فلٹ ہیٹ پہن کر گھاس کھاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ چینیوں نے اتنی ترقی کی۔ جاپانی اتنے بڑھ گئے۔ مگر تو ہمیشہ بکرا ہی رہے گا۔"

تھوڑے ہی فاصلے پر فریدی بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ سردیوں کی ایک صبح تھی اور ابھی نو بجے تھے۔ لان پر بکھری ہوئی دھوپ بڑی خوش گوار معلوم ہو رہی تھی۔

حمید کا خیال تھا کہ اگر اخبارات بھی اتنے انہماک کے ساتھ دیکھے جانے لگیں تو دنیا کی کم از کم آدھی آبادی پاگل ہو سکتی ہے۔ اس لئے پہلے تو وہ کچھ دیر تک بکرے کو غزلیں سناتا رہا پھر اخلاقیات پر لیکچر شروع کر دیا۔

فریدی نے ایک بار سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک طویل سانس لی اور اخبار ٹی پائی پر رکھ کر سگار سلگانے لگا۔

حمید بکرے سے کہہ رہا تھا۔ "بکریوں کے پیچھے مارے مارے پھرنا اخلاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔ آئندہ اگر میں نے تجھے کسی بکری کو آنکھ مارتے دیکھا تو تیری کھال کھینچ کر کسی یتیم خانے کو بھجوا دوں گا۔"

"گدھوں کی نصیحت سے بکرے اثر نہیں لیتے۔" فریدی بولا۔

"اسی لئے میں نے آج تک کوئی گدھا نہیں پالا۔" حمید نے جواب دیا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور اگلی سیٹ پر نظر پڑتے ہ حمید نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیں اور زبان نکال کر فریدی کی طرف مڑ گیا۔

کار سے اترنے والی ایک نوخیز لڑکی تھی، جس کی عمر زیادہ سے زیادہ سولہ سال رہی ہو گی۔

"کیا بیہودگی ہے۔" فریدی آہستہ سے غرایا اور حمید نے زبان اندر کر لی۔ ویسے اس کے ہا اب بھی آنکھوں ہی پر تھے۔

لڑکی کار کے قریب کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک بار اس نے ان کی طرف بڑھنا چاہا۔ رک گئی اور وہیں سے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں کرنل فریدی سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"کیپٹن حمید سے ملنے کوئی نہیں آتا۔" حمید آہستہ سے بولا۔ "خدا کرے دنیا کی سا لڑکیاں پاگل ہو جائیں۔"

"ہاتھ نیچے گراؤ۔" فریدی نے دانت پیس کر کہا پھر لڑکی سے بولا۔ "ادھر تشریف لائیے" لڑکی کچھ بوکھلائی ہوئی آگے بڑھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے لان چیئر کی طرف اشارہ کیا۔

"مم.... میں.... فریدی صاحب سے ملنا چاہتی ہوں۔" لڑکی ہکلائی۔

پھر اس نے کنکھیوں سے اس بکرے کی طرف دیکھا جس کے سر پر فلٹ ہیٹ اس ط جمائی گئی تھی کہ سینگیں باہر نکل آئی تھیں۔ گلے میں ٹائی لٹک رہی تھی اور پچھلی ٹانگوں پر کمر سرخ بلیرز کا پاجامہ تھا۔

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"کرنل صاحب سے ملا دیجئے۔"

"آپ فریدی ہی سے ہم کلام ہیں۔"

حمید بکرے کا کان پکڑ کر اُسے پورچ کی طرف لے جا رہا تھا۔

"اوہو....!" لڑکی چونک سی پڑی۔ "معاف.... کک.... کیجئے گا۔"

"کوئی بات نہیں.... ہاں.... آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہم.... ایک بڑی مصیبت.... میں پھنس گئے ہیں جناب۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی نظر لڑکی کے سر پر تھی اور لڑکی سر جھکائے سینڈل کی نوک سے زمین پر پڑی ہوئی دیا سلائی کی ڈبیہ کو ادھر ادھر کر رہی تھی۔

"آپ سر فیاض سے واقف ہوں گے۔"

"سر فیاض۔ جی ہاں.... میں انہیں جانتا ہوں۔"

"وہ میرے دادا ہیں۔" لڑکی بولی۔

"اوہ.... اچھا....!" فریدی نے اس انداز میں کہا جیسے وہ ابھی کچھ اور بھی سننا چاہتا ہو۔

"دراصل میں انہیں کے لئے آئی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قصے کو کہاں سے شروع کروں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں اور آپ کی مدد کے بغیر حالات درست نہیں ہو سکتے۔"

"میں حالات ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھئے میں بتاتی ہوں۔ پچھلی شام ہم لوگ اپنی ذاتی لانچ میں فن آئی لینڈ گئے تھے۔ ہمارے ساتھ دادا جان بھی تھے۔ جب ہم فن آئی لینڈ کے ساحل پر پہنچے تو ہماری لانچ ایک سفید رنگ کی ڑی کشتی کے قریب رکی۔"

"سفید کشتی۔" فریدی یک بیک چونک پڑا۔

"جی ہاں.... اور دفعتاً دادا جان بُری طرح کانپنے لگے۔ اُنکے منہ سے عجیب طرح کی آواز نکل ہی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی خوفزدہ بچہ کچھ کہنا چاہے لیکن زبان ساتھ نہ دے۔"

"ہوں.... اُوں.... میں سن رہا ہوں۔ آپ کہتی رہیے۔"

"پھر وہ بیہوش ہو گئے اور ہمیں واپس آنا پڑا۔ میرا خیال ہے کہ اس سفید کشتی پر کسی کو دیکھ کر

ان کی یہ حالت ہوئی تھی۔ اب میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ محض میرا شبہ تھا یا حقیقت۔ اس کشتی پر ایک لمبے چوڑے آدمی نے اس طرح اپنی فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکانے کی کوشش کی تھی جیسے وہ کسی شناسا کی نظروں سے بچنا چاہتا ہو۔"

"آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے.... پھر کیا ہوا....؟"

"ہم انہیں گھر لے آئے تقریباً تین گھنٹے بعد انہیں ہوش آ سکا لیکن اب تک ان کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہوئی۔"

"کیوں؟ ذہنی حالت ٹھیک نہ ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے۔"

"وہ رہ رہ کر چیخ اٹھتے ہیں۔ ارے بوند آئی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیسی بوند، تو اپنے سر پر انگلی رگڑ کر کہتے ہیں.... یہ رہی۔"

"اوہ....!" فریدی نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"اب سے تین ماہ پہلے کی بات ہے کہ ان کا دماغ اسی طرح الٹ گیا تھا اور یہی رٹا کرتے تھے ارے بوند آئی۔ پھر کافی دنوں تک علاج ہوتے رہنے پر حالت سدھر گئی تھی۔"

"اچھا پچھلا واقعہ کیا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ پانچ یا چھ دنوں کیلئے تار جام گئے تھے۔ وہاں سے اس حالت میں واپس آئے۔"

"یعنی واپسی ہی اس دماغی خلل کی حالت میں ہوئی تھی۔"

"جی ہاں....!"

فریدی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ "کیا وہ تار جام سے تنہا واپس آئے تھے۔"

"جی نہیں۔ ہمارے ایک کارخانے کا منیجر انہیں لایا تھا۔"

"تار جام میں وہ کہاں رہے تھے۔"

"کہیں بھی نہیں۔ جس دن وہ وہاں پہنچے اسی دن منیجر انہیں واپس لایا تھا۔"

"ابھی تو آپ نے پانچ یا چھ دن کہے تھے۔"

"جی ہاں۔ یہاں سے جانے کے چھٹویں دن ہی وہ واپس آئے تھے لیکن منیجر کے بیان مطابق وہ اسی دن وہاں پہنچے تھے اور ان کی ذہنی حالت درست نہیں تھی۔"

"اوہ... تو آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ پانچ دن انہوں نے کسی نامعلوم جگہ پر گذارے تھے"

"جی ہاں.... یہ بات آج تک نہ معلوم ہو سکی کہ وہ کہاں رہے تھے۔"

"کیا وہ تنہا گئے تھے۔"

"جی ہاں.... ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ڈرائیور بھی نہیں۔ کار انہوں نے خود ہی ڈرائیو کی تھی۔"

"انہوں نے کچھ نہیں بتایا کہ وہ پانچ دن کہاں گذارے تھے۔"

"جی نہیں۔ ذہنی حالت درست ہو جانے پر انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ وہ تار جام کے لئے گھر سے روانہ ہوئے تھے۔"

"اچھا وہ اس منیجر تک کس طرح پہنچے تھے۔"

"منیجر اس کے متعلق اتنا ہی بتا سکا تھا کہ وہ تار جام والے آفس میں یہی چیختے ہوئے گھسے تھے۔ "ارے بوند آئی۔" اور باہر ان کی کار موجود تھی۔"

"تو گویا یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ خود ہی کار ڈرائیو کرتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے یا کوئی دوسرا پہنچا گیا تھا۔"

"جی ہاں.... وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

فریدی کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی بار بار پورچ کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ جہاں حمید بکرے کے پاس کھڑا غالباً اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"اچھا....!" کچھ دیر بعد فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ "دماغی خلل کی حالت میں وہ اور کیا کہتے ہیں۔"

"ارے بوند کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ان سے لاکھ پوچھا جاتا ہے کہ کیسی بوند۔ لیکن وہ کچھ نہیں بتاتے؟"

"خیر میں دیکھوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔"

"کیا آپ ساتھ نہیں چل سکتے۔" لڑکی نے ملتجیانہ انداز میں کہا۔

"چل سکتا ہوں۔"

"اوہ.... بہت بہت شکریہ جناب۔"

تھوڑی ہی دیر بعد فریدی اور حمید اپنی کار میں سرفیاض کی قیام گاہ ارون لاج کی طرف جا رہے تھے۔ یہ شہر کی معدودے چند شاندار عمارتوں میں سے تھی اس کا مالک سرفیاض بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔

حمید نے پوچھا۔ "یہ لڑکی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے۔"

"اپنے گھر....!"

لڑکی کی کار آگے تھی۔ حمید نے پائپ کا ایک لمبا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے

"ہم وہاں کتنے دن قیام کریں گے۔"

"جتنے دن تم چاہو۔"

"اس کی بڑی بہنیں بھی ہوں گی۔"

"زبان بند رکھو۔ اگر تم نے اس بکرے کو جلد ہی گھر سے نہ ہٹایا تو میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"آپ پہلے اپنے کتوں کا انتظام کیجئے۔ میں بکرے کے معاملے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوا ہوں، لہٰذا مجھے توقع ہے کہ آپ اس مسئلے پر آئندہ بہت احتیاط سے گفتگو کریں گے۔"

"میں بہت احتیاط سے تمہیں چانٹا ماردوں گا۔"

"آپ کچھ بھی کیجئے بکرا وہیں رہے گا جہاں اب ہے ویسے میرا خیال ہے کہ آپ اس لڑکی کے تذکرے پر بکرے کے تذکرے کو ترجیح دیتے ہیں۔"

"حمید تمہیں کب عقل آئے گی۔ اس قسم کی گھٹیا حرکتیں سارا وقار خاک میں ملا دیتی ہیں۔"

"مجھے وقار سے قطعی دلچسپی نہیں ہے۔ میں معمولی آدمیوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں وقار کے جراثیم ٹی۔بی کے جراثیم سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔"

"اچھا بکواس بند کرو۔" فریدی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا اور حمید خاموش ہو گیا۔

وہ اگلی کار والی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لڑکی کافی دلکش تھی اور اس کی آواز میں بڑی جنسی کشش تھی۔

لیکن فریدی نے ابھی تک اس کے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ ویسے حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کسی اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔

اگلی کار اروِن لاج کے پھاٹک میں مڑ گئی۔

"ہائیں.... یہ تو اروِن لاج ہے۔" حمید یک بیک اچھل پڑا۔

"ہاں.... اور وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔"

"سر فیاض کی پوتی۔" حمید ہکا بکا رہ گیا۔ پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔ اتنے میں ان کی کار بھی اروِن لاج کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔

"کیوں.... تم ہنسے کیوں؟"

"کچھ نہیں...." حمید کی شرارت آمیز مسکراہٹ ابھی برقرار تھی۔

فریدی کچھ نہیں بولا۔ چپ چاپ کار سے اتر گیا۔

"آیئے.... اِدھر آیئے۔" لڑکی نے کہا، جو اپنی گاڑی سے اتر کر پورچ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

فریدی اور حمید آگے بڑھے۔

"بس چلے آیئے۔ یہ تکلفات کا موقع نہیں ہے۔ میں آپ کو سیدھے دادا جان کی خواب گاہ تک لے چلوں گی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ دیکھی۔

وہ عمارت میں داخل ہو رہے تھے، لڑکی آگے بڑھی۔ حمید اب بھی مسکرا رہا تھا، اور فریدی اسے بار بار کچھ اس انداز میں دیکھنے لگتا تھا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

لڑکی ایک جگہ رک گئی۔ وہ ایک کمرے کے سامنے تھے جس کے دروازے پر ایک کشادہ قامت اور صحت مند آدمی اس انداز میں کھڑا نظر آرہا تھا جیسے وہ انہیں آگے نہیں جانے دے گا۔

"یہ کرنل فریدی ہیں۔" لڑکی نے اس آدمی سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"یہ دادا جان سے ملیں گے۔"

اس کی پیشانی پر تین چار شکنیں ابھریں اور پھر غائب ہو گئیں۔ اس نے بڑے ادب سے فریدی سے پوچھا۔ "کیا سر فیاض آپ سے بخوبی واقف ہیں۔"

"نہیں ہم ایک دوسرے کے شناسا نہیں ہیں۔" فریدی نے جواب دیا۔

"تب تو میں معافی چاہتا ہوں جناب۔" اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔ "ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ انہیں اجنبیوں سے دور رکھا جائے۔"

دفعتاً اندر سے ایک روتی ہوئی سی آواز آئی۔ "بوند.... ارے بوند آئی۔"

فریدی لڑکی کی طرف مڑا اور لڑکی اس آدمی کو کھانے دوڑی۔ "ہٹ جاؤ سامنے سے ہم لوگ اندر جائیں گے۔ کرنل صاحب میری درخواست پر یہاں آئے ہیں۔"

"میں مجبور ہوں محترمہ۔" وہ دروازے پر جم گیا۔

"ارے بوند آئی.... مجھے ہٹاؤ.... ہٹاؤ یہاں سے۔" اندر سے پھر آواز آئی۔

"ہم اندر جائیں گے۔" لڑکی مٹھی باندھ کر ہاتھ جھٹکتی ہوئی بولی۔

"صرف آپ جا سکتی ہیں محترمہ۔"

فریدی بڑی توجہ سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"اچھا....!" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا اور کمرے میں گھستی چلی گئی۔ فریدی اور حمید

وہیں کھڑے رہے۔

دفعتاً حمید نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ "ہمارے وقت کی بربادی اس عمارت پر تباہی بھی لاسکتی ہے۔"

فریدی نے اُسے حیرت سے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ اس آدمی کی پیشانی پر پھر سلوٹیں ابھریں اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی مسکرایا "غالباً صاحب زادی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ شاید میں ان کے دادا جان کی علالت کے سلسلے میں کچھ کر سکوں۔"

"اوہ.... کیا آپ ڈاکٹر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں.... " فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا اور پھر اس کی طرف اپنا وزیٹنگ کارڈ بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ کا سر فیاض سے کیا تعلق ہے۔"

"میں ان کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں جناب۔" اس نے کارڈ پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "مگر جناب مجھے حیرت ہے کہ محترمہ شکیلہ نے آپ کو کیوں تکلیف دی۔"

فریدی نے پھر حمید کے ہونٹوں پر وہی غصہ دلانے والی مسکراہٹ دیکھی۔

اتنے میں لڑکی بھی واپس آگئی، اس کے چہرے پر جھلاہٹ اور مایوسی کے ملے جلے آثار تھے۔

"انہیں نیند آگئی ہے۔" اس نے فریدی سے کہا۔

"ہم ہمیشہ جاگتے رہتے ہیں۔ پھر کبھی آیئے گا۔" فریدی بولا۔

"میں کیا بتاؤں۔ مجھے یقین ہے۔" لڑکی نے کچھ اور بھی کہنا چاہا لیکن فریدی واپس جانے کے لئے مڑ چکا تھا۔

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ حمید دونوں کے پیچھے تھا۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "مجھے یقین ہے کہ دادا جان کی علالت قدرتی نہیں ہے۔ وہ کسی چکر میں پھنس گئے ہیں۔"

"کس چکر میں۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

"اگر مجھے یہی معلوم ہوتا تو آپ کو اس طرح کیوں تکلیف دیتی۔"

دفعتاً حمید بولا۔ "کیا آپ کو وہ بھکارن یاد ہے محترمہ شکیلہ جو ایک رات اپنے ساتھ ایک نوجوان خوانچہ فروش کو ہارون الرشید کے محل میں لے گئی تھی اور دوسری صبح وہ خوانچہ والا شہر میں اپنے لئے ایک دوکان تلاش کرتا پھر رہا تھا۔"

لڑکی چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے حمید کو نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر مسکرا کر بولی۔ "آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

فریدی بھی رک گیا۔ وہ حمید کو گھورتا رہا تھا۔

"مگر شکیلہ صاحبہ!" حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ "نہ ہم خوانچہ فروش ہیں اور نہ ہمیں کسی ہارون الرشید کا دربار متحیر کر سکتا ہے۔ آپ نے ہمارا بہت قیمتی وقت برباد کرایا ہے۔ اُسے ہمیشہ یاد رکھئے گا۔"

بندر کا تعاقب

لڑکی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

فریدی اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"دو.... دیکھئے.... آپ غلط سمجھے۔" لڑکی ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں سنجیدہ ہوں۔"

"سنجیدگی ہی کسی مذاق میں جان ڈالتی ہے۔" حمید کے لہجے کی خشکی بدستور برقرار تھی۔

"یہ مذاق نہیں تھا۔ آپ یقین کیجئے۔"

حمید فریدی کی طرف فاتحانہ انداز مین دیکھ کر مسکرایا۔ "لیکن فریدی نے اس سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ دونوں چلتے چلتے رک کیوں گئے ہیں۔"

"یہ مذاق نہیں تھا۔ میں بھی سمجھتا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "پھر.... اب آپ کیا چاہتی ہیں۔"

"میں معذرت کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "ہوسکتا ہے میں غلطی ہی پر ہوں۔"

"ضروری نہیں کہ آپ غلطی ہی پر ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں ہر وقت اس کیس پر ہمدردی سے غور کر سکتا ہوں۔"

"تو آپ اُسے کیس تسلیم کرتے ہیں۔" لڑکی جلدی سے بولی۔

"ممکن ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ہاں وہ سفید کشتی فن آئی لینڈ کے کس ساحل پر دیکھی تھی آپ نے۔"

حمید سفید کشتی کے تذکرے پر فریدی کو گھورنے لگا۔

"جی ہاں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے.... کیا وہ کسی بحری فوج سے متعلق تھی۔"

"میں نے اس پر اس قسم کا کوئی نشان نہیں دیکھا جسکی بناء پر اسے بحری فوج کی کشتی سمجھ سکتی۔"

"کیا وہ آپ کی لانچ سے بڑی تھی۔"

"جی ہاں.... وہ ہماری لانچ سے چار گناہ زیادہ بڑی رہی ہو گی۔"

"بادبانی کشتی؟"

"جی نہیں.... اس میں موٹر ہی تھا.... اوہ.... ہم یہاں کھڑے کیوں ہیں۔ اسٹڈی میں چلئے۔"

"نہیں.... شکریہ۔" فریدی نے کہا۔ "آپ کی لانچ اس وقت کہاں ہو گی۔"

"وہ ساحل ہی پر رہتی ہے۔ اس وقت بھی ہو گی۔ کرائے پر چلنے والی لانچ نہیں ہے۔"

"کیا آپ فن آئی لینڈ تک چل سکیں گی۔ میں وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔"

"میں ضرور چلوں گی۔"

"تو آیئے۔"

حمید متحیر تھا۔ اُسے علم تھا کہ فریدی عرصہ سے کسی سفید کشتی کی فکر میں ہے، لیکن یہاں اس کا تذکرہ کیا معنی رکھتا تھا۔ اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گھر پر اُن دونوں میں کس مسئلے پر گفتگو ہوئی تھی، کیونکہ وہ تو اپنے بکرے سمیت وہاں سے ٹل ہی گیا تھا۔

وہ عمارت سے باہر آئے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ "میری ہی گاڑی میں چلئے۔ میں آپ کو یہاں چھوڑ جاؤں گا۔"

حمید کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ لڑکی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حمید فریدی کے ساتھ ہی بیٹھا اور کار بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

"کیا سر فیاض کا سیکریٹری ان کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ....!" لڑکی نے جواب دیا۔

"یہ کتنے دنوں سے ان کی ملازمت میں ہے۔"

"تین سال سے۔ مگر آپکو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ انکے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہے۔"

"یہ میرا اندازہ ہے۔"

"کمال ہے۔" لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

"ارون لاج میں سر فیاض کے کتنے اعزہ رہتے ہیں۔"

"میں ہوں۔ میری ممی اور ڈیڈی۔ میری دو چھوٹی بہنیں۔"

"مگر مجھے حیرت ہے کہ سر فیاض کی تیمارداری صرف سیکریٹری کو کرنی پڑتی ہے۔"

"داداجان بیچارے بہت سیدھے آدمی ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مردود انہیں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"کیا مطلب۔"

"انداز کچھ ایسا ہی ہے۔" لڑکی طویل سانس لے کر بولی۔ "وہ ان پر چھایا ہوا ہے۔ آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہئے۔ وہ حقیقتاً اس سے خائف رہتے ہیں۔ خود انہوں نے گھر بھر کو تاکید کر رکھی ہے کہ مخدوم کے معاملات میں کوئی دخل نہ دے۔ مخدوم اس کا نام ہے۔"

"اوہو.... تب تو واقعی آپ کا خیال درست بھی ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آپ مجھے بہت ذہین معلوم ہوتی ہیں۔"

لڑکی کچھ نہ بولی اور حمید ہولے ہولے کراہنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

"انہیں سب وجوہات کی بناء پر میں نے آپ کو تکلیف دی تھی۔"

"کیا اس دن لانچ پر آپ لوگوں کے ساتھ سیکریٹری بھی تھا۔"

"جی ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"یہ تو آپ جانتی ہی ہوں گی کہ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"ہمیشہ ارون لاج ہی میں رہتا ہے۔ اس تین سال کے عرصے میں میں نے اُسے کبھی چھٹی لیتے بھی نہیں دیکھا۔ اس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔"

"آپ کے متعلق بھی تو کوئی کچھ نہیں جانتا۔" حمید بول پڑا۔

"دیکھئے آپ نہ جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ ان معاملات کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔"

"کن معاملات کا۔" فریدی نے پوچھا اور لڑکی ہنسنے لگی۔

"یہ معاملات آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔" حمید نے منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

فریدی نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ شائد وہ اس لڑکی کی موجودگی میں حمید سے نہیں الجھنا چاہتا تھا۔

کار بندرگاہ کے علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔

"مغربی گوشے کی طرف چلئے۔" لڑکی نے کہا۔ "ہماری لانچ اُدھر ہی رہتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ کشتی بان موجود ہی مل جائے۔"

"کوئی دوسرا لانچ لے لیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ وہ سفید کشتی اس وقت بھی ہمیں وہاں موجود مل جائے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... ضروری نہیں ہے۔ میں تو صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں وہ اس دن آئی تھی۔"

"ہاں.... یہ بھی اپنی یادداشت کی مدد سے بتا سکوں گی۔"

فن آئی لینڈ ساحل سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ یہ چھوٹا سا جزیرہ دراص ایک عمدہ تفریح گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ شہری لوگ یہاں آؤٹنگ کے لئے آتے تھے۔ اس رونق کیلئے کوئی دن مخصوص نہیں تھا۔ تقریباً روز ہی یہاں شہری مصروفیتوں سے اکتائے ہو لوگوں کے جم غفیر نظر آتے تھے۔

وہ تینوں ایک لانچ میں بیٹھ کر فن آئی لینڈ کے لئے روانہ ہوگئے۔

"آپ کس ایئر میں پڑھتی ہیں۔" فریدی لڑکی سے پوچھ رہا تھا۔

"سیکنڈ ایئر میں۔ دراصل مجھے پڑھنے سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

"پھر کیوں وقت برباد کر رہی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"وقت گزارنے کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ ابھی تک ہاتھ نہیں آیا۔"

"آپ مجھ سے ملی ہوتیں۔" حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔ "میں اب تک درجنوں کا پار کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب۔"

"اوہ.... کچھ نہیں.... بس سماجی خدمت.... ماحول سے اکتائی ہوئی لڑکیوں کو راہِ راس پر لگا دیتا ہوں۔"

"میں ماحول سے اکتائی نہیں ہوں۔"

"تب تو پھر ٹھیک ہے۔"

"آپ اکثر یہاں آتی رہتی ہوں گی۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"اس سے پہلے کبھی آپ کو وہاں وہ کشتی نظر آئی تھی۔"

"اس کے متعلق وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔ وہ تو اُس دن واقعہ ہی ایسا پیش آیا تھا کہ وہ کش

میرے ذہن میں محفوظ ہوگئی۔ ورنہ کتنی ہی کشتیاں نظروں سے گذرتی رہتی ہیں۔"

حمید کشتی کے تذکرے سے اکتا گیا تھا۔

"یہ مذاق کتنی دیر میں ختم ہوگا شکیلہ صاحبہ۔" اس نے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ یہ مذاق نہیں ہے۔"

"تم بہت دیر سے کسی مذاق کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔

"الف لیلیٰ کی داستان ہے۔" حمید نے کہا اور لڑکی ہنسنے لگی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "سردیوں کی ایک رات تھی۔ کوئنس روڈ پر ایک خوانچے والا مونگ پھلی بیچ رہا تھا کہ نوجوان بھکارن اس کے قریب آئی۔ بھکارن بڑی خوبصورت تھی۔ اس کے ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح نازک تھے اور آنکھوں سے ستارے جھانکتے تھے۔"

"فضول باتیں۔" لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر شرمیلے انداز میں کہا۔

حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکراتا ہوا بولا۔ "بھکارن خوف زدہ تھی۔ اس نے خوانچے والے سے کہا کہ وہ اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے کیونکہ اسے ایک آدمی کی طرف سے خطرہ ہے۔ خوانچے والے کی رال ٹپک پڑی۔"

"آپ پھر بے کار باتیں کرنے لگے۔" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"بہر حال وہ خوانچے والا اسے اس کے گھر تک پہنچانے پر آمادہ ہوگیا۔ مگر جب وہ عظیم الشان عمارت کے سامنے پہنچا تو اس کے قدم رکنے لگے۔ لڑکی نے اس سے کہا کہ اس کی اندھی ماں اسی کمپاؤنڈ میں ایک جھونپڑی میں رہتی ہے۔ مالک مکان ایک شریف آدمی ہے۔ جس نے رحم کھا کر رہنے کو جگہ دے دی ہے۔ خوانچے والے کو اطمینان نہ ہوا۔ اس کی جیب میں دن بھر کے کمائے ہوئے تین چار روپے تھے وہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ کسی بدمعاش کی کارندہ نہ ہو۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا۔ دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پڑے۔"

فریدی بہت زیادہ توجہ اور دلچسپی سے سن رہا تھا۔ اس نے ایک بار لڑکی پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید پائپ کے دو تین کش لے کر بولا۔ "تھوڑی ہی دیر بعد اس نے خود کو ایک بہت بڑے کمرے میں پایا جہاں قرون وسطیٰ کے کسی شہنشاہ کی سی محفل گرم تھی۔ ناچ ہو رہا تھا اور دورویہ چند لوگ بیٹھے سر دھن رہے تھے، جیسے ہی وہ وہاں پہنچا تخت پر بیٹھے ہوئے شہنشاہ نے ناچ رکوا دیا اور بولا۔ ارے یہ باختر کا شہزادہ کہاں سے آگیا۔ غرضیکہ اس بیچارے نے ایک الف لیلوی رات

گذار دی۔ بہترین قسم کے کھانے کھائے۔ عہد قدیم کا قیمتی لباس پہنا اور جب صبح ہونے کو آ
اُس نے اچھی طرح مرمت کرنے کے بعد اسے پانچ ہزار روپے دیئے گئے اور مونگ پھلیوں کا خو
ضبط کرلیا گیا۔ دو دن تک تو وہ تقریباً نیم دیوانہ سا رہا پھر جب اُسے یقین آ گیا کہ وہ پانچ ہزار اسی کے
ہیں تو اس نے اپنے نئے بزنس کی بنیاد ڈالی اور اب وہ شہر کے بڑے جنرل مرچنٹس میں سے ہے۔

لڑکی ہنستی رہی پھر بولی۔ "کسی زمانے میں ہماری تفریحات کچھ اسی قسم کی ہوا کرتی تھیں
یہاں ایک نہیں کئی تاجر ہماری تفریحات ہی کی بناء پر اپنی موجودہ حیثیت بنا سکے ہیں۔ اوہو
کتنی دلچسپ چیز ہوتی تھی ان لوگوں کی بوکھلاہٹ ان میں سے کئی لوگوں کو تو میں نے اپنے جسم
میں بار بار چٹکیاں لیتے بھی دیکھا تھا۔ جیسے انہیں اپنی بیداری پر یقین ہی نہ ہو۔"

وہ ہنستی رہی اور حمید بُرا سا منہ بنائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ "مجھے تو اس وقت علم ہوا جب آ
لوگ اپنے یہ طریقہ تفریح ترک کر چکے ہیں۔ ورنہ ایک ہی رات زندگی بھر کے لئے کافی ہوتی

"کیا ہماری یہ حرکتیں غیر قانونی تھیں۔" لڑکی نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ لوگوں کے خلاف کیس ضرور بن
تھا۔ بشرطیکہ تفریح کا شکار ہونے والا کوئی آدمی اس پر تیار ہو جاتا۔"

لڑکی نے اس جملے کی وضاحت نہیں چاہی۔ غالباً وہ اس مسئلے پر فریدی سے متفق تھی۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔ "آج تک ایسی کوئی مثال میری نظروں سے نہ
گزری جب کسی دادا نے اپنی تفریح کے لئے پوتی کو استعمال کیا ہو۔"

"آج تک میں نے کوئی ایسا پڑھا لکھا آدمی نہیں دیکھا، جو بکروں سے دل بہلاتا ہو۔" ا
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "گو مجھے کیپٹن حمید صاحب سے ملنے کا شرف پہلے کبھی نہیں حاصل
لیکن ان کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔"

"ہیں نا....!" حمید چہک کر بولا۔ "پھر آپ خود ہی سمجھتی ہوں گی کہ کیپٹن حمید کو بیو
بنانے کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپ لوگوں کو اب تک یہی شبہ ہے کہ میں آپ کا وقت برباد کر رہی ہوں۔"

"ایسے حالات میں شبہ ہو بھی سکتا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "ہو سکتا ہے یہ بھی
رومانٹک ڈرامہ ہو۔"

"میں کس طرح یقین دلاؤں۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔ پھر کچھ دیر بعد بولی۔

"آپ ان ڈاکٹروں سے معلوم کر سکتے ہیں جو دادا جان کا علاج کر رہے ہیں۔ کیا کرنل ر

غیر سنجیدہ آدمی ہیں۔ کیا ڈاکٹر مکرجی ہمارے کسی مذاق میں شریک ہو سکتے ہیں.... کیا ڈاکٹر۔"

"اوہ....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "میں نے صرف خیال ظاہر کیا تھا۔ اس کا یہ مطلب
نہیں کہ میرا خیال درست ہی ہو۔"

"آپ مجھے بتائیے کہ فی الحال کون سی مہم درپیش ہے۔" حمید نے فریدی سے کہا۔ "پھر میں
فیصلہ کر سکوں گا کہ اصلیت کیا ہے۔"

فریدی نے کم از کم الفاظ میں لڑکی کی داستان دہرائی اور پھر بولا۔ "فی الحال تم کوئی فیصلہ نہ
کر سکو گے۔"

"کیوں نہ کر سکوں گا۔ یہ داستان بھی کسی جاسوسی ناول کا پلاٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"جاسوسی ناولوں کے پلاٹ بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں تو یقین نہیں کر سکتا۔ آپ کیجئے۔" حمید بولا۔

"میرا خیال ہے کہ آپکے یقین یا بے یقینی کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔" لڑکی چڑھ کر بولی۔

"کیا؟ یہ آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں۔ یعنی کیپٹن حمید سے۔"

"جی ہاں آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"اوہو.... ہم پہنچ گئے۔" فریدی بولا۔

وہ فن آئی لینڈ سے بہت قریب تھے۔ فریدی نے لڑکی سے کہا۔ "اب آپ بتائیے لانچ کدھر
مڑی کی جائے۔ میں صرف وہ جگہ دیکھنا چاہتا ہوں جہاں آپ کو سفید کشتی نظر آئی تھی۔"

لانچ کی رفتار بہت سست ہو گئی۔ لڑکی کے اشارے پر لانچ کا رخ موڑا گیا اور پھر لڑکی کے
بیان کے مطابق لانچ ٹھیک اسی جگہ پر رک گئی جہاں اس نے سفید کشتی دیکھی تھی۔

وہ لانچ سے اتر گئے۔ جزیرہ بناوٹ کے اعتبار سے کسی پہاڑی علاقے کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا
تھا۔ کہیں غار تھے اور کہیں اونچے اونچے ٹیلے۔ جہاں کہیں بھی مسطح زمین ملی تھی، عمارتیں بنادی گئی
تھیں۔ پارک اور باغات ترتیب دیئے گئے تھے، اکثر باربردار جہازی کمپنیوں کے دفاتر بھی یہیں تھے۔

اچانک حمید نے فریدی کو ایک جانب نشیب میں تیزی سے اترتے دیکھا اور قبل اس کے حمید
آگے بڑھتا وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ نشیب کے کسی غار میں
جا گرا ہو۔ حمید کے پیچھے لڑکی بھی دوڑی اور بدستور دوڑتی رہی پھر وہ مسطح زمین پر پہنچ گئے لیکن
فریدی کا کہیں پتہ نہ تھا۔

حمید نے ان غاروں کی طرف دیکھا جنہیں وہ اوپر چھوڑ آیا تھا لیکن آخر فریدی ان غاروں

میں کیوں اترنے لگا۔ حمید آج پہلی بار یہاں نہیں آیا تھا۔ پورا جزیرہ اس کا دیکھا ہوا تھا۔ اُسے
کہ یہ غار سانپوں اور دوسرے زہریلے کیڑوں مکوڑوں سے پُر ہیں۔

"کیا فریدی صاحب کو بندروں سے اتنی ہی دلچسپی ہے۔" لڑکی نے پوچھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

"وہ ایک بندر کے پیچھے دوڑے تھے۔"

"دیکھئے.... میں ایسے مواقع پر مذاق نہیں پسند کرتا۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ارے.... آپ کو ہو کیا گیا ہے آخر۔ یہاں جو بات بھی زبان سے نکلی۔ مذاق مذا
سمجھتے ہیں آپ۔ میں دن رات مذاق ہی کیا کرتی ہوں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ حالانکہ اس جزیرے میں بندروں کی کثرت تھی۔ لیکن ابھی اس وقت
قریب وجوار میں ایک بھی بندر نہیں نظر آیا تھا۔ بندر عموماً کناروں سے دور ہی دور رہتے
سوچ میں پڑ گیا لڑکی متجسسانہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"آپ کس کے مشورہ پر ہم لوگوں کے پاس آئی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نے کسی سے مشورہ نہیں لیا تھا۔" لڑکی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آخر
میری بات پر یقین کیوں نہیں آتا۔ کیا آپ کی تفریحات عام آدمیوں کی تفریحات سے
نہیں ہوتیں۔ پھر آپ ایک ذمہ دار آفیسر کیوں ہیں۔ آپ کا محکمہ آپ پر کیسے اعتماد کر
آدمی اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تو غیر سنجیدہ نہیں رہتا۔"

"میری بات الگ ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "مجھے بچپن ہی میں پاگل کتے نے کاٹا تھ

"اب کیا یہ بات آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ وقت اچھا گزر سکتا ہے۔ اُسے
کے دادا کی پر اسرار علالت سے دلچسپی تھی اور نہ اس سفید کشتی سے جس کے لئے فریدی
تک آیا تھا البتہ اگر لڑکی کا بیان درست تھا تو وہ اس بندر میں ضرور دلچسپی لے سکتا تھا جس
فریدی نے دوڑ لگائی تھی۔

"آپ نے کچھ دیر پہلے میرے بکرے کا تذکرہ بہت بد تمیزی سے کیا تھا۔" حمید نے
آواز میں کہا۔

"آپ شائد مجھ سے جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔" لڑکی مسکرائی۔ "لڑنا جھگڑنا میرا محبوب مشغلہ

"آپ اس وقت دنیا کی ساری عورتوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔"

"اوہ.... وہ....!" دفعتاً لڑکی نے چونک کر ایک طرف اشارہ کیا۔ حمید ادھر دیکھنے لگا۔ اوپر
کے ایک غار سے فریدی باہر آ رہا تھا۔ وہ جلد ہی ان تک پہنچ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" اس نے لڑکی سے کہا۔ "میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکوں گا۔ اگر آپ واپس
چلی جائیں تو بہتر ہے۔ ویسے اگر آپ چاہیں تو میری کار استعمال کر سکتی ہیں۔ میں واپسی پر اُسے
ارون لاج سے لے لوں گا۔"

ننھا آدمی

لڑکی خاموش رہی۔ اس نے کچھ کہنے کیلئے ہونٹ ضرور ہلائے تھے لیکن پھر چپ ہی رہی تھی۔

"پھر آپ نے وعدہ کیوں کیا تھا۔" حمید نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے اس وعدہ خلافی کی بناء
لاکھوں کا نقصان ہو گیا ہو۔

"کوئی بات نہیں ہے جناب۔" لڑکی جلدی سے بولی۔ "میں تنہا چلی جاؤں گی۔ آپ کی گاڑی
لے جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ میں ساحل سے ٹیکسی کر لوں گی۔ مگر آپ شائد کسی بندر کے
پیچھے دوڑے تھے۔"

"ہاں....!" فریدی ہنسنے لگا۔ "مجھے بندر بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"کیا؟" حمید آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"بندر.... بس....!" فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"میرے خیال میں یہ وہی بڑا بندر تھا جسے لوگوں نے اکثر سگریٹ پیتے بھی دیکھا ہے۔" لڑکی بولی۔

"میں نے تو سنا ہے کہ وہ یونیورسٹی سے فلسفے کی کلاس بھی لیتا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی چند لمحے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "تم انہیں اروِن لاج چھوڑ کر گھر چلے جانا۔"

"اور اگر میں ان کے ساتھ اروِن لاج ہی میں رہ جاؤں تو آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"اعتراض مجھے ہونا چاہئے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "کرنل صاحب کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"بس جاؤ۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

وہ دونوں چل پڑے۔ فریدی وہیں رہا اور پر پہنچ کر حمید نے کہا۔ "یہاں کے ریستوران میں
جھینگے بہت اچھے فرائی کئے جاتے ہیں۔"

"جھینگے مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔"

"تو پھر ایک ایسا ہوٹل بھی ہے یہاں جہاں بھینس مسلم بھی مل جائے گی۔"

"میں صرف کافی پینا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر آیئے۔ مجھے یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔ اگر یہاں زمین مل سکتی تو ایک چھوٹا بنگلہ کراتا۔"

"کاش مجھے یہاں ایک قبر ہی زمین مل سکتی۔ مجھے بھی یہ جزیرہ بہت پسند ہے۔"

"آپ کس عمر میں مرنا پسند کریں گی۔"

"جس عمر میں بھی کوئی ایسا ساتھی مل گیا جو میرے ساتھ ہی مرنا پسند کرے ورنہ دنیا کی تنہائی مجھے کھا جائے گی۔ اب آج کل میں بہت شدت سے بور ہوں۔"

"کیوں بور ہیں؟"

"دادا جان کی علالت۔ ہم دونوں بہترین ساتھی تھے۔"

"ایسے سعادت مند داداؤں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے

"میرا دادا تو بڑا خونخوار آدمی تھا۔ پتہ نہیں جنت میں فرشتوں سے اس کی کیسے بنتی ہوگی۔"

"اوہو.....! آپ بڑے بے درد آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ مرے ہوئے لوگوں کا تذکر طرح نہیں کرتے۔"

"میں مجبور ہوں۔ اس دادا کی وجہ سے میری زندگی برباد ہوگئی۔"

"کیوں.....؟"

"کچھ نہیں۔ وہ خود فوج میں جمعدار تھا۔ جب میں بی۔اے کر چکا تو مجھے کمیشن دلو دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا لیکن جنگ چھ ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ پھر میں نہیں جانتا کہ مجھ سے محکمہ سراغرسانی میں کیوں دھکیل دیا گیا۔"

"اوہ..... تو آپ کو یہ زندگی پسند نہیں۔"

"قطعی نہیں.....!"

"حالانکہ کسی دوسرے شعبے میں آپ اتنی شہرت نہیں حاصل کر سکتے تھے۔"

"خیال ہے..... آپ کا..... اگر مجھے لڑکیوں کا سپہ سالار بنا دیا جائے تو میں ساری دنیا غرق کر سکتا ہوں۔ پھر اس شہرت کا کیا پوچھنا۔"

وہ ایک ریستوران میں داخل ہوئے۔ حمید نے جھینگوں اور کافی کا آرڈر دیا۔

بیٹھتے ہی پچھلا تذکرہ پھر چھڑ گیا۔

"یہ کرنل فریدی کس طرح آئے تھے اس محکمے میں۔ کیا وہ بھی فوج میں تھے۔"

"یہ دماغی فتور کا نتیجہ ہے۔ آکسفورڈ سے ایم اے کیا۔ کرمنالوجی پر عرصہ تک تحقیق کرتے ہے۔ کچھ دن لیبوریٹری ورک بھی کیا اور اس کے بعد تھانیدار ہوگئے..... خدا کی پناہ۔"

"تھانے دار ہوگئے کیا مطلب.....!"

"پولیس ٹریننگ میں چلے گئے جس کے لئے ہمارے میٹرک پاس نوجوان بے تاب رہا کرتے ں، بہر حال کچھ دن تھانے دار رہے پھر محکمہ سراغرسانی میں چلے آئے۔ اس وقت سے اب تک ں ہیں اور مرنے کے بعد شاید دفتر ہی کے کسی حصے میں دفن کر دیئے جائیں۔"

"بیوی بچے کیوں نہیں ہیں۔"

"ہاں.....!" حمید ایک طویل انگڑائی لے کر بولا۔ "اس سوال کا جواب ذرا مشکل ہے۔" وہ سکوڑ کر مسکرایا۔ پھر آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔ "بچے اس لئے نہیں ہیں کہ بیوی نہیں۔ بیوی کیوں نہیں ہے اس کا جواب وہ خود ہی دے سکیں گے۔"

"آپ اپنی کہیئے۔" لڑکی مسکرائی۔

"میں.....!" حمید نے ایک طویل سانس لی اور دردناک آواز میں بولا۔ "ایک ایسے آدمی کے ٹنٹ سے کون شادی کرے گا جو بندر پکڑنے دوڑتا ہو۔"

اس کے لہجے پر لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "مجھے خود بھی حیرت ہے کہ فریدی ب اس بندر کے پیچھے کیوں دوڑے تھے انداز بالکل ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے پکڑنا چاہتے ہوں۔"

"بس یہی باتیں ہیں جن کی بناء پر کوئی لڑکی مجھ سے شادی کرنے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ مگر..... آپ نے اس بندر کے متعلق کچھ کہا تھا شاید یہی کہ وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔"

"جی ہاں..... میں اُسے یہاں کئی بار دیکھ چکی ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ بہت پرانا بندر۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا قد چار فٹ سے بھی زیادہ ہو۔ معمولی بندروں سے بہت بڑا۔ لوگ اُسے نے کو دیتے ہیں اور وہ سگریٹ بھی پیتا ہے۔ اکثر اشارے سے سگریٹ مانگتا ہے۔"

"میں بھی اکثر یہاں آیا ہوں۔ لیکن ایسا کوئی بندر مجھے نہیں دکھائی دیا۔"

"ابھی کچھ ہی دنوں سے دکھائی دینے لگا ہے۔ مشہور ہے کہ وہ کسی جہاز سے اس جزیرے میں آیا تھا۔"

حمید کچھ سوچنے لگا۔ لڑکی اسے غور سے دیکھ رہی تھی، اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں

میز پر لگانے لگا۔ اس کے چلے جانے پر لڑکی بولی۔

"میں نے آج تک جھینگے نہیں کھائے۔"

"آج کھا کر دیکھو۔ بعض لوگ جھینگوں سے نفرت کرتے ہیں مگر وہی لوگ بکروں اوجھڑیاں تک کھا جاتے ہیں۔"

"میں نہیں کھاؤں گی۔ میں گوشت بہت کم کھاتی ہوں۔"

"یہ بڑی اچھی عادت ہے.... خیر ہاں.... کچھ نہیں.... دراصل میں ابھی تک یہی ن سوچ سکا کہ ہمیں کس قسم کی گفتگو کرنی چاہئے۔"

"اسی قسم کی گفتگو کہ اگر آپ کو لڑکیوں کا سپہ سالار بنادیا جائے تو آپ ساری دنیا کا بیڑہ غ کردیں۔ آپ بیٹھے کیوں ہیں.... کافی بنایئے۔"

"میں نے آج تک کسی لڑکی کے لئے یہ نہیں کیا۔"

"میں لڑکا ہوں۔"

"وہ تو میں شروع ہی سے محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن کافی آپ ہی کو بنانی پڑے گی۔"

"میرا نام شکیلہ ہے حمید صاحب۔"

"صورت بھی ایسی ہی ہے۔ اتنی حسین آنکھیں میں نے آج تک نہیں دیکھیں۔"

"مجھے اس قسم کی شاعرانہ باتوں سے دلچسپی نہیں ہے۔"

حمید خاموشی سے جھینگے کھاتا رہا اور کافی ٹھنڈی ہو گئی۔ شکیلہ کو شاید اس کی اس حر غصہ آرہا تھا لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔ ویسے اس کے چہرے پر اچھے آثار نہیں تھے۔

"شام بھی یہیں گذارنے کو دل چاہتا ہے۔" حمید نے کچھ دیر بعد کہا۔

میں تو اب جاؤں گی۔

"آپ جاسکتی ہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

اور شکیلہ سچ مچ اٹھ گئی۔ حمید اسے باہر جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے کافی نہیں پی تھی۔ نظروں سے اوجھل ہو گئی تو حمید نے ویٹر کو بلا کر دوسری کافی لانے کو کہا۔

پہلے اس کا ارادہ تھا کہ شکیلہ کے ساتھ ہی شہر واپس جائے گا مگر اب اس بندر کے ت نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ فریدی اسی بندر کے لئے یہاں رک گیا تھا اور کشتی کا تو کہیں پتہ بھی نہیں تھا ان اطراف میں اسے سفید رنگ کی کوئی کشتی نہیں نظر آ سفید کشتی کا واقعہ بھی کافی پر اسرار تھا۔ ادھر تقریباً ایک ماہ سے وہ کشتی ساحل کے قریب د

دیکھی جارہی تھی اور وہ جب بھی کالا گھاٹ کے قریب سے گزرتی اس کے آدھ ہی گھنٹے بعد ایک برہنہ لاش ساحل سے آلگتی۔ اب تک کی رپورٹ یہی تھی تقریباً آٹھ لاشیں اب تک مل چکی تھیں اور آٹھوں بار وہ کشتی کالا گھاٹ کے قریب دیکھی گئی تھی۔

فریدی کو ان دنوں سفید کشتی کا مینیا ہو گیا تھا۔ وہ جب بھی کسی سفید کشتی کا تذکرہ سنتا پوری طرح متوجہ ہو جاتا اور کبھی کبھی اس سلسلے میں کافی بھاگ دوڑ بھی رہتی۔ چنانچہ آج بھی ایک سفید کشتی کا تذکرہ ہی ان دونوں کو یہاں تک لایا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ کسی بندر کا وجود بھی اس کشتی سے متعلق ہو۔ حمید سوچتا رہا۔ اس کے خیال کے مطابق یہ بھی ممکن تھا کہ فریدی کی توجہ بندر کی غیر معمولی جسامت نے اپنی طرف منعطف کرائی ہو۔

اس نے کافی ختم کی اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ریستوران کے باہر کافی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ آج اتوار ہونے کی بناء پر صبح ہی سے یہاں خاصی بھیڑ ہو گئی تھی۔

تمباکو نوشی کے بعد وہ اٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا ممکن ہے فریدی واپس ہی چلا گیا ہو۔ مگر پھر خیال آیا کہ اگر جلد ہی واپسی کا امکان ہوتا تو فریدی اسے لڑکی کے ساتھ نہ جانے دیتا۔

بہر حال وہ ریستوران سے باہر نکلا اور اب وہ پھر اسی طرف جارہا تھا جہاں فریدی کو چھوڑ کر آیا تھا۔ مگر اس نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ اس کا تعاقب کیا جارہا ہے۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز قد آدمی تھا۔ حمید نے اُسے ریستوران میں بھی دیکھا تھا اس نے سوچا ممکن ہے یہ اتفاق ہو۔ مگر نہ جانے کیوں وہ اسے سرسری طور پر نہ ٹال سکا۔ وہ اس سلسلے میں اپنا اطمینان کرنا چاہتا تھا۔ اس کا اندازہ کر لینا مشکل نہیں تھا۔ حمید یونہی بے مقصد ایک طرف مڑا اور پیچھے دیکھے بغیر چلتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ رکا اور پتھر پر بیٹھ کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ تعاقب کرنے والا تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اخبار فروش سے گفتگو کرتا ہوا نظر آیا۔ حمید نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی تک پہنچنے کا خیال ترک کر دینا چاہئے۔ پتہ نہیں یہ کیا معاملہ ہے۔ اگر فریدی نے اسے حالات سے باخبر رکھا ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اس وقت کسی نہ کسی طرح اس کا ہاتھ بٹاتا۔

حمید بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ وہ آدمی بھی ایک اخبار خرید کر اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھ گیا تھا اور اخبار کو اس طرح اٹھائے ہوئے پڑھ رہا تھا کہ حمید اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

یہاں اس جگہ صرف وہی دونوں نہیں تھے بلکہ بہتیرے لوگ چلتے چلتے تھک کر اِدھر اُدھر بیٹھے تکان دور کر رہے تھے۔ حمید نے سوچا کہ کچھ دیر یہاں ضرور بیٹھے گا۔

پھر وہ آدھے گھنٹے سے پہلے نہیں اٹھا۔ تعاقب کرنے والا بھی بدستور اسی انداز میں اخبار پڑھتا رہا تھا۔ اٹھتے وقت حمید نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ بھی اٹھا تھا یا نہیں، لیکن جب گھاٹ پر پہنچ کر وہ ایک لانچ میں بیٹھنے لگا تو کنارے پر اسے وہی آدمی دکھائی دیا لیکن اس کے انداز سے یہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی کسی لانچ میں بیٹھے گا۔

دس منٹ بعد لانچ نے کنارا چھوڑ دیا لیکن تعاقب کرنے والا بدستور کنارے ہی پر کھڑا رہا گویا وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ حمید جزیرے سے جا چکا ہے۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید یہ تعاقب جاری ہی رہے گا لیکن اسے اس پر حیرت بھی نہیں تھی ممکن ہے صرف جزیرے ہی کی حد تک اس کی موجودگی کسی کے لئے باعث تشویش رہی ہو۔

حمید آج بڑے اچھے موڈ میں تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ آج بہت دنوں بعد شکیلہ جیسی کسی اسمارٹ لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ ایسی لڑکیوں کی ہم نشینی گو اس کے ذہن کے باریک ترین ریشوں پر اثر انداز ہوتی تھی مگر تفریح ضرور ہو جاتی تھی اور ایسی تفریح کو وہ ہمیشہ صحت مند تفریح کا نام دیا کرتا تھا۔

لانچ سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ اس پر کئی مسافر بھی تھے۔ دو تین لڑکیاں تھیں۔ حمید نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن شاید وہ یا تو انتہائی کوڑھ تھیں یا انتہائی شریف۔ آخر تھک ہار کر حمید نے ان کے ساتھ کی ایک چھوٹی بچی کو گاہے گاہے چڑھانا شروع کر دیا۔ بچی بھی جواباً اُسے منہ چڑھاتی اور کھل کھلا کر ہنس پڑتی۔

دفعتاً ایک لڑکی نے دوسری کو مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔ "شکیلہ جیسی لفنگیوں کے ساتھ دیکھا جانے والا کوئی شریف آدمی نہیں ہو سکتا۔"

حمید نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ.... شکیلہ....!" دوسری نے کہا۔ "تم اسے لکھ لو۔ وہ کبھی نہ کبھی جیل ضرور جائے گی"

"کیوں.... جیل کیوں جائے گی۔" تیسری نے پوچھا۔

"وہ ارجن پورے کے ایک گھٹیا سے مکان میں رہتی ہے لیکن کالج کار میں آتی ہے اور دیکھئے نئی کار۔"

"آوارہ ہے؟" تیسری نے سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔"

پہلی لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی اور پھر بولی۔ "تم دونوں جھک مار رہی ہو۔"

"کیوں؟" دونوں لڑکیاں بیک وقت بولیں۔

"وہ یہاں کے بہت بڑے سرمایہ دار فیاض کی پوتی ہے۔"

"بکواس....!" دوسری لڑکی بولی۔

"تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔" پہلی نے کہا۔

"مزید بکواس...." دوسری لڑکی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی اور پھر بولی۔ "تم شائد افیون کھا گئی ہو۔ ارے میں نے اُسے درجنوں بار ارجن پورے کے ایک مکان سے نکلتے دیکھا ہے۔"

"ہو سکتا ہے وہاں اُس کا کوئی دوست رہتا ہو۔"

"سر فیاض کی پوتی کا دوست ارجن پورے میں رہے گا؟ شاید بھنگ پی رکھی ہے تم نے۔"

"بھنگ پینے والی کو کیا کہا جا سکتا ہے۔" تیسری لڑکی نے پوچھا۔

"بھنگن....!" دوسری لڑکی بے ساختہ ہنس پڑی۔

پہلی لڑکی نے بُرا سا منہ بنایا اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقفے میں ایک بار اس کی نظر حمید پر بھی پڑی۔ وہ اب بھی ننھی بچی کو منہ چڑھا رہا تھا۔

"آج شام کو چلو میرے ساتھ۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں اُسے ارجن پورے میں دکھا دوں گی۔"

"جہنم میں جھونکو۔" پہلی لڑکی جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کے لئے جھک مارتی پھروں۔"

پھر لانچ ساحل سے جا لگا۔ سارے مسافر اتر گئے اور لڑکیاں مختلف راستوں پر ہو لیں۔

حمید اس لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جس نے شکیلہ کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ ڈاکوؤں کے کسی گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ مقصد یہ نہیں تھا کہ حمید اس کے بیان کو صداقت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا تھا۔ بات صرف اتنی سی تھی کہ وہ شکیلہ کے ساتھ زیادہ وقت نہیں گزار سکا تھا۔ اس لئے چاہتا تھا کہ اتوار کا دن بے کاری میں نہ گذرے۔

ایک جگہ اس نے لڑکی کے قریب پہنچ کر کہا۔ "کیا آپ میری ایک بات سنیں گی۔"

لڑکی چونک کر مڑی اور وہیں رک گئی۔ وہ شاید اب تک اس تعاقب سے بے خبر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکیلہ کے متعلق کچھ گفتگو کریں گے۔ غالباً آپ نے اُسے میرے ساتھ فن آئی لینڈ میں

دیکھا ہوگا۔"

"جی ہاں.... دیکھا تھا۔"

"یہ بہت ضروری اور اہم بات ہے یعنی کہ میرے مستقبل کا انحصار اس پر ہے۔"

"مگر میں کسی شکیلہ کو نہیں جانتی۔"

"اوہ....!" حمید کی آواز دردناک ہوگئی۔ "ابھی آپ اعتراف کر چکی ہیں کہ آپ مجھے وہاں شکیلہ کے ساتھ دیکھ چکی ہیں۔"

"اوہ.... میں کہنا چاہتی تھی کہ میں شکیلہ کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن لانچ میں آپ نے اس کے متعلق بعض بہت ہی عجیب قسم کے انکشافات کئے تھے، جو کم از کم میرے لئے دل ہلا دینے والے تھے۔"

لڑکی چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔

"آپ کا شکیلہ سے کیا تعلق ہے۔"

"ارے وہ میری منگیتر ہے اور آپ کی زبانی یہ معلوم کر کے وہ ارجن پورے کے کسی مکان میں رہتی ہے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔"

"اوہ.... واقعی آپ کو صدمہ پہنچا ہوگا۔" لڑکی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"بہت زیادہ.... میں آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ مجھے تفصیل سے آگاہ کر دیں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں جو کچھ بھی جانتی ہوں آپ کو بتاؤں گی۔"

"آیئے تو پھر کہیں چل کر بیٹھیں۔"

"کہاں۔"

"کسی ریستوران میں۔"

"نہیں.... یہ مناسب نہیں۔ اگر میرے کسی عزیز نے دیکھ لیا تو.... آپ تو جانتے ہی ہیں کہ متوسط طبقے کے لوگ کتنے تنگ نظر ہوتے ہیں۔"

"بے شک.... بے شک۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ "بے حد تنگ نظر ہوتے ہیں۔ مگر میں نے صرف سنا ہے تجربہ نہیں ہے کیونکہ میرا تعلق متوسط طبقے سے نہیں ہے۔ اچھا خیر! اسے جانے دیجئے۔ کیوں نہ ہم کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر شہر کے چکر لگاتے رہیں۔"

"اوہ.... مگر وہ اور زیادہ خطرناک ہوگا۔"

"کچھ بھی ہو۔ کوئی ہمیں دیکھ ہی نہ سکے گا۔ میں کھڑکی کے پردے کھینچ دوں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" لڑکی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

تقریباً دس منٹ انتظار کرنے کے بعد انہیں ایک ٹیکسی مل گئی۔ حمید نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے۔ ڈرائیور اسٹیئرنگ پر جھکا ہوا معنی خیز انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ٹیکسی چل پڑی اور حمید نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔

"شکیلہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ سر فیاض کی پوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ میں بھی سر افضال کا لڑکا ہوں۔ شاید آپ نے نصیر آباد کے سر افضال کا نام سنا ہو۔ نہیں سنا خیر بہر حال ہم لوگوں کی پوزیشن بھی سر فیاض سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"آپ خود بتایئے کہ آخر سر فیاض کی پوتی ارجن پورے میں کیوں رہے گی۔ میں آپ کو اس کا مکان بھی دکھا سکتی ہوں۔"

"ضرور.... ضرور.... میں آپ کا شکر گذار ہوں گا۔"

"بس اب معاملہ میری سمجھ میں آگیا۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "وہ آپ ہی جیسے بڑے آدمیوں کو پھانس کر کالج میں یہ جتاتی پھرتی ہے کہ اس کا تعلق بھی ایک بڑے گھرانے سے ہے۔ وہ آپ لوگوں کی کاریں بھی استعمال کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ آئے دن نئی نئی کاروں میں کالج آتی رہتی ہے۔"

"اوہ.... میرے خدا.... میرا سر چکرا رہا ہے۔" حمید نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر کہا۔

"اگر آپ اس کے باپ کو دیکھ لیں تو ہنستے ہنستے آپ کا بُرا حال ہو جائے۔"

"باپ....!" حمید نے حیرت سے کہا۔ "کیا وہ بھی وہیں ارجن پورے میں رہتا ہے۔"

"جی ہاں.... اور وہ اس کا باپ نہیں بلکہ بچہ معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں....؟" حمید نے حیرت سے کہا۔

"اس کا قد بہت چھوٹا ہے اور اتنا دبلا پتلا۔ ٹڈے جیسا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر اتنی جھریاں ہیں کہ خدا کی پناہ لیکن اس کی آنکھیں بہت چمکدار ہیں۔"

یک بیک حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ تو ایک ایسے آدمی کا حلیہ بیان کر رہی تھی جس کی تلاش فریدی کو عرصہ سے ہے۔ مگر شکیلہ سے اس کا کیا تعلق؟ حمید نے ذہن میں بیک وقت ہزاروں بجلی کے پنکھے چلنے لگے۔

"دیکھئے....!" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "ہمیں حقیقتاً ارجن پورے ہی کی طرف چلنا چاہئے۔ آپ مجھے وہ مکان دکھا دیجئے۔"

"چلئے۔"

حمید نے ڈرائیور سے ارجن پورے کی طرف چلنے کو کہا۔

حمید کو یاد آیا کہ اس سے ایک غلطی بھی ہو چکی ہے۔ اس نے ساحل پر اتر کر ان لڑکیوں کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور یہ بات اس کے ذہن سے اتر گئی تھی کہ فریدی کی کار ساحل ہی پر موجود ہے۔ فریدی نے اس سے کہا تھا کہ واپسی پر وہ کار لیتا جائے گا۔ ہو سکتا ہے فریدی نے پھر اس حصے کی طرف رخ ہی نہ کیا ہو جہاں کار چھوڑی تھی۔ حمید کی الجھن بڑھ گئی۔ آج کل شہر میں کاروں کی چوری کی وارداتیں بہت زیادہ ہو رہی تھیں۔

ارجن پورے میں پہنچ کر اس نے وہ مکان دیکھا۔ مگر اس وقت وہ باہر سے مقفل تھا۔

"میں آپ کا بہت شکر گذار ہوں۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "اب آپ جہاں فرمائیں آپ کو پہنچا دیا جائے۔"

"میں سولہ جیمس اسٹریٹ میں رہتی ہوں۔ مگر آپ مجھے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیجئے گا۔"

"بہت بہتر۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔ "اور نام پوچھنا تو یقیناً بد تمیزی میں شمار ہوگا۔"

"اوہ نہیں۔" لڑکی بھی مسکرائی۔ "میرا نام سعیدہ ہے۔"

"شکریہ۔"

حمید نے اُسے ریکسٹن اسٹریٹ میں اتار دیا اور اب وہ پھر جلد سے جلد بندرگاہ کے علاقے میں پہنچنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد ٹیکسی بندرگاہ کی طرف جا رہی تھی۔

فریدی کی کار اُسے دور ہی سے نظر آ گئی۔ مگر اس کے اندر کوئی موجود تھا۔ حمید ٹیکسی رکوا کر اتر پڑا۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ پیدل ہی فریدی کی کار کی جانب چل پڑا۔ قریب پہنچ کر وہ متحیر رہ گیا کیونکہ کار کی پچھلی نشست پر شکیلہ نیم دراز تھی۔ وہ سو نہیں رہی تھی لیکن اس نے حمید کی طرف دیکھنے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

"اے محترمہ....!" حمید نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"آپ یہاں اس طرح کب سے بیٹھی ہیں۔"

"شروع ہی سے۔ میں فریدی صاحب کی منتظر ہوں۔"

"کیوں....؟"

"میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ کیپٹن حمید صاحب سو فیصدی ناکارہ قسم کے آدمی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی بھی مٹی پلید ہو رہی ہے۔"

"کیا تمہیں میری ناکارگی کا تجربہ ہوا ہے۔"

"ہاں کیپٹن حمید صاحب۔ میں فریدی صاحب کو یہ بتاؤں گی کہ جزیرے میں ایک آدمی حمید صاحب کا تعاقب کرتا رہا تھا اور حمید صاحب اس سے بالکل لاعلم تھے۔"

"یہ تعاقب کب تک جاری رہا تھا۔"

"جب تک حمید صاحب کا لانچ جزیرے سے رخصت نہیں ہو گیا تھا۔"

حمید اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتا رہا۔

جال

شکیلہ فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ انداز فاتحانہ ہوتا۔ تب بھی اُس وقت کی مسکراہٹ حمید کو دلکش نہ معلوم ہوتی۔ نہ جانے کیوں اس لڑکی کو وہاں موجود پا کر اُسے تاؤ آ گیا تھا۔

"ہاں.... کیپٹن اور کچھ.... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔" اس نے چڑھانے والے انداز میں کہا۔

حمید کو بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا مگر وہ مسکرا کر بولا۔ "تم ان فضولیات میں نہ پڑو۔ بڑی خشک اور اکتا دینے والی باتیں ہیں۔ مجھے اس تعاقب کا علم ہے۔ میں نے اسے جزیرے میں ہی چھوڑا تھا۔ کیا اس کی چال میں ہلکی سی لنگراہٹ نہیں تھی۔"

"اوہ....!" لڑکی نے حیرت سے کہا۔ "پھر آپ نے اسکے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔"

"اگر لڑکی ہوتا تو چپل مار دیتا.... اور اس سے کہتا کیوں او خدائی خوار پرائی بہو بیٹیوں کا تعاقب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خدا تجھے اتنی بہو بیٹیاں عطا کرے کہ تجھے گھبرا کر خودکشی کرلینی پڑے وغیرہ وغیرہ۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ اپنے محکمے سے صرف باتیں بنانے کی تنخواہ وصول کرتے ہیں۔"

"ارے ہٹاؤ بھی یہ قصہ۔ شہر واپس چل رہی ہو۔"

"نہیں.... میں کرنل صاحب کا انتظار کروں گی۔"

"تو پھر گاڑی سے اتر جاؤ۔ میں واپس جا رہا ہوں۔"

"ابھی تک کہاں تھے؟"

"کہیں بھی نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اسٹیر کے سامنے بیٹھ گیا اور مشین اسٹارٹ کی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!"

"بس دیکھتی رہیے۔" حمید نے کہا اور کار حرکت میں آگئی۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں میں کرنل صاحب سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گی۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ کار کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور اب اترنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا

"کیا مقصد ہے۔" شکیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو رومینٹک قسم کی تفریحات پسند ہیں نا۔"

"ہاں.... ہیں تو پھر....!"

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس وقت کی تفریح آپ کو زندگی بھر یاد رہے گی۔"

"آ.... چھا.... چلئے یہی سہی۔" لڑکی نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی بچے ۔ کر رہی ہو۔

حمید اور زیادہ چڑھ گیا لیکن خاموش ہی رہا۔ کار ارجن پورے کی طرف جا رہی تھی۔ ہی دیر بعد وہ اس مکان کے سامنے رک گئی جس کے متعلق حمید کو بتایا گیا تھا کہ شکیلہ و دیکھی گئی ہے۔ مکان اب بھی مقفل ہی تھا۔

"ہم کچھ دیر کے لئے اس مکان کے اندر چلیں گے۔"

"کیا مطلب....!" شکیلہ نے ناخوش گوار لہجے میں پوچھا۔

"مکان کے اندر چلنا ہے ہمیں۔ کیا آپ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں چاہتی ہیں"

"آپ بدتمیز ہیں۔"

"میں تمہیں ابھی اور اسی وقت پولیس کی حراست میں دے سکتا ہوں۔" حمید نے غ میں کہا۔

"یہ کس خوشی میں جناب کپتان صاحب۔" شکیلہ نے زہر خند کے ساتھ پوچھا۔

"یہ تو میں اس مکان میں چلنے کے بعد ہی بتا سکتا ہوں۔" حمید نے سخت لہجے میں کہ یقین ہے کہ اس میں پڑے قفل کی کنجی تمہارے وینٹی بیگ ہی میں موجود ہو گی۔"

"اوہ....!" لڑکی سیٹ کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ اس کے ہونٹوں پر غصہ دلانے والی مسکراہٹ تھی۔

"کنجی نکالو.... ورنہ میں قفل توڑ دوں گا۔"

"تکلیف نہ اٹھایئے کپتان صاحب۔" شکیلہ اپنا وینٹی بیگ کھولتی ہوئی بولی۔ "کنجی حاضر ہے۔ پچھلے زمانے میں ایک بزرگ لال بجھکڑ بھی گزرے ہیں۔ مگر اُن دنوں کپتانی کا عہدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔"

حمید نے کنجی لیتے ہوئے کہا۔ "نیچے اتر آؤ۔ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔"

"چلئے کپتان صاحب۔" شکیلہ کار سے اتر آئی۔ "آپ سچ مچ اس وقت شرلاک ہومز ہو رہے ہیں۔"

"میں بعض اوقات جھلاہٹ میں تھپڑ بھی مار دیا کرتا ہوں۔" حمید آپے سے باہر ہو گیا۔

"میں یونہی تفریحاً منہ بھی نوچ لیا کرتی ہوں۔"

حمید اپنا نچلا ہونٹ چباتا ہوا دروازے کی جانب بڑھا۔ اُسے اتنی شدت سے غصہ آیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہو گئی۔ اُس نے قفل میں کنجی گھمائی اور دروازہ کھول کر اندر گھس پڑا۔

اُسی کے ساتھ ہی شکیلہ بھی داخل ہوئی اور وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ سامنے دالان تھا اور اس کے دونوں جانب دو کوٹھریاں تھیں۔

حمید کو دراصل اس چھوٹے قد کے آدمی کی تلاش تھی جس کا تذکرہ وہ اس لڑکی سعیدہ سے سن چکا تھا۔ اُس نے دائیں جانب والی کوٹھری کے کیواڑوں کو دھکا دیا وہ کھل گئے، حمید بالکل اسی انداز میں اندر داخل ہوا جیسے اپنے شکار کی موجودگی کا یقین ہو مگر کوٹھری خالی پڑی تھی۔ حمید الٹے پاؤں باہر آیا۔ اب دوسری کوٹھری پر اس کی نظر تھی۔ شکیلہ مسکرا رہی تھی۔ حمید کچھ اسی طرح بوکھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والوں کو اُسی پر ہنسی ہی آسکتی تھی۔ اس بار شکیلہ بھی اس کے ساتھ کوٹھری میں گھس پڑی۔ اس کوٹھری میں ایک طرف ایک الماری پر حمید کو کچھ کاغذات نظر آئے اور وہ جھپٹ کر انہیں الٹنے پلٹنے لگا۔

"آخر کس چیز کی تلاش ہے کپتان صاحب کو۔" شکیلہ نے اپنے مخصوص غصہ دلانے والے لہجے میں کہا۔ مگر حمید شائد کسی واضح ثبوت کے ہاتھ آجانے سے پہلے غصہ کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ اب تک اُسے کچا ہی چبا گیا ہوتا۔

دفعتاً اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی اور اچھل کر مڑا۔ دروازہ حقیقتاً کسی نے باہر سے

بند کیا مگر کس نے؟ شکیلہ تو وہیں اس کے پاس کھڑی تھی۔ اور اس کے چہرے پر بھی حیرت ر
آثار تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔ "اوہ! میں سمجھی لیکن ....!"

دوسرے ہی لمحے میں اُس نے اپنے وینٹی بیگ سے پستول نکالتے ہوئے جملہ پورا کر دیا۔"
تم نے مجھے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو بے دریغ فائر کر دوں گی۔"

سیاہ رنگ کے ننھے سے پستول کا رخ حمید کی طرف تھا۔ حمید نے دو تین بار پلکیں جھپکائیں
بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

باہر کی آہٹوں سے صاف ظاہر تھا کہ وہ کئی آدمی ہیں۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ اب جو کچھ بھی ہوگا اسکی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔" حمید نے جھلا کر کہا

"میری طرف ایک قدم بڑھا کر دیکھو۔"

"میں یہیں کھڑے کھڑے تمہیں جہنم میں دھکیل سکتا ہوں۔" حمید دانت پیس کر بولا
پھر اس نے بھی اپنا ریوالور نکال لیا۔

"ایک چوہیا پستول دکھا کر مجھے بے بس نہیں کر سکتی۔"

شکیلہ نے حیرت سے اُسے دیکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "کیا تم سنجیدہ ہو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوا ہے لڑکی۔ تم کیپٹن حمید سے گفتگو کر رہی ہو۔"

"تب پھر شاید ہم دونوں کے دماغ خراب ہو گئے ہیں۔" لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

"باہر کتنے آدمی ہیں۔" حمید نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں جانتی۔ میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"ان سے کہو دروازہ کھول دیں، ورنہ یہ مذاق انہیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"خدا کی قسم میں کچھ نہیں جانتی اور یہ کیا ہو رہا ہے میں تو سمجھی تھی کہ تم مجھے پریشان
چاہتے ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اب بھی دروازے ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ریوالور
میں ڈال کر اپنی ناک مضبوطی سے بند کر لی۔ اس نے سنتھلک گیس کی بو محسوس کی تھی
تا بکے.... وہ زیادہ دیر تک ناک بند نہ رکھ سکا۔ کیونکہ ویسے ہی دم گھٹنے لگا تھا۔ اُس نے شکیلہ
چکرا کر گرتے دیکھا پھر تھوڑی دیر میں اس پر بھی بے بسی اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔

غشی کے بعد ہوش میں آنا آسان ہی ہوتا ہے لیکن ہوش آنے کے بعد کی ذہنی حالت
یقینی طور پر ہوش نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ہوش تو حواس خمسہ کی بیداری کا نام ہے مگر جس ظا

بدلی کو ہوش کہا جاتا اسے حواس خمسہ کی بیداری نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً حمید کی آنکھیں کھل گئی
تھیں وہ چاروں طرف دیکھ سکتا تھا۔ نزدیک و دور کی آوازیں سن سکتا تھا لیکن اسے اس چوٹ کا
احساس نہیں تھا جو اُس کے سر کے پچھلے حصے میں آئی تھی وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ کافی دیر تک
یہی کیفیت رہی پھر آہستہ آہستہ اُسے سر کی چوٹ کا احساس ہوتا گیا اور زبان جو کچھ دیر پہلے منہ
کے اندر پتھر کا ٹکڑا معلوم ہو رہی تھی خشک ہونٹوں تک آنے لگی۔

اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر شکیلہ پڑی ہوئی تھی اور اُسے اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔ حمید
اٹھ کر بیٹھ گیا سر کے دکھتے ہوئے حصے پر انگلیاں رکھیں تھوڑی سی جگہ خون سے چپچپا رہی تھی۔
یہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر یہاں ارجن پورے والے مکان کی کوٹھری کی سی گھٹن محسوس نہیں
ہو رہی تھی۔ اوپر چاروں طرف روشن دان تھے اور ان سے ہوا آ رہی تھی۔

حمید کے لئے اب یہ سمجھنا دشوار تھا کہ وہ کن حالات کا شکار ہوا ہے۔ اس لڑکی کی حیثیت اس
کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیا اس نے اسے پھنسایا تھا۔ یا وہ خود بھی کسی بہت بڑے فریب میں
مبتلا تھی۔ اگر وہ خود ہی ان حالات کی ذمہ دار تھی تو اُس کا مقصد کیا تھا، وہ خود ہی تو نہیں انہیں
اپنے ساتھ لائی تھی۔

حمید فریدی کے متعلق سوچنے لگا۔ وہ پتہ نہیں کہاں اور کس حال میں ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کا
بھی یہی انجام ہوا ہو۔ پھر اُسے وہ بندر یاد آیا جس کے پیچھے فریدی دوڑا تھا۔

اس نے شکیلہ کی طرف دیکھا جس نے کراہ کر کروٹ لی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں
متحیرانہ انداز میں پھیلی ہوئی تھیں اور وہ حمید ہی کی طرف دیکھ رہی تھی، پھر وہ اٹھ بیٹھی کچھ دیر
تک آنکھیں ملتی رہی پھر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً دس منٹ تک دونوں خاموش رہے۔

"یہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ میں کہاں ہوں۔" شکیلہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سینکڑوں بار ایسے حالات سے دوچار ہو چکا ہوں۔"
حمید نے بیزاری سے کہا۔

شکیلہ چند لمحے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ "شاید ہم دونوں ہی کسی غلط فہمی
میں مبتلا ہیں۔"

کچھ دیر پہلے حمید نے اس کے امکانات پر غور کیا تھا۔ اس لئے اس نے کہا۔ "کیسی غلط فہمی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ نے مجھے کسی چکر میں پھنسایا ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں
اس کی ذمہ دار ہوں۔"

"میں یہی سمجھتا ہوں کہ ابھی تک تم لوگوں کا مذاق جاری ہے۔"

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ میں نہیں جانتی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔" ہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ٹھہریئے۔ آپ کو اس مکان کے متعلق کیسے معلوم ہوا تھا۔"

"کیا یہ اسی مکان کا کوئی حصہ ہے۔" حمید نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر سوال کیا۔

"نہیں....!"

کچھ دیر کیلئے سکوت طاری ہو گیا۔ پھر حمید نے اُسے بتایا کہ کس طرح اُس نے لانچ پر ہوئی لڑکیوں کی گفتگو سنی اور کس طرح ایک لڑکی نے ارجن پورے کے اس مکان کا پتہ بتایا۔

"تب تو یہ یقیناً کوئی سازش ہے۔ اس مکان میں کوئی ایسا آدمی نہیں رہتا تھا جس کا حلیہ بیان کر رہے ہیں اور نہ میں کسی ایسے آدمی سے واقف ہوں۔ آپ وہاں آس پاس کے آ سے بھی دریافت کر سکتے ہیں اس مکان میں دراصل ایک نابینا غریب عورت رہتی تھی پچھلے ہفتے انتقال ہو گیا۔ وہ شہر کے ایک فٹ پاتھ پر بھیک مانگا کرتی تھی میں نے اُسے ما اس مکان میں لے گئی... چلئے... اگر آپ اُسے بھی میری تفریح ہی سمجھتے ہیں تو مجھے کوئی ا نہیں۔ لیکن وہاں ایسا کوئی آدمی نہیں تھا جس کا قد ساڑھے چار فٹ یا اس سے کچھ زیادہ رہا ہ

حمید خاموش رہا۔ وہ کسی الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

"اگر یہ سازش ہے تو اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

"مقصد۔ خدا جانے.... لیکن.... اگر یہ دادا جان کی علالت ہی کے سلسلے کی کوئی کڑ یہ محکمہ سراغ رسانی کے لئے ایک عجیب و غریب کیس ہو گا۔"

"سر فیاض کی علالت کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے۔" حمید اُسے ٹٹولنے والی سے دیکھتا ہوا بولا۔

"بس یہی کہ وہ قدرتی نہیں ہے۔ لیکن میں اس کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں رکھ

"غیر قدرتی سمجھنے کی کوئی وجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔"

"وجہ.... دیکھئے جب پہلی بار ان پر اس قسم کی کیفیت طاری ہوئی تھی تو وہ اس سے قبل غائب رہے تھے، یعنی جس دن انہیں تار دام پہنچ جانا چاہئے تھا اس کے تین دن بعد اور وہ ہوش میں نہیں تھے۔ ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ پھر دوسری بار۔"

"مجھے معلوم ہے تم بتا چکی ہو۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"مگر اب اس قید کا کیا مطلب۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُسے لڑکی کے بیان پر اب بھی شبہ تھا۔ دوسری طرف شکیلہ کچھ خوفزدہ سی نظر آنے لگی تھی۔ وہ بار بار کچھ کہنے کا ارادہ کرتی مگر پھر خاموش رہ جاتی، حمید اُسے محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے اس سے کچھ پوچھا نہیں۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہ کر سوچتا رہا اور پھر یہ فیصلہ کیا۔ بیکار نہ بیٹھنا چاہئے کچھ نہ کچھ شروع کر دینے کے بعد ہی ان معاملات میں شکیلہ کی پوزیشن واضح ہو سکتی ہے۔ وہ اُس کے متعلق یقین اور شبہے کی کشمکش میں مبتلا نہیں رہنا چاہتا تھا۔

وہ اٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہاں بہت ہی معمولی قسم کا فرنیچر نظر آ رہا تھا۔ چھ کرسیاں تھیں اور ایک بڑی میز جس میں متعدد درازیں تھیں۔ غالباً وہ لکھنے کی میز تھی کیونکہ اُس پر قلم ان کچھ کاغذات اور شیشے کے دو تین پیپر ویٹ رکھے ہوئے تھے۔ میز کے بائیں جانب ایک الماری تھی جس میں بڑا سا قفل لٹکا ہوا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے لگا۔ ان پر تحریریں تھیں لیکن حمید نہیں سمجھ نہیں سکا کیونکہ وہ کسی ایسی زبان میں تھیں جس سے وہ قطعی نابلد تھا ویسے حروف رومن ہی کے تھے۔ انگریزی کے علاوہ حمید فرنچ اور جرمن بھی جانتا تھا۔ لیکن وہ تحریریں نہ تو فرنچ میں تھیں اور نہ جرمن میں۔

وہ میز پر جھکا دوسری چیزیں بھی دیکھتا رہا لیکن لڑکی کی طرف سے غافل نہیں ہوا۔ دفعتاً اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور چونک کر مڑا۔ لیکن اس کمرے کے سارے دروازے بند تھے مگر شاید اس سے ملا ہوا کوئی دوسرا کمرہ بھی تھا کیونکہ ایک دروازے کے اُدھر سے قدموں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"کیا وہ ہوش میں آ گئے۔" کسی نے انگریزی میں پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" دوسری آواز آئی۔ "اب دیکھیں گے۔"

حمید بڑی پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور شکیلہ کو بھی اپنی تقلید کا اشارہ کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور کسی نے کہا۔ "مگر یہ فریدی تو نہیں ہے۔"

"اس کا اسسٹنٹ ہے۔" جواب دیا گیا۔ "یہ محض اتفاق ہے کہ وہ نہیں پھنس سکا اور لڑکی پھر بیچ میں آ کودی۔ ہمیں یقین تھا کہ یہ فریدی کو حالات سے مطلع کر دے گی اور پھر یہ دونوں اس مکان میں داخل ہوں گے۔ مگر یہ لڑکی۔"

"کیا تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔"

"نہیں.... ضروری نہیں ہے کہ ہم ہر وقت حکم ہی کے منتظر رہا کریں۔"

"تم نے ایک زبردست غلطی کی ہے، اگر ان لوگوں کو چھیڑا تھا تو دونوں کو لائے ہوتے ورنہ....!" وہ آدمی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

تلاش

کرنل فریدی نے فون کا ریسیور رکھ کر سگار سلگایا۔ دو تین کش لئے اور پھر اُسے ایش ٹرے میں مسلتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "شکیلہ واپس آئی.... اوہ.... ابھی نہیں.... حمید بھی ابھی تک نہیں آئے.... جی ہاں.... میں شکیلہ کی عادتوں سے بخوبی واقف ہوں اسی لئے تشویش ہے.... اور میرا اسسٹنٹ بھی کم شریر نہیں ہے، ویسے آپ مطمئن رہئے۔ آدمی بھی نہیں ہے.... جی نہیں.... اوہ کوئی بات نہیں.... اگر آپ لوگ مطمئن ہیں کہ وہ غیر معمولی حالات کا شکار نہیں ہوئے تو میں بھی مطمئن ہو جاؤں گا۔ ویسے میں نے یہ اقدام آپ کے خاندان کے ایک فرد کی شکایت ہی پر کیا تھا۔ ہاں اگر یہ شکیلہ صاحبہ کی شرارت تو.... خیر چلئے.... درگذر کرتا ہوں.... ویسے انہیں سمجھائیے کہ پولیس سے اس شرارت کا نتیجہ تفریح کی شکل میں کبھی نہیں ظاہر ہوتا۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ ایک ملازم طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے کھڑا تھا۔

"اوہ.... یہیں بھیج دو۔" فریدی نے کارڈ دیکھ کر نوکر سے کہا۔ وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اس نے سگار کیس سے سگار نکالا اور اس کا کونہ توڑ ہی رہا تھا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کمرے میں داخل ہوئی۔

فریدی نے سر کی جنبش سے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا میں اپنی رپورٹ پیش کروں۔" ریکھا نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور.... مگر بعض اوقات تمہارے انداز گفتگو سے تمسخر جھلکنے لگتا ہے۔"

"ارے.... نہیں۔" ریکھا سنجیدہ نظر آنے لگی اور ساتھ ہی کچھ خفیف سی مسکراہٹ بھی۔

"رپورٹ....!" فریدی نے دروازے کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی کار دو بجے تک وہیں دیکھی گئی ہے جہاں آپ نے کھڑی کی تھی لیکن اُس میں

لڑکی تھی۔ یونہی بیکار بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ دو بجے ایک نوجوان وہاں آیا اور کار کو لے گیا۔ لڑکی اس وقت بھی پچھلی نشست پر موجود تھی۔ نوجوان کا حلیہ وہی تھا جو کیپٹن حمید کا ہو سکتا ہے۔ لڑکی کی عمر پندرہ اور بیس کے درمیان ہو گی وہ کشمشی رنگ کی پتلون اور سبز جیکٹ میں تھی۔"

"شکیلہ....!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"لیکن.... آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔"

"پریشانی کی بات۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں واقعات کا علم نہیں ہے۔"

اس نے آج صبح کا واقعہ دہرایا کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "پریشانی کی بات یہ ہے کہ جزیرے میں مجھے ایک بندر کا تعاقب کرنا پڑا۔"

"بندر کا تعاقب.... پریشانی کی بات۔" ریکھا نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں.... وہ معمولی بندر سے بہت بڑا تھا۔ یعنی اس کا قد ساڑھے چار فٹ ضرور رہا ہو گا۔"

"اوہ.... تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جزیرے کے اس بندر کے متعلق میں نے بھی سنا ہے۔ رنگت معمولی بندروں کی سی ہے لیکن قد سے وہ کوئی چھوٹا سا گوریلا معلوم ہوتا ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "اور کیا سنا ہے۔ اُسکے متعلق۔"

غالباً وہ کسی غیر ملکی جہاز سے جزیرے میں کود گیا تھا۔ اکثر و بیشتر لوگوں نے اُسے پکڑنے کی بھی کوشش کی ہے لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ بیضرر لوگوں کے قریب بھی آجاتا ہے اور ان سے سگریٹ بھی مانگتا ہے۔ میں نے تو نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ وہ بالکل آدمیوں ہی کی طرح سگریٹ پیتا ہے۔ دفعتاً فون کی گھنٹی بجی اور فریدی اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کر کے اٹھ گیا۔

ٹیلی فون پر کسی سے ایک طویل گفتگو ہوئی مگر ریکھا اُسے سمجھ نہیں سکی۔ کیونکہ فریدی نے بہت کم سوالات کئے تھے زیادہ تر سنتا ہی رہا تھا۔ پھر اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کار کا پتہ تو چل گیا۔"

"کہاں ہے۔"

"ارجن پورے کے ایک حصے میں۔ یہ لڑکی تو درد سر ہو گئی۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گی۔"

"ضرور....!" ریکھا اٹھتی ہوئی بولی۔ "وہ تو چاہتی تھی کہ کسی طرح فریدی کے ساتھ کچھ وقت گذارنے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔"

وہ باہر آئے۔ حالانکہ گیراج میں دو کاریں اور بھی موجود تھیں۔ لیکن فریدی پیدل ہی چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور وہ ارجن پورے کیطرف روانہ ہو گئے۔

"آپ نے شاید شکیلہ کے متعلق کچھ کہا تھا۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں.... وہ دونوں کار کھڑی کر کے ایک مکان میں گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوسری کار وہاں آئی۔ اُس میں چار آدمی تھے وہ بھی اندر گئے اور تقریباً بیس منٹ بعد دو بڑے اور تھیلے اٹھائے ہوئے باہر آئے اور وہاں سے چلے بھی گئے۔ میری کار ابھی وہیں موجود ہے۔"

"تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ دونوں اب بھی وہیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہاں ان کی گرد بھی نہ ہوگی۔"

"کیوں....!"

"وہ چار آدمی....؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی کہتا رہا۔ "اُس مکان میں ایک اندھی عورت رہتی تھی۔ جسے وہاں لے گئی تھی اُس کے لئے ایک ملازم رکھا بھی تھا۔ شکیلہ روزانہ وہاں جاتی تھی۔ کچھ ہوئے اُس عورت کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کے لوگوں کا بیان ہے کہ شکیلہ اس دن کے بعد سے ہی وہاں نظر آئی تھی۔"

"یہ شکیلہ بڑی عجیب لڑکی معلوم ہوتی ہے۔" ریکھا نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔ ٹیکسی ارجن پورے کے علاقے میں داخل ہوئی اور فریدی راستوں اور گلیوں کے متعلق ڈرائیور کو بتاتا رہا۔ پھر وہ اُسی جگہ پہنچ گئے جہاں فریدی کی لنکن کھڑی تھی سارجنٹ رمیش وہاں موجود تھا۔ فریدی نے ٹیکسی سے اتر کر کرایہ ادا کیا اور سارجنٹ رمیش کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیا وہ چاروں کبھی پہلے بھی یہاں نظر آئے تھے۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آس پاس کے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ چاروں یہاں پہلی بار نظر آئے تھے۔ آدمی جو لڑکی کے ساتھ تھا وہ بھی پہلی ہی بار دیکھا گیا تھا۔"

"تم اندر گئے تھے۔"

"میں آپ کا منتظر تھا۔"

"ٹھیک! اچھا تم دونوں یہیں ٹھہرو۔" فریدی کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

"یہ حضرت بھی آئے دن کوئی نہ کوئی نئی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔" ریکھا نے سارجنٹ رمیش سے کہا۔

"جی ہاں۔" رمیش نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔ ریکھا کا عہدہ اُس سے بڑا

مگر ویسے بھی وہ عورتوں کے معاملے میں بہت ہی برخوردار قسم کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

فریدی نے کچھ دیر بعد دروازے پر آکر ریکھا کو آواز دی اور رمیش کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا جیسے ہی وہ قریب آیا اس نے آہستہ سے کہا۔

"ٹونی سے واقف ہو۔"

"ٹونی....!" رمیش کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "وہ عیسائی جس کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کٹی ہوئی ہے۔"

"ہاں....وہی.... معلوم کرو کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔"

رمیش کے انداز میں ہچکچاہٹ محسوس کر کے اس نے پھر کہا۔ "وہ اس وقت یا تو چائنیز کارنر میں ملے گا یا سنگ سنگ بار میں۔ ان دونوں جگہوں پر نہ ملے تو مجھے اطلاع دینا۔ میں پندرہ منٹ بعد ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملوں گا۔"

رمیش چلا گیا۔ فریدی چند لمحے خاموش کھڑا چاروں طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "یہاں کچھ بھی نہیں ہے سوائے ان نشانات کے۔"

اُس نے صحن کے کچے فرش کی طرف اشارہ کیا۔ مگر ریکھا کو کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔ آخر فریدی بولا۔ "کیا تمہیں یہ نشانات نہیں دکھائی دیتے۔"

"اوہ.... یہ.... کسی چیز سے کہیں کہیں زمین کھودی گئی ہے۔"

"تم انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ فریدی چند لمحے جواب طلب انداز میں مسکراتا رہا پھر بولا۔

"ان چاروں آدمیوں میں ایک ایسا ضرور تھا جسے جوتے کی ایڑی سے زمین کھودتے رہنے کی عادت ہے۔ اِدھر آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔ دالان کا فرش بھی کچا ہے، وہاں بھی تمہیں متعدد جگہ ایسے ہی نشانات ملیں گے۔"

"تو کیا آپ نے اسی سے کوئی نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"ہاں.... شہر کے جرائم پیشہ لوگوں میں سے ایک کو میں جانتا ہوں، جو غیر شعوری طور پر اپنے داہنے پیر کی ایڑی زمین پر مارتا رہتا ہے۔ بس آؤ چلیں۔ میں نے رمیش کو اس کی تلاش میں روانہ کیا ہے۔"

فریدی نے باہر نکل کر مکان کو مقفل کر دیا۔ قفل اور کنجی اندر ہی ملے تھے۔

تھوڑی دیر بعد لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جا رہی تھی اور فریدی کہہ رہا تھا۔ "جب

بھی کسی مجرم کو اسٹڈی کرنے کا موقع ملے اس کی ایسی عادت معلوم کرنے کی کوشش کرو جس کا احساس اُسے خود بھی نہ ہو۔ یہ عادتیں دراصل اضطراری ہوتی ہیں مثلاً بیٹھے بیٹھے یوں ہی بے مقصد پیر ہلانا۔ خلا میں انگلی اٹھا کر اپنے خیالی دستخط بنانا، جوتے کی نوک یا ایڑی سے زمین کھودتے رہنا۔ کاغذ پنسل یا قلم سامنے ہونے پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا یا مخصوص قسم کے نشانات بنانا وغیرہ تم کسی بھی آدمی کو غور سے دیکھو تو تمہیں اُس میں ایسی بہتیری عادات مل جائیں گی، جن کا احساس خود اُسے بھی نہ ہوگا۔ جرائم پیشہ لوگوں کے اضطراری فعل سے ہمیں انکا کھوج نکالنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اب اسی وقت کے معاملے کو لے لو۔ میں جانتا ہوں کہ ٹونی اضطراری طور پر اپنے پیر کی ایڑی سے زمین کھودنے کا عادی ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں وہ بھی رہا ہو۔"

"اور اگر نہ رہا ہو تو۔"

"کوئی بات نہیں۔ سراغ رساں سے معجزے نہیں سرزد ہوا کرتے۔ وہ محض امکانات کے سہارے آگے بڑھتا ہے کہیں دھوکا کھاتا ہے کہیں اُسے کامیابی ہوتی ہے۔"

"لیکن میں نے کبھی آپ کو دھوکا کھاتے نہیں دیکھا۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"میں دھوکا کھانے کے بعد صبر کرنے کا عادی ہوں۔" فریدی بھی جواباً مسکرایا۔ "کم از کم اس کا تذکرہ نہیں کرتا۔"

"میں یقین ہی نہیں کر سکتی۔"

فریدی مسکراتا رہا پھر بولا۔ "اگر وہ ٹونی ہی ہے تو مجھے ایک اور آدمی کو چیک کرنا ہے جو ان دنوں اُس کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا جاتا رہا ہے۔ اسی لئے میں ہائی سرکل نائٹ کلب جا رہا ہوں۔"

شام کے پانچ بج چکے تھے اور اب کچھ کچھ خنکی ہو چلی تھی۔

"تم نے اس بندر کو کبھی دیکھا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں.... میں نے صرف سنا ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے فن آئی لینڈ جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"تم اسے دیکھ چکی ہو۔" فریدی نے بڑے اعتماد سے کہا اور ریکھا اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔ "تم اسے دیکھ چکی ہو۔ کیا تمہیں وہ چار فٹ اونچا بندر یاد نہیں جسے تم نے چائینز کارنر میں دیکھا تھا۔"

"نہیں....!" ریکھا بے ساختہ اچھل پڑی۔ "آپ فنچ کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے۔"

"ہاں، وہ بندر فنچ ہی تھا۔"

"مگر وہ بندر کسطرح ہو سکتا ہے۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ جزیرے والا بندر سوٹ بھی پہنتا

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ میری آنکھیں بہت کم دھوکا کھاتی ہیں اور اب تو میرے پاس فنچ کے متعلق بہتیری معلومات ہیں۔ وہ نیو میکسیکو کا باشندہ ہے اور نسلاً پرتگالی ہے۔ جانوروں کا بہروپ بھرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ نیو میکسیکو میں اس کا ذریعہ معاش یہی تھا وہ سنتانے کے ایک سرکس ملازم تھا۔"

ریکھا خاموشی سے سنتی رہی۔ فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا "اور ڈاکٹر ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر بھی سنتانے ہی تھا۔"

"آہا.... پھر وہی ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"ہاں.... اب وہ ساری دنیا میں اپنی قوت آزماتا پھر رہا ہے۔ یہاں فنچ کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں مقیم ہے۔"

"اوہ.... ہاں.... سفارت خانے والے کیس میں یہ بات سامنے آئی تھی کہ فنچ اور ڈاکٹر ڈریڈ بھی یہیں ہیں۔"

"یہ فنچ جیسا بے حقیقت آدمی ڈاکٹر ڈریڈ سے کیسے ٹکرا گیا۔"

"اوہ.... کیا تم اسے اس کے حقیر سے قد کی بناء پر بے حقیقت کہہ رہی ہو۔" فریدی بولا۔ "یقیناً اس کا قد اور جثہ ہی تمہارے ذہن میں ہے مگر اسے ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمی کی حقیقت اس کا جسم نہیں بلکہ دماغ ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آدمی کا دماغ ہی اُسے سربلند کرتا ہے۔ دنیا اُس کے قدموں پر جھکتی ہے اور جب یہی دماغ ناکارہ ہو جاتا ہے تو قدموں پر جھکنے والے اسی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو پکڑ کر کسی پاگل خانے میں بند کر دیتے ہیں اور وہاں دو پیسے کے آدمی اس پر ڈنڈے برسایا کرتے ہیں۔ اوہ.... میں بہک گیا.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ فنچ جسمانی اعتبار سے ایک حقیر کیڑا سہی لیکن ذہنی صلاحیتوں کا یہ عالم ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا خطرناک آدمی بھی آج تک اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔

فریدی کی لنکن ہائی سرکل نائٹ کلب میں داخل ہو رہی تھی۔ فریدی نے پورچ کے قریب اُسے روک کر انجن بند کیا اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔

منیجر اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر جہاں تھا وہیں رک گیا پہلے تو اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے مگر پھر اُس نے مسکرا کر ایک شعر پڑھا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت

"ہزاروں بار سن چکا ہوں۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "اندر چلو۔"

منیجر کے چہرے پر پھر ذہنی انتشار کی پرچھائیاں نظر آنے لگیں۔

"تشریف رکھئے جناب والا۔" اس نے الٹے پاؤں اپنے دفتر میں داخل ہو کر کہا۔

"قیام کرنیوالے گاہکوں کا رجسٹر لاؤ۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ اس نے ریکھا کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"لیکن اپنے قیام کے وہ خود ذمہ دار ہوتے ہیں جناب۔" منیجر نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "کسی کی پیشانی پر کچھ لکھا نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" فریدی نے رجسٹر لینے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

منیجر بڑبڑاتا رہا۔ "میرا تو دل چاہتا ہے کہ یہ کاروبار بند ہی کردوں۔ خواہ مخواہ اپنی حیثیت بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے، مگر پھر میرے اہل وعیال کا کیا ہوگا۔ بقول شاعر

ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا

فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رجسٹر کے اوراق الٹتا رہا۔ ریکھا بھی رجسٹر پر جھکی ہوئی تھی۔ ایک صفحے کو وہ دیر تک دیکھتا رہا پھر رجسٹر بند کر کے اُسے میز پر ڈالتا ہوا بولا۔ "نہ تم مرو گے اور نہ رسوا ہوگے، ویسے غرق دریا ہونا چاہتے ہو تو پھر وہی اپنا پرانا کاروبار شروع کردو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں سانس لینے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔"

"میں نے عہد کیا ہے جناب کہ بقیہ زندگی یادِ الٰہی میں گذاردوں گا۔" منیجر ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ منیجر نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "آپ کا فون ہے جناب....!"

فریدی نے ریسیور لے کر ماؤتھ پیس میں کہا۔ "رمیش۔"

"جی ہاں وہ چائنیز کارنر میں نہیں ملا۔ میں اب سنگ سنگ بار کی طرف جارہا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب مجھے ریالٹو میں فون کرنا۔" فریدی نے کہا اور ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ پھر ریکھا کی طرف دیکھ کر بولا۔ "آؤ۔" اور منیجر سے کہا۔ "تم ہر معاملے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ یعنی کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گے کہ میں نے تمہارا رجسٹر چیک کیا تھا سمجھے!"

"بہت بہتر جناب۔ آپ مجھ پر اعتماد کیجئے۔"

وہ باہر آئے۔ فریدی نے کہا۔ "دوسری منزل پر کمرہ نمبر تیرہ میں چارلس براؤن نام کا ایک امریکی مقیم ہے۔ اس پر نظر رکھو۔ آدمی کی ضرورت ہو تو ہیڈ کوارٹر سے طلب کرلو۔ کیونکہ اس سے ملنے جلنے والوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"چارلس براؤن۔" ریکھا نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے اسی آدمی کیساتھ ٹونی کو دیکھا تھا۔"

"ہاں.... بس اب ہال میں جاؤ۔"

فریدی ریکھا کو وہیں چھوڑ کر کیفے ریالٹو کی طرف روانہ ہوگیا۔

ریالٹو ایک بڑا اور شاندار کیفے تھا۔ فریدی وہاں پہنچ کر سیدھا بار کے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ بار مین شائد اُسے پہچانتا تھا۔ اس نے بڑے ادب سے اُسے سلام کیا۔

"تم کیپٹن حمید کو بھی پہچانتے ہو۔"

"جی ہاں.... میں انہیں پہچانتا ہوں۔"

"پچھلی رات اُس نے یہیں شراب پی تھی۔"

"نہیں! حضور.... وہ تو بہت عرصہ سے یہاں تشریف نہیں لائے۔"

"گیسپر کہاں ملے گا۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ بار ٹنڈر نے ریسیور اٹھایا اور پھر اسے فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"ہیلو....!" فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"میں رمیش ہوں۔ اس کا سنگ سنگ بار میں بھی پتہ نہیں چل سکا۔"

"خیر اب تم وہاں جاؤ جہاں تھوڑی دیر پہلے مجھے فون آیا تھا۔ وہاں تمہاری ضرورت ہے۔ اگر ضرورت ہوئی تو وہیں تمہیں فون کروں گا۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر بار مین سے کہا۔ "تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ اس سے غرض نہیں ہے کہ وہ ریالٹو میں کب سے نہیں آیا۔"

"اوہ.... آپ اس کی قیام گاہ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آج سے دو ماہ قبل وہ کیفے شبستان کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا تھا۔ اس کے بعد کی اطلاع مجھے نہیں ہے۔ ایک بار وہ اتنی زیادہ پی گیا تھا کہ اپنے پیروں پر کھڑا بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ میری ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اسے اس کی قیام گاہ تک پہنچادوں۔ اس طرح مجھے وہاں تک پہنچنے کا اتفاق پیش آیا تھا۔"

فریدی مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "وہ کسی جرم میں ماخوذ نہیں ہے۔ مجھے بس اس سے ایک تیسرے آدمی کے متعلق تھوڑی سی معلومات حاصل کرنی ہیں ویسے بھی تم جھوٹ بول کر خسارے ہی میں رہو گے۔ میں اس یقین کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ تم مجھے صحیح پتہ بتادو گے۔"

"میں ایسے آدمیوں سے بہت ڈرتا ہوں جناب۔ اگر اُسے معلوم ہوگیا کہ اس کا پتہ میں نے بتایا تھا تو....!"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ اُسے نہیں معلوم ہو سکے گا۔ ہاں! اگر تم خود ہی میرے جانے کے بع اُسے فون کر بیٹھنے کی حماقت کر ڈالو تو۔۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔! میں پاگل نہیں ہوں جناب۔"

"میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں۔"

"دیکھئے۔" بارٹنڈر آہستہ سے بولا۔ "گیسپر آج کل ٹونی کے ساتھ رہ رہا ہے۔ ٹونی کو آ جانتے ہی ہوں گے اور ٹونی وہاں رہتا ہے۔۔۔۔ کیا نام ہے۔۔۔۔ اس کا۔۔۔۔ گرٹروڈ اسکوائر میں۔ پندرہ گرٹروڈ اسکوائر۔"

فریدی چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "اپنی زبان بند ہی رکھنا۔"

"بہت بہتر جناب۔ مجھے اپنی زندگی اس عمر میں گراں نہیں گزرتی۔"

فریدی ریالٹو سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھا اور اب وہ گرٹروڈ اسکوائر کی طرف جا رہا تھا۔ وہا پہنچ کر بھی اس نے بارمین کے بیان کی تصدیق کی اور پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت اس حصے کے سامنے موجود تھا جہاں ٹونی رہتا تھا۔

اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے!" اندر سے کوئی دھاڑا۔

فریدی نے انگریزی میں کچھ کہا۔ لہجہ آئرلینڈ والوں کا سا تھا۔ اکھڑا، اکھڑا اور اکھڑ سا۔

دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک آدمی اور تھا اور دونوں کی نظریں فریدی کے ریوالور پر تھیں وہ اندر گھستا چلا گیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ ا اٹھا لئے تھے۔

"شرافت کی زندگی میں بھی آپ چین نہیں لینے دیتے۔" ٹیڑھی ناک والے دراز قد آ نے کہا۔ یہی ٹونی تھا۔

"شرافت کی زندگی۔" فریدی نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم یہ سمجھتے ہو کہ غیر قانونی حرکت کر کے محفوظ رہو گے۔"

"کیسی غیر قانونی حرکت۔" گیسپر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

فریدی نے اس جملے کی طرف دھیان دیئے بغیر ٹونی سے پوچھا۔ "کیا تم کیپٹن حمید کو پہچانتے ہو"

اس نے دونوں کے چہروں پر سراسیمگی کے آثار دیکھے۔

وحشت

حمید چپ چاپ پڑا رہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ شکیلہ بھی اسی کی طرح بے حس و حرکت پڑی ہوئی ہے۔ دفعتاً دوسرے آدمی نے کہا۔ "یہ سر فیاض کی پوتی ہے۔ آج صبح یہ ان دونوں کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ پھر وہاں سے جزیرے تک لائی تھی۔"

"اوہ۔۔۔۔!" دوسرے آدمی نے تھوڑے توقف کے ساتھ کہا۔ "تو کیا وہ کچھ جانتی ہے۔"

"یقیناً ورنہ حالات ایسے کیوں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے۔ اچھا فی الحال انہیں یہیں چھوڑو۔"

انہوں نے دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں۔ دروازہ بند ہو چکا تھا۔ کچھ دیر تک حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پھر شکیلہ اچھل کر بیٹھ گئی۔

حمید اسی حالت میں چت پڑا رہا لیکن اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"آپ نے سنا۔" شکیلہ آنکھیں پھاڑ کر آہستہ سے بولی۔

"سن لیا۔" حمید نے بیزاری سے کہا۔ "سر فیاض کے متعلق سنا گیا ہے کہ وہ کسی ڈرامے کو حقیقت کا رنگ دینے کے سلسلے میں ہزاروں خرچ کر دیا کرتے ہیں۔"

"اب میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔" شکیلہ جھلا کر بولی۔ "آپ کو کسی طرح یقین ہی نہیں آتا۔"

"تمہیں سر پیٹتے دیکھ کر مجھے عبرت ہو گی۔ ضرور پیٹو۔"

"اچھی بات ہے۔ دیکھ لوں گی۔" شکیلہ دانت پیس کر رہ گئی۔

کمرے میں اندھیرا پھیل گیا تھا۔ حمید نے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھ کر روشنی کر دی۔ پھر فرش پر اکڑوں بیٹھتا ہوا بولا۔ "کیا اب میں تمہیں کھاؤں۔"

"کیوں! کیا مطلب۔۔!"

"بھوک لگ رہی ہے۔"

شکیلہ کچھ نہ بولی۔ بولتی بھی کیا۔ اُسے تو دوپہر کا کھانا بھی نہیں نصیب ہوا تھا۔ حمید نے جزیرے والے ریستوران میں جھینگے کھائے تھے اور کافی پی تھی۔

"یہاں کب تک اس طرح پڑے رہیں گے۔" شکیلہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"خط استوا پر کافی گرمی پڑتی ہے اور روزانہ بارش ہوتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس وقت

جغرافیہ یاد آرہا ہے۔"

شکیلہ اُسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

حمید بڑبڑاتا رہا۔ "میں نے چھٹویں کلاس میں پڑھا تھا کہ کنگرو اور اود بلاؤ میں صرف سمجھ کا ف
ہے اگر تم اود بلاؤ کو کنگرو کہو تو حکومت کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ بین الاقوامی سیا
میں زیادہ تر اود بلاؤ ہی دلچسپی لیتے ہیں، میرے والد صاحب آج کل بہت اداس ہیں کیونکہ ان
پانچویں شادی سوئیز کینال پر حملے کی بناء پر رک گئی۔ اسلئے میرا خیال ہے کہ بین الاقوامی سیا
محض بنڈل ہے۔ بھیڑیئے بھیڑوں کے نگہبان بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تیندوے اور چیتے کہتے
کہ نہیں یہ فرض منجانب اللہ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ بھیڑیئے تو بھیڑوں کے کھلے ہوئے د
ہیں۔ ہم ثقافتی اعتبار سے بھیڑوں سے بہت قریب ہیں اور اب ہم گھاس کھانے کی بھی پر
کررہے ہیں۔ تم میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ آنکھیں بند کرو۔ ورنہ میں تمہیں چیر پھاڑ کر کھا جاؤں گا۔

شکیلہ ہنس پڑی مگر انداز میں بے بسی تھی۔

"ہنستی ہے۔" حمید دہاڑا۔ "مجھے اُلو کا پٹھا سمجھتی ہے۔"

شکیلہ یک بیک سہم گئی۔ اسے حمید کی آنکھیں ڈراؤنی معلوم ہونے لگیں کیونکہ اُن
وحشت تھی۔

"کیا سمجھتی ہے۔" حمید پھر دہاڑا۔

"آپ تمیز سے گفتگو کیجئے نا۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمیز سے.... شٹ اپ۔" اس نے اس کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا اور بال پکڑنے
لئے ہاتھ بڑھایا تھا کہ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور پیچھے ہٹی۔ حمید نے اس پر چھلانگ لگائی
درمیان میں ایک کرسی تھی وہ اسی پر ڈھیر ہو گیا۔ شکیلہ چیختی ہوئی دروازے کی طرف بھاگی۔

"ارے بچاؤ.... بچاؤ۔" وہ دروازہ پیٹ پیٹ کر چیخنے لگی۔ ادھر حمید نے ایک کرسی اٹھائ
اس پر پھینک ماری۔ جو اس کے قریب ہی دیوار سے ٹکرا کر فرش پر گئی، شکیلہ پھر اچھلی اور حلق
پھاڑ کر چیخنے لگی۔ حمید نے دوسری کرسی اٹھائی۔

"ارے.... بچاؤ.... ارے مری.... ی ی۔"

کرسی اس کے قریب ہی گری اور وہ پھر اچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔ تیسری کر
بچ اس پر پڑی ہوتی اگر وہ ذرا سی بھی غفلت کرتی۔ وہ پھر دروازہ پیٹنے لگی، حمید وحشیانہ انداز میں
رہا تھا۔ "پتلون پہنتی ہو۔ مجھے غصہ دلاتی ہو یہیں مار مار کر دفن کر دوں گا۔"

کسی نے دروازہ کھولا اور شکیلہ اچھل کر اس پر جا پڑی۔

"وہ پاگل ہو گیا ہے۔ بچاؤ۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"یہ خود پاگل ہو گئی ہے۔ اس کے قریب نہ جانا۔ یہ مخمل کھاتی ہے۔" حمید نے بندروں کی
طرح اچھل کر کہا پھر اس نے اس آدمی پر بھی کرسی کھینچ ماری۔ لیکن وہ دروازے سے گزر جانے
کی بجائے اس کے اوپری حصے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑی۔

دروازہ بند کر دیا گیا۔ حمید تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن اس نے اپنا شغل جاری رکھا۔ میز سے دوات
اٹھائی اور اس میں انگلی ڈبو ڈبو کر دیواریں خراب کرنے لگا۔ وہ لکھ رہا تھا۔ "اور جب وہ زمین پر آیا تو
یہ زمین جنت بن گئی لیکن فرشتوں نے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ فرشتوں نے اس کا سارا اثاثہ لوٹ
لیا۔ وہ پھر واپس آئے گا۔"

دوسری جگہ لکھا۔ "بہت جلد آرہا ہے۔ پیار کا ہنڈولا۔ اداکارہ ثریا، گوپ، شیخ مختار،
برٹرانڈرسل، اسٹیفن اسپنڈر، پبلو نرودا، ککو، ناصر خاں۔"

تیسری جگہ لکھنے لگا۔ "جب دنیا کا خاتمہ ہونے لگے گا جب تم بے یار و مددگار ہو گے.... سینما
کی کھڑکی کے نیچے بہت لمبی لائن ہو گی۔ تمہیں بلیک سے ٹکٹ خریدنے پڑیں گے۔ اس دن تمہیں
کانن بالا یاد آئے گی۔ مادھوری یاد آئے گی۔ امیر کرناٹکی یاد آئے گی۔ ماسٹر نثار ہارمونیم بجائے گا۔
ماسٹر وٹھل کی ٹھائیں ٹھائیں ہو گی۔ انقلاب زندہ باد۔"

پھر اس نے اس قسم کی گالیاں لکھنی شروع کر دیں جیسے اکثر پبلک پیشاب خانے میں نظر آتی
ہیں۔ اس نے میز الٹ دی۔ اس پر رکھی ہوئی چیزیں چاروں طرف بکھر گئیں اور وہ اُن پر کرسیاں
پٹخ پٹخ کر انہیں چور کرنے لگا۔

یک بیک دروازہ کھلا اور پانچ آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ یہ دیسی ہی تھے۔ حمید نے اپنا
شغل جاری رکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے ان کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔

"کیا کر رہے ہو تم....!" ایک نے گرج کر کہا۔

حمید کے ہاتھ رک گئے، وہ ان کی طرف مڑا۔ چند لمحے انہیں قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا
پھر یک بیک کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

"میں برلن کو تباہ کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "یہ دیکھو۔ یہ ہٹلر کی لاش ہے۔ مگر وہ حرام
زادی فرار ہو گئی۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو۔ کیا میرا پیغام مسٹر چرچل تک پہنچا دو گے۔"

وہ لوگ دیوار کی تحریریں دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"یہ تو خواہ مخواہ پاگل ہو گیا۔" ایک نے کہا۔

"تم خود پاگل ہو گئے ہو سالے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "میں برطانیہ کا وزیراعظم ایڈن ہوں۔"

"وزیراعظم صاحب ہم آپ کا جلوس نکالیں گے گھبرائیے نہیں۔"

حمید نے ہاتھ اٹھا کر تقریر کرنے کے سے انداز میں کہنا شروع کیا۔ "مجھے آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے، میری حکومت کوشش کر رہی ہے کہ آپ کی ساری شکایات رفع کر دی جائیں، مگر اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ بھوکے رہنے سے معدہ کبھی خراب نہیں ہوتا اور ننگے رہنے سے جسم میں قوت آتی ہے۔ ہر وقت کھلی اور تازہ ہوا نصیب ہوتی ہے اس لئے خود بھی ننگے رہئے اور اپنے بال بچوں کو بھی ننگا رکھئے.... دانتوں میں درد ہو پانی لگتا ہو، مسوڑھوں سے پیپ آتی ہو کالے خان کا منجن استعمال کیجئے، جمے ہوئے دانت ہل جائیں گے، ہاتھ اٹھا کر مانگئے.... چار آنے.... چار آنے.... چار آنے.... اب میرے پاس ایک دوسرا سانپ ہے۔ یہ سانپ ہزار برس کے بعد اڑتا ہے۔ اُڑ کر صندل دیپ چلا جاتا ہے۔ صندل کے جھاڑ میں لپٹ کر ایک ہزار سال تک پروردگار کی عبادت کرتا ہے۔ پھر وہ پاک بے نیاز اُسے ایک حسین و جمیل عورت بنا دیتا ہے۔ جمیل احمد میرے ماموں زاد خالو کا نام ہے۔ کچہری میں واصل باقی نویس ہیں۔ نانا فرنویس سے ان کا کوئی رشتہ نہیں۔ دشمنوں نے اڑائی ہو گی۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک ٹھمری سناتا ہوں۔"

حمید نے ٹھمری شروع کر دی اور دو یا تین منٹ تک گاتا رہا۔ ان آدمیوں میں کچھ دیر سرگوشیاں ہوتی رہیں۔ پھر ایک باہر چلا گیا۔

حمید اب خاموش ہو کر سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ باہر جانے والا آدمی کچھ دیر بعد واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریشم کی ڈور کا ایک لچھا تھا۔ وہ آگے بڑھے اور انہوں نے حمید کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حمید کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا وہ اب بھی اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔

انہوں نے اس کے ہاتھ سینے سے ہٹا کر پشت پر کر دیئے اور انہیں ریشم کی ڈور سے باندھنے لگے، لیکن حمید نے جنبش بھی نہ کی، اسی طرح آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"چلئے وزیراعظم صاحب۔" ایک نے اُسے دھکا دیا اور حمید چلنے لگا۔ لیکن اس کا رخ دروازے کی بجائے دیوار کی طرف تھا۔

"ارے اس کی تو آنکھیں بند ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"آنکھیں کھول دیجئے وزیراعظم صاحب۔" دوسرا بولا۔

"۱۹۵۷ء وزیراعظم کے لئے آنکھیں بند رکھنے کا سال ہے۔" حمید نے جواب دیا۔

"چلو....!" اُسے شانے سے پکڑ کر دھکیلا جانے لگا۔ اس طرح وہ اسے ایک دوسرے کمرے میں لائے یہاں شکیلہ موجود تھی۔ اس کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے جنہوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ اس کے برعکس جو لوگ حمید کو اس کمرے میں لائے تھے کہیں بھی پہچانے جا سکتے تھے کیونکہ ان کے چہروں پر نقابیں نہیں تھیں۔

"کیا قصہ ہے۔" نقاب پوشوں میں سے ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

"یہ پاگل ہو گیا ہے۔" جواب دیا گیا۔

"کیوں....!"

"کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جناب۔ کوئی سختی بھی نہیں کی گئی۔"

حمید آنکھیں بند کئے کھڑا رہا۔

"تم بتاؤ۔ کیا بات ہے۔" نقاب پوش نے شکیلہ سے پوچھا۔

"اس نے یک بیک مجھ پر کرسیاں پھینکنی شروع کر دی تھیں۔"

"تم ان لوگوں کو اپنے گھر کیوں لے گئی تھیں۔"

"اوہو! تو میں اب سمجھی۔" شکیلہ نے بڑی دلیری سے کہا۔ "تو وہ تمہیں لوگ ہو جو ہمیں دھمکیاں دیتے رہے ہو۔"

"کیسی دھمکیاں۔"

"یہی کہ اگر ایک لاکھ روپیہ ادا نہ کیا گیا تو تم ہم میں سے کسی کو اغوا کر کے جان سے مار دو گے۔"

"یہ بکواس ہے۔" نقاب پوش نے کہا۔

"پھر ہمیں اغوا کیوں کیا گیا ہے۔"

نقاب پوش کچھ نہ بولا۔ وہ دوسروں کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو تم اسی لئے انہیں اپنے ساتھ گھر لے گئی تھیں۔" دوسرے نقاب پوش نے پوچھا۔

"ہاں میں نے انہیں وہ خط دکھائے تھے۔"

"لیکن تم انہیں یہاں کیوں لائی تھیں۔"

"کہاں!" شکیلہ نے پوچھا۔

"فن آئی لینڈ میں۔"

حمید نے جھرجھری سی لی گویا وہ فن آئی لینڈ ہی کی کسی عمارت میں تھے۔ "میرا خیال ہے کہ

ہمیں دھمکیاں دینے والے فن آئی لینڈ ہی میں رہتے ہیں کیونکہ ایک خط مجھے یہاں بھی ملا تھا۔ ایک دن سیر کے لئے آئی تھی کہ ایک چھوٹے سے بچے نے مجھے لفافہ دیا اور دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ یہ خط انہیں لوگوں کی طرف سے تھا۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر نقاب پوش نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اسے کسی خالی کمرے میں بند کر دو۔ غالباً یہ سنتھلک گیس کا اثر ہے۔ جو خود ہی زائل ہو جائے گا۔"

حمید کو پھر دھکیلا جانے لگا۔ لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

دوستوں کی دشمنی

فریدی انہیں گھورتا رہا وہ دم بخود کھڑے تھے آخر ٹونی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر مسکرایا

"میں انہیں پہچانتا ہوں کرنل صاحب۔" اس نے کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے۔ میں جھوٹ نہیں سنوں گا۔"

ٹونی نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن فریدی کی عقابی نظروں کو دھوکا دینا آسان نہیں تھا۔

"تم اس پر حیرت ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ خواہ مخواہ..." گیسپر بول پڑا "کوئی الزام رکھ کر ستانا چاہتے ہوں تو بات ہی دوسری ہے"

فریدی کا الٹا ہاتھ اسکے منہ پر پڑا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے منہ سے ایک گندی سی گالی نکلی۔ لیکن اسی انداز میں جیسے وہ گالی اس دیوار کو دی گئی ہو جس سے وہ ٹکرایا تھا۔

فریدی ٹونی کی طرف متوجہ ہو گیا، جو بہت بُرا سا منہ بنائے کھڑا تھا، جو احساس تنفر اور خوف ہی کا نتیجہ ہو سکتا تھا۔

"بتاؤ کیپٹن حمید.... اور وہ لڑکی کہاں ہیں۔" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"میں کیا جانوں۔ آپ خواہ مخواہ ظلم پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

"کیا تم آج دوپہر کو ارجن پورہ نہیں گئے تھے۔"

"گیا تھا۔ مگر اس سے کیا۔"

"میں مندر کے سامنے والے مکان کی بات کر رہا ہوں۔"

"کون سا مندر۔ میں کسی مکان میں نہیں گیا تھا۔ اُدھر سے گذر ضرور تھا۔ یقیناً آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ریوالور جیب میں رکھ لیجئے مجھے بتایئے کیا معاملہ ہے کیا آپ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا بھی موقع نہیں دیں گے۔"

"موقع ضرور دیا جائے گا۔" فریدی نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس دوران میں حمید یا اُس لڑکی کو کوئی گزند پہنچا تو میں شارع عام پر تم دونوں کو ذبح کر دوں گا۔"

ٹھیک اسی وقت گیسپر نے فریدی پر چھلانگ لگائی۔ لیکن شاید فریدی نے اُسے چاقو نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اپنی مخصوص قسم کی تفریح کے موڈ میں بھی تھا۔

گیسپر کو نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ کس طرح فریدی پر سے اچھلتا ہوا ٹونی پر جا پڑا تھا۔ دونوں زمین پر ڈھیر ہو گئے اور ٹونی کی چیخ سے کمرہ جھنجھنا اٹھا۔ کیونکہ گیسپر کا چاقو اس کے بازو میں پیوست ہو گیا تھا۔

پھر ٹونی نے اُس کے سینے پر اس زور کی لات رسید کی کہ وہ کئی فٹ دور جا گرا۔ فریدی انہیں اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے دو مرغے لڑ پڑے ہوں۔

ٹونی اپنا بازو پکڑے ہوئے لڑکھڑاتا ہوا اٹھا۔ انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ گیسپر شاید ہوش ہی میں تھا۔ لیکن اس حماقت کے بعد اُس نے یہی مناسب سمجھا کہ چپ چاپ آنکھیں بند کئے پڑا رہے۔

"پھر نہ کہنا کہ میں نے تمہیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"کرنل.... یہ گیسپر بالکل اُلو کا پٹھا ہے۔" ٹونی کراہا۔

"چاقو اب بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔" فریدی بولا۔ "اس بار کہیں یہ تمہارے سینے ہی میں نہ اتر جائے۔"

ٹونی نے آگے بڑھ کر غصے میں دو لاتیں گیسپر کے رسید کیں اور گیسپر سچ مچ اس پر چڑھ دوڑا۔ اگر ٹونی اپنا زخمی بازو چھوڑ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو فریدی کی پیشینگوئی پوری اترتی۔

اس نے کسی نہ کسی طرح چاقو گیسپر کے ہاتھ سے نکال دیا۔ لیکن وہ اب بھی جنگلی بھینسوں کی طرح لڑ رہے تھے۔ چاقو ان سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ اور ان سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ کسی طرح چاقو اس کے ہاتھ لگ جائے۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور وہ انہیں بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ جنگ طویل ہوتی جا رہی تھی۔ آخر فریدی نے آگے بڑھ کر چاقو اٹھا لیا اور اُسے بند کر کے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "اب تم دونوں علیحدہ ہو جاؤ.... ورنہ مجھے اپنا فرض ادا کرنا پڑے گا۔"

لیکن اس کے باوجود بھی دونوں گتھے رہے۔ فریدی نے گھونسے مار مار کر انہیں الگ کیا۔

"یہ.... کرنل.... یہ سور کا بچہ۔" ٹونی گیسپر کی طرف انگلی اٹھا کر ہانپتا ہوا بولا۔ "جا .... کہ کیپٹن اور لڑکی کہاں ہیں۔"

گیسپر نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا۔

"ہاں ٹونی تم بیان جاری رکھو۔ نہیں.... ٹھہرو.... اندر چلو۔"

ٹونی جھومتا ہوا آگے بڑھا۔ فریدی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور اسے دھکیلتا ہوا دو کمرے میں لے جانے لگا۔

"تم اگر چاہو تو سانس درست کرنے کے لئے کچھ پی سکتے ہو ٹونی۔"

"شکریہ جناب۔" اس نے میز پر رکھی ہوئی بوتل سے گلاس میں بیئر انڈیلی اور د سانسوں میں گلاس خالی کر دیا۔ پھر ایک کرسی میں گرتا ہوا بڑبڑایا۔ "یہ سور کا بچہ مجھے دھوکا لے گیا تھا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ آپ لوگوں کا معاملہ ہے تو میں گھر سے قدم ہی نہ نکالتا۔"

فریدی نے گیسپر کی گردن چھوڑ دی تھی اور اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"اس نے کہا کہ ارجن پورے کے ایک مکان سے شاید دو آدمیوں کو اٹھانا پڑے کسی آدمی کا کام ہے، اس لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یقین کیجئے مجھے ابھی آپ سے یہ معلوم ہوا ہے کیپٹن اور کوئی لڑکی تھے۔ میں صحن میں تھا اور انہوں نے کوٹھری سے دو بڑے بڑے تھیلے تھے۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"کیوں....!" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کیا۔

"یہ جھوٹا ہے۔"

"اٹھو۔" ٹونی اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"اٹھو نا.... اس بار تمہاری پسلیاں توڑ دوں گا۔"

فریدی کا تھپڑ پھر اس کے منہ پر پڑا اور وہ فریدی سے لپٹ پڑا۔

گیسپر بھی اچھی خاصی جسمانی قوت رکھتا تھا۔ مگر فریدی نے تین ہی منٹ میں اس کے بل نکال دیئے اور پھر جب ٹونی ہی نے اُسے زمین سے اٹھایا تو وہ اٹھ سکا۔

وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا بُری طرح ہانپ رہا تھا اور منہ سے بہتے ہوئے خون کو بار بار آ سے خشک کرنے لگتا تھا.... فریدی کھڑا اُسے گھورتا رہا۔

"گیسپر!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس چھت کے نیچے تمہاری موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔"

گیسپر نے میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے جھکتے ہوئے زبان نکالی جس سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ وہ کسی مرتے ہوئے کتے کی طرح ہانپ رہا تھا اور اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

"ٹونی۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ تم بھی زخمی ہو لیکن پھر بھی میں تمہیں تکلیف دے رہا ہوں اس کا منہ صاف کر کے اسے پینے کے لئے کچھ دو۔"

"برانڈی؟" ٹونی نے پوچھا۔

"ہاں.... شکریہ۔"

ٹونی نے جگ میں پانی لا کر اس کا منہ صاف کیا۔ گیسپر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ پھر ٹونی نے ایک گلاس میں اسے برانڈی دی جسے وہ ایک ہی سانس میں حلق سے نیچے اتار گیا۔

"میں اپنی راہ میں آنے والوں سے نپٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے گیسپر کو مخاطب کرتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا۔ "تمہیں صرف پانچ منٹ دیئے جاتے ہیں چھٹویں منٹ پر تم اس دنیا میں تو نہیں ہو گے اور میں جس طرح یہاں پہنچا ہوں اسی طرح وہاں بھی پہنچ سکتا ہوں جہاں وہ دونوں لے جائے گئے ہیں۔ کیا تم سن نہیں رہے ہو۔"

"سن رہا ہوں۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "سب کچھ سن رہا ہوں۔ لیکن اب تم مجھے مار ہی ڈالو۔"

"یہ کام میں انجام دوں گا۔" ٹونی غرا کر کھڑا ہو گیا۔ "میں نے تجھ پر احسان کیا، رہنے کو جگہ دی، قرض خواہوں سے بچایا اور تو نے یہ بدلہ دیا۔ اگر تو مجھ سے بتا دیتا کہ کسے اٹھانا ہے تو میں اس کام میں ہاتھ ہی نہ ڈالتا۔ اَبے ہم بُرے آدمیوں میں بھی آپس داری کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔"

گیسپر کچھ نہ بولا۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"اب بہتری اسی میں ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اس پر عمل کرو۔" ٹونی پھر بولا۔

"اس مکان میں پہنچنے سے پہلے مجھے بھی علم نہیں تھا۔" گیسپر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں نے وہاں پہنچ کر انہیں دیکھا تھا۔"

"تمہیں کس نے اس حرکت پر آمادہ کیا۔"

"چارلی نے.... اور اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ انہیں کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"تم نہیں جانتے۔"

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"اوہ.... یہی تو میں کہوں گا۔" ٹونی بول پڑا۔ "گیسپر سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

پھر اس نے گیسپر کے لئے بیئر کا گلاس لبریز کیا اور اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ "پی پ
دوست ہم لوگ خواہ مخواہ ایک دوسرے کے غصے کا شکار ہوئے۔"

"ہماری دوستی آج ختم ہو گئی۔" گیسپر نے گلاس کو دوسری طرف کھسکاتے ہوئے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ٹونی نے کھسیانے انداز میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور میز کے پا
سے ہٹ گیا۔

فریدی گیسپر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ "چارلی کہاں ملے گا۔ میں ایک نیا نام
رہا ہوں۔"

"وہ فن آئی لینڈ کے فریز بار کا بار ٹنڈر ہے۔"

"اچھا۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور جیب سے ہتھکڑیوں کا جوڑا نکال کر گیسپر
ہاتھوں میں ڈال دیا۔ پھر ٹونی سے بولا۔ "یہ تمہاری نگرانی میں رہے گا اور یہ تو تم جانتے ہو کہ یہ
سے دوستی ترک کر چکا ہے۔"

"جانتا ہوں۔" ٹونی سنجیدگی سے بولا۔ "ہم میں دوستی ختم ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ا
دوسرے کے چاقو خون کی پیاس سے تڑپتے رہیں۔ آپ مطمئن رہیے۔ یہ میری نگرانی میں رہے گا۔"

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔

ایک پبلک فون بوتھ سے ہائی سرکل نائٹ کلب کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف ر
موجود تھا۔ فریدی نے اُسے ٹونی کے گھر کا پتہ بتا کر کہا کہ وہ وہاں سے گیسپر کو لے جائے۔

"اور ریکھا کہاں ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہال میں ہے۔"

"کچھ دیر کے لئے تم اس کی جگہ لے کر اُسے فون پر بھیج دو اور منیجر کو وہاں سے ہٹائے جا
یعنی ریکھا سے گفتگو کے وقت وہ فون کے قریب نہ ہو۔"

فریدی کو دو منٹ سے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دوسری طرف سے ریکھا کی آواز آئی۔

"تم دس سادہ لباس والوں کو فن آئی لینڈ بھیج دو۔ انہیں پوری طرح مسلح ہونا چاہئے اور ا
امریکن کے متعلق کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ کمرے میں موجود ہے۔ ابھی اس سے ایک آدمی ملنے آیا تھا جس کے متعلق آپ دو
سے سنیں گے۔"

"کون آدمی۔"

"سر فیاض کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم۔"

"اوہو۔ رمیش کو ابھی وہیں روکو اور سادہ لباس والوں کو بھی.... دوسری اطلاع تک جزیرے میں بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

فریدی نے بڑی تیزی سے ریسیور ہک سے لٹکایا اور باہر نکل آیا۔ وہ قریب قریب دوڑتا ہوا ٹونی کے گھر کی طرف جا رہا تھا کیونکہ ٹونی اور گیسپر بچ کر نکلے جا رہے تھے، ان دونوں ہی نے بڑے شاندار طریقہ پر اُسے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی، وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دونوں نکل گئے تو اسے ایک بہت ہی گھٹیا قسم کی شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

سانپ

اُن دونوں کے ڈرامے میں پھنس کر وہ یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ ان دنوں ٹونی کو ایک امریکن کے ساتھ دیکھتا رہا تھا اور اب اس امریکن کی شخصیت بھی کسی حد تک روشنی میں آ گئی تھی۔ یعنی سر فیاض کے سیکریٹری سے اس کا ملنا جلنا تھا۔

فریدی بڑی تیز رفتاری سے چلتا رہا اور ٹھیک اس وقت وہاں پہنچا جب ٹونی اور گیسپر گھر سے نکل رہے تھے۔ فریدی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئے۔ گیسپر کے جسم پر ایک لمبا کوٹ پڑا ہوا تھا لیکن ہاتھ آستینوں میں ڈالے بغیر نیچے سے اوپر تک بٹن لگا دیئے گئے اس طرح وہ ہتھکڑیاں پڑے ہوئے ہاتھوں کو چھپانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بہت اچھے۔" فریدی اپنے مخصوص خونخوار انداز میں مسکرایا۔

دفعتاً ٹونی نے گیسپر کی گردن دبوچ لی اور بولا۔ "تو نے پھر مجھے ذلیل کرایا۔ گیسپر اب میں کس طرح صفائی پیش کروں گا۔"

"کیوں کیا اسے اپنی کسی مالدار خالہ کی آخری وصیت سننی تھی۔"

"جی نہیں۔ جیل جانے سے پہلے روزیٹی سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تین منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے جی ہاں تین گھروں کے بعد اس کا مکان ہے۔"

"اندر چلو۔" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں روزیٹی کو یہیں بلوائے لیتا ہوں۔"

گیسپر دروازے میں مڑ گیا۔ فریدی ان کے بعد داخل ہوا اور اس نے دروازہ بند کر کے بولٹ کر دیا۔

"ٹونی تم اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر دیوار کی طرف مڑ جاؤ۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ ا کے ریوالور کا رخ ٹونی کے سینے کی طرف تھا۔

"میں نہیں سمجھا جناب۔"

"اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔ ورنہ میں فائر کر دوں گا۔"

"بہت بہتر.... مگر سنئے تو....!"

بظاہر اس کے انداز سے یہی معلوم ہوا کہ وہ ہاتھ اٹھانے جا رہا ہے لیکن حقیقتاً اس کا داہنا ہا جیب کی طرف گیا تھا۔ فریدی کے ریوالور کی سرخ زبان نکل پڑی اور ٹونی دیوار سے جا لگا۔ گ اس کی انگلیوں کو چھوتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار میں دھنس گئی تھی۔

ٹونی نے خوفزدہ انداز میں اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے. گیسپر خاموش گہری گہری سانسیں رہا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر ٹونی کی جیبوں سے دو چھوٹے چھوٹے ہینڈ بم برآمد کئے۔

"غالباً کسی امن کانفرنس میں شرکت کا ارادہ تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

ٹونی کچھ نہ بولا۔ اس کا سینہ دھونکی کی طرح چل رہا تھا اور آنکھیں کسی ایسے چوپائے آنکھوں سے مشابہ نظر آ رہی تھیں جو کسی درندے کے حملے کا منتظر ہو۔

"تمہاری اڑان کی حدود ختم ہو گئیں۔" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "کیپٹن حمید کہاں ہے۔"

"وہ فن آئی لینڈ لے جائے گئے تھے۔ میں اتنا ہی جانتا ہوں۔ سونا گھاٹ سے ایک سفید انہیں لے گئی تھی۔ ہم دراصل شہر ہی چھوڑ دینے کے خیال سے باہر نکلے تھے اور گیسپر نے اطلاع بھی غلط نہیں دی تھی کہ آپ کو چارلی سے بہت کچھ معلوم ہو سکے گا۔"

"اگر یہ جھوٹ ہوا تو میں تمہیں جیل سے نکال کر قتل کر دوں گا۔"

"دیکھئے جیل کی بات نہ کیجئے۔" ٹونی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "آپ کو علم ہے کہ ضمانت پر ہوں۔"

اگر یہ دستی بم تمہارے پاس سے برآمد نہ ہوئے ہوتے تو میں اس پر غور کرتا ویسے کیا سکتے ہو کہ ہائی سرکل نائٹ کلب والے امریکن سے تمہاری دوستی کتنی پرانی ہے۔"

ایک بار پھر ٹونی کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہونٹ ہل کر رہ گئے۔ فر بھی شائد اب وقت نہیں برباد کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے گفتگو کا سلسلہ آگے نہیں بڑھنے

ایک بار پھر اس نے رمیش اور ریکھا کو فون کیا۔ اب گیسپر کی ہتھکڑیوں میں ٹونی بھی شریک وگیا تھا۔ انہیں دو ڈیوٹی کانسٹیبلوں کے چارج میں دے کر فریدی بندرگاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ریکن کا مسئلہ اہم تھا مگر وہ اس کے متعلق گفتگو کو طول دے کر حمید کی زندگی خطرے میں نہیں ال سکتا تھا۔ ویسے اسے اطمینان تھا کہ وہ دونوں زندہ ہی ہوں گے کیونکہ اگر مار ڈالنا ہی مقصود ہوتا وہ انہیں اس مکان سے اٹھا لے جانے کا خطرہ کیوں مول لیتے۔

بندرگاہ سے وہ جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب شام ہو چکی تھی اور سورج پانی میں ڈوبتا ا ایک بہت بڑا آگ کا گولا معلوم ہو رہا تھا۔

اسکے جزیرے میں پہنچنے کے پانچ ہی منٹ بعد دس سادہ لباس والے بھی پہنچ گئے۔ فریدی نے انہیں کچھ ہدایات دے کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیا۔ دو آدمی فریز بار کے سامنے بھی ٹھہرے۔

فریدی بار میں داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر بار ٹنڈر ہی پر پڑی۔ جو کاؤنٹر کے پیچھے ڑا اُسے دیکھ کر پلکیں جھپکا رہا تھا۔ یہ گٹھیلے جسم کا ایک پستہ قد یوریشن تھا۔

فریدی کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ چارلی سیدھا کھڑا تھا اور اس کے اعضاء بے حس و حرکت ے۔ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور دونوں کی پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا تھا۔

"اب تمہیں لامحالہ میری ضرورت ہو گی۔" فریدی کسی سانپ کی طرح پھپھکارا۔

"میں فریدی ہوں۔"

چارلی سکتے کی سی حالت میں کھڑا رہا پھر سنبھل کر بولا۔ "فرمایئے میں کیا خدمت کر سکتا ں۔ وہائٹ بریڈ پیل ایل کے بیرل آج ہی آئے ہیں۔ مگر بہت سے لوگ اُسے پسند نہیں تے۔ اوہ ٹھہریئے.... کیا میں آپ کے لئے گولڈن ایگل پیش کروں۔ اس بار میں آپ کو رف بیئر ہی مل سکے گی۔"

"کیپٹن حمید اور سر فیاض کی پوتی کہاں ہے۔" فریدی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھا آپ کیا فرما رہے ہیں۔"

"ٹونی اور گیسپر کے ذریعہ یہاں تک پہنچا ہوں۔"

دفعتاً چارلی نے پلٹ کر کاؤنٹر کے پیچھے کھلے ہوئے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ فریدی نے ؤنٹر پر ہاتھ ٹیکے اور دوسری طرف کود گیا۔

چارلی نکل جانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ وہ دیوار سے لگے ہوئے ایک بٹن کو بار بار اتا ہوا پکڑا گیا تھا۔ اس وقت فریدی نے اس کی اس حرکت پر دھیان نہیں دیا۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی اس کی گردن دبوچے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بتاتا ہوں.... " وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ "وہ.... وہ.... !"

اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ وہ اتنی جلدی بیہوش ہو سکتا ہے جسم کی بناوٹ تو ایسی نہیں تھی جس پر کسی قسم کی کمزوری کا شبہ بھی ہو سکتا تو پھر شاید یہ مکاری تھی۔

مگر یہ مکاری کافی دیر جاری رہی۔ لوگ کاؤنٹر پر کھڑے اندر کی طرف جھانک رہے تھے لیکن سادہ لباس والوں نے انہیں اندر نہیں داخل ہونے دیا۔ بار کا مالک ایک پارسی تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ بار میں پولیس موجود ہے تو اس کی دھندلی آنکھوں سے بہت زیادہ مقدار میں پانی بہنے لگا۔ وہ دبلے پتلے ڈیل کا آدمی تھا اور شاید اعصابی اختلاج کا مریض بھی.... اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کاؤنٹر ہی تک جا سکتا۔

فریدی نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی راہداری تھی جس کا اختتام ایک دروازے پر ہوا تھا۔ یہ دروازہ بند تھا۔ دونوں دروازے بند ہونے کی بناء پر یہاں اندھیرا ہو گیا تھا۔ فریدی کاؤنٹر کی جانب کا دروازہ بند کر کے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا لیکن ابھی اس کا ہاتھ سوئچ تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس نے چارلی کی چیخ سنی۔

"ارے مار ڈالا۔"

"چٹ۔" راہداری میں روشنی ہو گئی اور پھر اگر فریدی ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو بڑے سانپ نے اُسے ڈس ہی لیا تھا، جو چارلی کے جسم پر سے اس پر جھپٹا تھا۔

فریدی نے راہداری کے دوسرے سرے کی طرف چھلانگ لگائی اور مڑتے مڑتے سانپ کے پھن پر فائر کر دیا۔ سانپ دروازے سے ٹکرا کر دھپ سے فرش پر جا گرا۔ دو تین لہریں لیں اور ٹھنڈا ہو گیا۔

چارلی اپنی پنڈلی دبائے کسی خوفزدہ بچے کی طرح سسکیاں لے رہا تھا۔

"میں نے خطرے کی گھنٹی بجائی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "وہ سب اس عمارت میں ہیں اوپری منزل پر.... انہوں نے.... مم.... مجھے مار.... ڈالا.... لا.... بچ.... !"

اس کے منہ اور ناک سے خون کی بوچھاڑ سی نکل کر دیوار پر پڑی اور پھر فریدی نے اسے دم توڑتے دیکھا۔ دوسری طرف کا دروازہ بند تھا۔ فریدی نے اُسے دھکا دیا لیکن کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ کھولا۔ پانچ چھ آدمی سراسیمگی کے عالم میں کھڑے

انہیں سادہ لباس والوں نے باہر نہیں نکلنے دیا تھا۔

"اندر ایک لاش ہے۔" فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "کوئی ادھر نہیں جائے گا۔"

لیکن فریدی کو جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اب وہ مجرموں کو نہ پا سکے گا۔ اوپری منزل پر جانے سے پہلے ہی اس کے علم میں لایا گیا کچھ دیر پہلے پانچ یا چھ آدمی نیچے کھڑی ہوئی ایک اسٹیشن ویگن میں فرار ہو چکے ہیں۔ لیکن ان کے ساتھ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا کہ وہ زبردستی کہیں لے جایا جا رہا ہے ان لوگوں کے پاس کوئی سامان بھی نہیں تھا۔

فریدی تین سادہ لباس والوں کے ساتھ اوپری منزل پر پہنچا، لیکن یہاں چاروں طرف سناٹے کی حکمرانی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہاں کے مکین کہیں بے خبر سو رہے ہوں کسی جگہ بھی انتشار یا بدنظمی کے آثار نہیں دکھائی دیئے۔ فریدی یہاں اس توقع پر آیا تھا کہ ممکن ہے حمید اور شکیلہ یہیں ہوں۔

اُسے مایوسی نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اُسے شکیلہ ملی، جو ایک کمرے میں بند تھی۔ اُس سے اُسے معلوم ہوا کہ حمید کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے اور وہ بھی یہیں کہیں بند ہو گا۔ شکیلہ بُری طرح سہمی ہوئی تھی اور بار بار فریدی کو اس طرح گھورنے لگتی تھی جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

یہاں سات کمرے تھے۔ ایک میں حمید نظر آیا۔ وہ کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے۔ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"حمید.... !" فریدی نے اُس کا شانہ ہلا کر آواز دی۔

"میرا نام نربدا پرشاد ہے۔" حمید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اب دماغ ٹھیک ہو جانا چاہئے ورنہ اٹھا کر نیچے پھینک دوں گا۔"

"کیا وہ.... لڑکی موجود ہے۔" حمید نے آنکھیں بند کئے ہوئے پوچھا۔

"کیوں!"

"میں پھر پاگل ہو جاؤں گا۔"

فریدی نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا اور حمید نے آنکھیں کھول دیں۔ شکیلہ اُسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے اپنی بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ "یہ میری تفریح تھی۔"

فریدی کمروں کی تلاشی لینے لگا لیکن حمید کچھ اسطرح لاپرواہ نظر آرہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

کچھ دیر بعد فریدی دوسری طرف کے زینوں سے نیچے اتر رہا تھا۔ جن کا اختتام ایک دروازے کے قریب ہوا تھا۔ بولٹ نیچے گرا کر اس نے دروازہ کھولا۔ اب وہ اسی راہداری میں تھا جہاں اس نے چارلی کی لاش چھوڑی تھی۔ وہ اب بھی وہیں پڑی تھی۔

بار کے پارسی مالک کو غش پر غش آرہے تھے۔ فریدی اس کی طرف بڑھا۔ وہ سادہ لباس والوں کو اس اسٹیشن ویگن کی تلاش میں روانہ کر چکا تھا جس میں مجرم فرار ہوئے تھے۔

بوڑھے پارسی کو گفتگو کرنے کے لئے کافی دیر لگی۔

"یہ عمارت میری ہی ملکیت ہے۔" پارسی کہہ رہا تھا۔ "ایک ماہ پہلے کی بات ہے کہ غیر ملکی سیاحوں نے اوپری منزل کرائے پر لی تھی۔ وہ آرٹسٹ تھے، جلد ہی ان کا حلقہ احباب گیا اور بہت زیادہ لوگ یہاں آنے جانے لگے۔"

"چارلی تمہارے پاس کب سے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک سال سے۔"

"وہ سیاح کس ملک کے باشندے تھے۔"

"اٹلی کے، انہوں نے یہی بتایا تھا۔"

"کیا ان لوگوں کے پاس ان کی ذاتی کشتی بھی تھی۔"

"مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے جناب۔"

"مکان کرایہ پر لینے کے سلسلے میں کوئی تحریری معاہدہ ہوا تھا۔"

"نہیں جناب، چونکہ میرے ایک معتمد ملازم نے ان کی ضمانت دی تھی اس لئے میں نے قسم کی تحریری کاروائی کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"وہ معتمد ملازم کہاں ہے۔"

"چارلی۔"

"اوہ.... آپ کو اس پر اعتماد تھا۔"

"بہت زیادہ۔ اس نے آج تک مجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچایا۔"

تفتیش کا سلسلہ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکا کیونکہ پارسی کی معلومات محدود تھیں۔ بھی نہ بتا سکا کہ چارلی کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا اور اس کے خاندان کے دوسرے افراد کہاں ویسے وہ اسی عمارت کے ایک کمرے میں تنہا رہتا تھا۔"

چارلی کی لاش ضروری کاروائیوں کے بعد اٹھوا دی گئی اور عمارت پر پولیس کا پہرہ قائم کر دیا گیا۔

ان کی واپسی تقریباً دس بجے ہوئی۔ شکیلہ کو پہلے ہی دو سادہ لباس والوں کے ساتھ شہر بھجوا دیا گیا تھا۔ روانگی سے قبل فریدی نے اس سے بھی سوالات کئے تھے اور اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض کی حیثیت ان معاملات میں کافی اہمیت رکھتی ہے۔

اُس نے حمید سے بھی سارے واقعات سنے اور بولا۔ "میرا خیال ہے انہیں توقع تھی کہ ہم دونوں ارجن پورے والے مکان میں ضرور جائیں گے۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہیں کہ شکیلہ ہمیں سر فیاض کی قیام گاہ پر کیوں لے گئی تھی۔"

"اس کی شامت نے پکارا تھا، اسی لئے لے گئی تھی۔" حمید نے جواب دیا۔

"لڑکی کافی ذہین معلوم ہوتی ہے۔ حمید صاحب اسے تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"کیا تسلیم کر لینے پر میں دو چار بچوں کا باپ ہو جاؤں گا۔ چلئے تسلیم کر لیا۔"

"بس تمہیں ایک آرٹ آتا ہے صاحبزادے۔ جہاں دیکھا بس نہیں چلتا۔ پاگل بن گئے، کبھی دھوکا بھی کھا جاؤ گے۔"

"اگر وہ سنتھیلک گیس نہ استعمال کرتے تو میں اس کا قصد بھی نہ کرتا۔ سنتھیلک گیس کی زیادہ مقدار دماغ ماؤف بھی کر سکتی ہے۔"

"موت سے بھی ہم کنار کر سکتی ہے، حمید صاحب مگر لڑکی نے خاصی بات بنائی انہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دی کہ وہ ہمیں اپنے گھر کیوں لے گئی تھی۔ اوہ.... مگر فضول، انہیں حقیقت کا علم ہو ہی جائے گا کیونکہ سر فیاض کا سیکریٹری مخدوم بھی اس نامعلوم سازش کا شریک خیال کیا جاسکتا ہے۔"

"کیوں....؟"

فریدی نے اُسے اس امریکن کے متعلق بتایا جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "آخر یہ چارلی کیسے مر گیا۔ ان لوگوں نے اسی وقت اس کے لئے راہداری میں سانپ ڈالا ہوگا۔"

"یہ قرین قیاس نہیں ہے اگر وہ اسی وقت سانپ ڈال سکتے تھے تو مجھ پر فائر کر دینے میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ جس وقت میں کاؤنٹر کی طرف کا دروازہ بند کر رہا تھا اسی وقت سانپ بھی ڈالا گیا ہوگا۔ اسی وقت مجھ پر بھی فائر کیا جاسکتا تھا کیونکہ میری پشت اسی دروازے کی طرف تھی جس سے سانپ راہداری میں ڈالا گیا ہوگا۔ نہیں حمید صاحب کہانی ہی اور ہے وہ اس وقت کوئی ڈرامہ تو اسٹیج ہو نہیں رہا تھا کہ اس میں دلچسپی قائم رکھنے کے لئے سراغ رساں کو آخیر

تک زندہ رکھنے کی ضرورت ہوتی۔ وہ میرا کام تمام کر کے قصہ ہی ختم کر سکتے تھے۔"

"پھر سانپ کہاں سے آیا۔"

"کہیں سے نہیں۔ وہ وہیں رہتا تھا اور حقیقتاً وہ اسی لئے وہاں رکھا گیا تھا کہ خطرے کی گ بجانے والے کو ڈس لے۔ گھنٹی کے اوپر ایک خفیہ خانہ تھا جو گھنٹی کا بٹن دبانے سے کھل جاتا تھا بعد کی تفتیش کے دوران میں معلوم ہوا حمید صاحب یہ طریق کار خود ہی چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ معاملات میں ڈاکٹر ڈریڈ کے علاوہ اور کسی کی ذہانت کو دخل نہیں ہو سکتا۔ خطرے کی گھنٹی اس لگائی تھی کہ وہ ہر وقت ہوشیار ہو سکیں، لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ خطرے کی اطلاع دینے بھی بچ نکلتا۔ اس لئے اس کا مر جانا ہی ان کے لئے مفید ہو سکتا تھا۔ بہر حال گھنٹی کا بٹن دبے خفیہ خانہ کھلا اور اُس میں سے سانپ نکل کر چارلی پر آرہا۔"

"آخر سر فیاض کا کیا قصہ ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"فی الحال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اُسے دیکھنا پڑے گا۔ ابھی تو ٹوٹی سے بہتیری معلومات فر کرنی ہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

پھر اس نے حمید کو فنچ کے متعلق بتایا اور حمید حیرت زدہ ہو گیا۔

مہم

دوسری صبح حمید کو فریدی ناشتے کی میز پر نہیں ملا۔ وہ ناشتہ کر ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی حلق سے اترتا ہوا نوالہ پھر منہ میں واپس آگیا۔ وہ سمجھا کہ فون لازمی طور پر فریدی ہی کا ہو ظاہر ہے ایسی صورت میں یہی غنیمت تھا کہ نوالہ منہ کے اندر ہی رہے۔ ورنہ اُسے تو باہر آجانا چا تھا کیونکہ آج حمید سو فیصدی آرام کے موڈ میں تھا۔ اُس نے رو دینے والی آواز میں "ہیلو" کہا۔

"کون صاحب ہیں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آواز نسوانی تھی۔

"کیپٹن حمید۔" حمید نے پُر وقار آواز میں جواب دیا۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے۔" ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ اب حمید نے شکیلا آوز پہچان لی تھی۔

"تو یہ تم ہو شکیلہ۔" حمید غصیلی آواز میں بولا۔

"جی ہاں۔ فریدی صاحب کے لئے ایک اطلاع ہے۔"

"مگر فریدی صاحب موجود نہیں ہیں، لہٰذا وہ اطلاع محفوظ رکھو۔"

"آپ انہیں مطلع کر دیجئے۔"

"بھئی تم اپنی اطلاعات اپنے پاس ہی رکھو تو بہتر ہے۔" حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ شکیلہ ہنس پڑی۔

"آپ بہت خائف ہیں کیوں۔ مگر مجھ پر تو کل کے واقعات کا ذرہ برابر بھی اثر نہیں پڑا۔"

"کیا اطلاع ہے۔" حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"مخدوم پچھلی رات سے غائب ہے۔"

"اچھا میں آج رات تک اُسے قتل کر دوں گا۔" حمید نے بڑی لاپروائی سے کہا۔ "اور کچھ۔"

"تم سے فون پر گفتگو کرنا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ اچھا میں خود ہی آرہی ہوں۔"

"پھاٹک پر دو تین خونخوار قسم کے کتے تمہارے منتظر رہیں گے۔"

"میں انہیں بھی دیکھ لوں گی۔" دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

حمید دراصل فنچ کی فکر میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی ڈاکٹر ڈریڈ کے چکر میں ہے کیوں نہ فنچ کی تلاش جاری رکھے۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ فریدی کی مدد کے بغیر کوئی بڑا کام انجام دے ڈالے۔

وہ کمرے سے نکل کر فریدی کی تجربہ گاہ میں آیا۔

کچھ دیر بعد وہ ادھیڑ آدمی کے میک اپ میں تجربہ گاہ سے نکل رہا تھا۔ عادی قسم کے شرابیوں کی طرح اس کی پلکیں سرخ اور قدرے متورم نظر آرہی تھیں۔

پھر وہ باہر جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ملازم نے شکیلہ کا وزیٹنگ کارڈ دیا اور حمید ڈرائنگ روم کی طرف چلا آیا۔

شکیلہ نے اُسے دیکھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"کل تم خوفزدہ نہیں تھیں۔" حمید نے آواز بدلے بغیر پوچھا۔

شکیلہ چونک پڑی پھر تحیر آمیز ہنسی کے ساتھ بولی۔ "تو یہ آپ ہیں۔"

"میری بات کا جواب دو۔"

"نہیں میں خوفزدہ نہیں تھی۔"

"پھر ایسے کسی تجربے سے دوچار ہونے کی ہمت ہے۔"

"ہے کیوں نہیں۔"

"چلو گی۔ مگر جگہ کے متعلق کچھ نہیں بتایا جائے گا۔"

"چلوں گی۔ کیا تم مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو۔"

"میک اپ میں چلنا پڑے گا۔"

"اوہ....!" دفعتاً شکیلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ تقریباً ہانپتی ہوئی بولی "مجھے اس کا بڑا شوق ہے میں ضرور چلوں گی۔"

"شلوار.... اتار کر اسکرٹ پہننا پڑے گا۔"

"میرے پاس اسکرٹ بھی ہیں۔"

"اونہہ.... میرے پاس بھی ہیں۔" حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

"یہاں.... اسکرٹ....!" شکیلہ حیرت سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی عور نہیں ہے۔"

"تو گویا دنیا کی ساری نعمتیں صرف عورتوں ہی کے لئے ہیں۔" حمید نے جھلائے ہوئے اند میں کہا۔

"ارے نہیں صاحب۔" شکیلہ سنجیدگی سے بولی۔ "دوپٹہ بھی آپ کے لئے ہے، فراک آپ کے لئے۔ غرارہ بھی آپ کے لئے ہے۔"

"اچھا.... بس اب زیادہ فیاضی سے کام نہ لو میرے ساتھ آؤ۔"

حمید اسے تجربہ گاہ میں لایا اور بڑی الماری کا دروازہ کھولنے لگا جو مقفل تھا۔ لیکن جیسے ہی در کھلا شکیلہ متحیر رہ گئی کیونکہ وہ حقیقتاً الماری نہیں تھی بلکہ ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ تھا۔

حمید اسے دروازے میں دھکیلتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... وہاں تمہیں ہر قسم کا لباس ملے گا کوئی سا اسکرٹ منتخب کر لینا۔"

اس نے دروازہ بند کر دیا اور تجربہ گاہ میں ٹہلنے لگا۔ مشکل سے تین منٹ گزرے ہوں کہ باہر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور فریدی اندر داخل ہوا، وہ چاروں طرف رہا تھا۔ پھر حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ "شکیلہ کہاں ہے۔"

"آج میں کام کے موڈ میں ہوں۔" حمید نے لاپرواہی سے کہا۔ "اُسے اپنے ساتھ لے ہوں۔"

"لیکن اُسے یہاں تجربہ گاہ میں لانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اوہو.... وہ تو اس وقت ڈریسنگ روم میں ایک اچھا سا اسکرٹ تلاش کر رہی ہے۔"

"حمید تمہیں قتل کر دوں گا۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔

"میں منٹوں میں قاتل کا سراغ نکال کر قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"اُسے باہر نکالو۔"

"خود ہی آجائے گی۔ معلوم نہیں کس پوزیشن میں ہو۔"

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ اندر سے دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی لیکن شکیلہ فریدی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیا کل کا تجربہ محتاط رہنے کیلئے کافی نہیں تھا۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "باہر آؤ۔"

شکیلہ چپ چاپ نکل آئی اور سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ "انہوں نے کہا تھا۔"

"کل کا تجربہ تمہیں ساری زندگی یاد رہنا چاہئے۔ بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکیلہ بیٹھ گئی۔

"کیا تم مخدوم کے متعلق اور کچھ نہیں بتا سکتیں۔"

"میں اسی کے متعلق ایک بات بتانے کے لئے آئی تھی۔"

"کیا....؟"

"وہ کل رات سے غائب ہے اور دادا جان نہ صرف ہوش میں آگئے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بات ہی نہ رہی ہو۔ انہیں اپنی بیہوشی قطعی یاد نہیں ہے یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔"

"تم یہ اپنا میک اپ ختم کرو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ اور پھر شکیلہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"آج رات کو وہ ایک جگہ مدعو ہیں۔ وہاں ضرور جائیں گے حالانکہ ہم لوگ نہیں چاہتے۔" شکیلہ نے کہا اور خاموش ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگی، جو واش بیسن پر جھکا ہوا کسی عرق سے اپنا چہرہ صاف کر رہا تھا۔

"کہاں مدعو ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"رائے شیکھر کے یہاں۔ وہاں وہ تین دن تک قیام کریں گے۔"

"تین دن تک۔"

"ہاں.... رائے شیکھر ہمارے یہاں آئے تھے، وہ انہیں مدعو کر گئے ہیں۔ آج رات کو ان

کی شہری قیام گاہ پر ایک تقریب ہے۔اس کے بعد وہ چند دوستوں کے ساتھ اپنے دیہی مکان پر جائیں گے وہاں تین دن تک قیام رہے گا۔یونہی تفریحاً۔"

"دیہی قیام گاہ کہاں ہے۔"

"سوناگھاٹ کے قریب کہیں ہے۔"

"اوہ....!"

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے شکیلہ سے کہا۔"اب تم جاؤ۔ اگر تم نے اس سلسلے میں مزید حماقتیں کیں تو نتیجے کی خود ذمہ دار ہو گی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"ان معاملات میں سکوت اختیار کرو۔ ہم سے ملنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر کوئی خاص بات ہو تو فون پر مطلع کرو۔ ہم میں سے کوئی گھر پر موجود ہو یا نہ ہو۔ اپنا پیغام پہنچا دو۔ وہ ہم تک پہنچ جائے گا۔اس سے ضرور مطلع کرنا کہ مخدوم کب اور کس وقت گھر آتا تھا اس پر گہری نظر رکھو۔"

"بہر حال داداجان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔"شکیلہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا "اور اس وقت کے حالات تو یہی کہتے ہیں لیکن تم مجھ سے کچھ پوچھنے کی کوشش نہیں کرو گی۔بس اب جاؤ۔"

"بس اب جاؤ۔" حمید نے دردناک آواز میں دہرایا۔

شکیلہ شرارت آمیز انداز میں مسکراتی ہوئی تجربہ گاہ سے نکل گئی۔

فریدی خلاء میں [illegible]ور رہا تھا۔اس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور داہنے ہاتھ کی انگلیاں جیب پڑے ہوئے [illegible] پر ہولے ہولے رینگ رہی تھیں۔دفعتاً اس نے کہا۔

"حمید تم سوناگھاٹ میں رائے شیکھر کا مکان تلاش کرو گے۔ یہ کام اسی وقت سے ہو گا۔کسی طرح اس مکان میں اپنے لئے جگہ بنانے کی کوشش کرو۔"

"را[illegible] شیکھر وہی نا.... جس کی پلاٹینم کی کانیں ہیں۔"

"[illegible] ایک امریکی سرمایہ دار چارلس براؤن سے کسی قسم کے تجارتی تعلقات پیدا کر[illegible] رہا ہے۔چارلس براؤن جو ہائی سرکل نائٹ کلب میں مقیم ہے۔" کا ایک بڑا سرمایہ دار ہے۔"

"وہی امریکن جس کی آپ نگرانی کر رہے ہیں۔"

"ہاں وہی۔ رائے شیکھر اس سے چند معاملات کرنے والا ہے۔ سر فیاض کے بیگ

مخدوم سے بھی ملتا جلتا ہے اور دوسری طرف ٹونی بھی اکثر اس کے ساتھ دیکھا گیا ہے لیکن ٹونی کا کہنا ہے کہ چارلس براؤن سے وہ خود ہی ملا تھا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر وہ اس پر کسی طرح ہاتھ صاف کر سکے تو....ٹونی پہلے بھی اکثر غیر ملکیوں کو بعض معاملات میں ٹھگتا رہا ہے۔ لہٰذا اس کے بیان کو جھٹلایا بھی نہیں جاسکتا۔ تم لوگوں کے اغواء کا الزام اس نے سر بسر چارلی پر ڈال دیا ہے۔"

"مگر یہ کس قسم کی سازش ہو سکتی ہے۔"

"کس سلسلے میں.... کہو.... سازش کی اقسام کا علم شاید ارسطو کو بھی نہیں تھا تمہیں بولنا کب آئے گا۔"

"شادی کے بعد، اس سے پہلے کوی راج فلانے دھمکانے کا ہدایت نامہ خسرو، خوشدامن پڑھنا ضروری ہے۔ ورنہ ہارٹ فیل ہو جانے کی گارنٹی نہ دی جاسکے گی۔"

"وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں ابھی اور اسی وقت سوناگھاٹ کے لئے روانہ ہو جانا چاہئے۔ مجھے وہ عمارت معلوم ہے جسے رائے شیکھر اپنا دیہی مکان کہتا ہے مگر میں وہاں کس طرح قدم جما سکوں گا۔ شکیلہ کو بھی آپ نے ٹرخا دیا ورنہ اس سے بڑی مدد ملتی۔"

"کیا مدد ملتی۔"

"کہیں بھی قدم جمانے کے لئے عورت ضروری ہوتی ہے۔ ٹھہریئے۔ درمیان میں نہ بولئے۔ مجھے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے دیجئے۔ فرض کیجئے میں نوکروں کے بھیس میں وہاں گھسنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہاں کے نوکر مجھے قدم جمانے دیں گے، میرا تو خیال ہے کہ شاید وہ کمپاؤنڈ میں قدم بھی نہ رکھنے دیں۔ لیکن ایک عورت.... ہاہا.... صرف ایک عورت پورا نقشہ بدل سکتی ہے۔ سر پر بیٹھا لیا جاؤں گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔"اس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔"

"کیا انتظام کیا جاسکتا ہے۔"

"ریکھا۔"

"ارے توبہ توبہ۔" حمید کانوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔"میں اس کے ساتھ ایک منٹ بھی زندہ نہ رہ سکوں گا۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔ میں ریکھا کو فون کرنے جارہا ہوں۔"

"کیجئے۔" حمید نے بے بسی سے کہا اور ایک کرسی میں گر گیا۔ فریدی باہر جاچکا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کس قسم کا میک اپ کرنا چاہئے، ویسے ابھی لیڈی انسپکٹر ریکھا کا مسئلہ بھی باقی تھا

کہ وہ کس قسم کے میک اپ میں ہوگی۔

تقریباً دس منٹ بعد فریدی واپس آگیا اور حمید کے چہرے کو دوبارہ کئی قسم کے لوشنوں سے دوچار ہونا پڑا۔ خود فریدی ہی اس کا میک اپ کر رہا تھا۔

اسی دوران میں ریکھا بھی آگئی اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کچھ ایسے حلئے میں نظر آئے کہ اُن کے والدین بھی انہیں نہ پہچان سکتے۔ ریکھا ایک الہڑ قسم کی دہقانی لڑکی کے روپ میں کھڑی تھی اور حمید ایک گاؤدی قسم کا دہقان معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی نے ان پر الوداعی نظریں ڈالتے ہوئے بڑے آسودہ انداز میں سر ہلایا۔

خط

سونا گھاٹ کے شیکھر محل کے گرد وہ دونوں چکر لگا رہے تھے۔ حمید کی اسکیم یہ تھی کہ یہاں کے کسی ایک ملازم کی حمایت حاصل کرلے گا۔

شام ہوگئی تھی اور موسم کافی خوشگوار تھا۔ حمید نے ریکھا کی طرف اتنے پیار سے دیکھا کہ بوکھلا گئی۔

"آؤ ہم تم اسی طرف سے بندرابن نکل چلیں۔" حمید نے مسکرا کر کہا۔

"اس سے پہلے تم کسی یتیم خانے میں داخلہ لے کر بھیک مانگنے کی مشق بہم پہنچالو۔" ریکھا جواب دیا۔ "ویسے اگر تم زیادہ بدتمیزی کرو گے تو بھگتو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ بہت کم بدتمیزی کروں گا۔"

"شٹ اپ....!"

"ہائیں.... کیا تم اس حلئے میں انگریزی بولو گی۔ ذرا سنبھل کر، ورنہ یہ حلیہ رکھا ہی رہ جا گا اور تم حلوہ بنالی جاؤ گی۔"

"بکواس مت کرو، ورنہ چانٹا مار دوں گی۔"

"اور پھر میں ڈنڈوں سے تمہاری خبر لوں گا۔ تمہارا گھر والا ٹھہرا اور دہقانی بھی۔"

یہ جھک جھک ہو ہی رہی تھی کہ پھاٹک سے ایک آدمی نکلا جو وضع قطع سے ملازم ہی معلوم ہوتا تھا اس نے چاہا کہ ریکھا کو گھورتا ہوا قریب سے نکل جائے حمید نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ

چونکہ وہ ریکھا کو گھور رہا تھا اس لئے حمید کی اس غیر متوقع حرکت پر بوکھلا گیا۔

"ہم پردیسیوں کی بھی سن لے بھائی۔" حمید نے کہا۔

یہ جملہ بھی غیر متوقع ہی تھا۔ وہ نوکر اور زیادہ چغد نظر آنے لگا۔

"ہم بھکاری نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔

"ارے نہیں جی بھکاری کیوں۔" نوکر جلدی سے بولا۔

"ہمیں نوکری چاہئے ورنہ ہم دونوں پردیس میں بھوکے مر جائیں گے یار۔"

"نوکری....!" ملازم نے تشویش کن نظروں سے دونوں کو باری باری دیکھا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "یہاں جرورت تو نہیں ہے پر میں.... دیکھو.... میں بتاؤں سرکار آج آئیں گے.... پر بہت رات گئے.... ٹھہرو.... ایک ترکیب ہے.... میری پھوپھی کے لڑکے بن جاؤ.... یہ گھر والی ہے نا تمہاری۔"

"ہاں بھیا۔"

"بس تو پھر تم میری پھوپھی کے لڑکی بن جاؤ۔ سپارش کروں گا صاحب سے۔"

"واہ.... بھیا بڑے دیالو ہو۔ بھگوان بھلا کرے تمہارا۔"

"تو چلو میرے ساتھ.... آؤ۔" اس نے کہا۔ وہ بار بار للچائی ہوئی نظروں سے ریکھا کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شیکھر محل کی کمپاؤنڈ میں لایا اور چلتے چلتے رک کر بولا۔ "پر دیکھو دوست جاہر نہ ہونے پائے کسو پر کہ تم میری پھوپھی کے لڑکے نہیں ہو۔"

"ارے نہیں یار ایسا بھی کیا۔" حمید جلدی سے بولا۔ "بھوکا تھوڑے ہی مرنا ہے۔"

پھر نوکر نے اس قسم کی گفتگو شروع کردی جیسے اس سے زیادہ نیک آدمی پچھلی کئی صدیوں سے پیدا ہی نہ ہوا ہو۔ حمید سر ہلا ہلا کر ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ ریکھا دل ہی دل میں کباب ہو رہی تھی۔ اس کا بس چلتا تو اس نوکر کی گردن ہی اڑا دیتی جس کی زبان تو متبرک پانیوں سے دھلی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر آنکھیں.... ان میں کتنی شدید بھوک تھی وہ بار بار کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔

وہ انہیں شاگرد پیشہ کے ایک کمرے میں لایا اور بولا۔ "تم دونوں یہیں رہنا اور میں کہیں اور پڑ رہوں گا۔ ہاں بھابی دیکھو کسی بات کی تکلیپھ مت اٹھانا۔ تمہارا ہی گھر ہے۔"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ لیکن حمید بہت زور زور سے گردن ہلاتا ہوا بولا۔ "جرور۔ جرور۔"

جب وہ چلا گیا تو ریکھا بُرا سا منہ بنائے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

"یہ سب مجھ سے نہیں ہو گا۔ ہاں.... کیا مصیبت۔"

"ارے واہ.... کیا تم سچ مچ خود کو میرے گھر والی سمجھنے لگی ہو۔ یہ سب نہیں ہو سکتا تو پ کیوں آئی تھیں اس محکمے میں۔"

ریکھا کچھ نہ بولی اور حمید نے کہا۔ "تم ڈرتی کیوں ہو۔"

وہ رات انہوں نے اسی کوٹھری میں بسر کی۔ رات کا کھانا ان کا "پھوپھی زاد" بھائی وہیں لے گیا تھا اور اسی سے یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ "صاحب" اپنے مہمانوں سمیت آگیا ہے۔

دوسری صبح ان دونوں کو نوکری مل گئی۔ حمید نے مہمانوں میں سے ایک ایک کو پہچا سرفیاض بیمار نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک طویل القامت اور قوی الجثہ بوڑھا تھا۔ مہمانوں میں کے تین بڑے سرمایہ دار بھی تھے۔ سیٹھ نورانی، سیٹھ نوشیرواں اور میجر سعید۔ دو بڑے وکلا طارق اور مسٹر جعفری سپریم کورٹ کے ایک جج جسٹس شرما کی شخصیت بھی خاصی نمایاں تھی۔

وہ سب غالباً تبدیلی آب و ہوا کے لئے یہاں آئے تھے۔ رائے شیکھر یہاں کے متمول ت آدمیوں میں سے تھا۔ وہ اکثر اپنے اس دیہی محل میں پُر تکلف دعوتیں دیتا رہتا تھا۔ مہمان آ اور کئی کئی دن ٹھہرتے۔ مختلف قسم کی تفریحات ہوتیں۔ شطرنج سے لے کر "عورت" تک قسم کے کھیل موجود تھے۔

شام کو وہ سب لان پر نکل آئے۔ میجر سعید بڑا اچھا نشانہ باز تھا وہ اپنے جوہر دکھانے لگا۔ کے ہاتھ میں ایک عمدہ قسم کی رائفل تھی جس سے وہ پائیں باغ کے پھلدار درختوں پر نشانہ تھا جس پھل کی طرف دیکھنے والوں کا اشارہ ہوتا اسی پر نشانہ لگایا جاتا اور وہ دوسرے ہی لمحے زمین پر دکھائی دیتا۔ واقعی بڑا مشکل کام تھا۔ پھل داغدار ہوئے بغیر زمین پر آرہتا۔ عورتیں لگا رہی تھیں۔ میجر سعید ان کی تعریفوں سے خوش ہو کر اور زیادہ مشاقی کے ثبوت پیش کر رہا

ٹھیک اسی وقت ایک کار کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کا ایک سفید فام غیر ملکی اترا۔ وہ لوگ اسے خوش آمدید کہنے کے لئے آگے بڑھے۔

حمید میجر سعید کے کارتوسوں کی پیٹی اٹھائے ہوئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔

آنے والا اجنبی مہمان شاید موجودہ مہمانوں سے زیادہ بلند مرتبہ تھا کیونکہ شیکھر ا لئے گویا بچھا جا رہا تھا۔

شام کی چائے لان پر سرد کی گئی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ کہیں یہ سچ مچ وقت کی بربادی ہی

زیدی آدمی ہی ہے اور اندازے کی غلطی اس سے بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ محض ریب نظر ہو، وہم ہو۔ ٹونی اگر امریکن کے ساتھ دیکھا گیا تھا تو اس کے پاس اس کا جواب بھی موجود تھا یعنی اس کا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح اس سے کچھ روپیہ ہتھیا لے۔ اس لئے پہلے بھی کئی بار وہ غیر ملکیوں کو ٹھگنے اور دھوکا دینے کے جرم میں ماخوذ ہو چکا تھا۔

اگر مخدوم چارلس براؤن سے ملتا رہا تھا تو یہ بھی کوئی انہونی بات نہیں تھی کیونکہ چارلس براؤن ایک غیر ملکی سرمایہ دار تھا اور اسی غرض سے یہاں آیا تھا کہ یہاں کی صنعتوں میں اپنا سرمایہ ئے، سرفیاض بھی شہر کے بڑے سرمایہ داروں میں سے تھا۔ ممکن تھا کہ مخدوم کا چارلس براؤن سے ملنا جلنا کاروباری ہی حیثیت رکھتا رہا ہو۔

بہر حال جتنا کچھ حمید کے علم میں تھا اس کی بناء پر کوئی یقینی صورت سامنے نہیں آسکتی تھی، سکتا تھا کہ فریدی نے اب تک اُسے اصلیت سے آگاہ ہی نہ کیا ہو۔

اس وقت یہاں آنے والا چارلس براؤن ہی تھا۔ حمید کو اس کا نام اس وقت معلوم ہوا جب ئے شیکھر اپنے بعض دوستوں سے اُس کا تعارف کرا رہا تھا۔ مرد شاید اسے پہلے ہی سے جانتے اس لئے یہ تعارف عورتوں ہی تک محدود رہا۔ ان کی گفتگو سے حمید نے اندازہ لگایا کہ چارلس [illegible] ں ہی میں [illegible]

[illegible] یہاں رہ پر کرنا لیا تھا۔ کیونکہ فریدی نے اس کے متعلق کچھ نہیں تھا۔ وہ تو صرف [illegible] رہا تھا کہ ا[illegible] اخلہ شیکھر محل میں ضروری ہے۔

رات ہوئی اور وہ پھر اُسی کمرے میں آ گیا جہاں پچھلی رات گذاری تھی ریکھا موجود تھی اور زیادہ بیزار نظر آ رہی تھی۔

حمید نے کراہ کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں ذرا حقہ بھر دے۔"

"میں تمہارے منہ میں جلتی ہوئی لکڑی ٹھونس دوں گی۔"

"ارے واہ! اگر میں ایسے میں سب کے سامنے تمہیں پیٹنا شروع کردوں تو تم میرا کیا گی۔ محل کے بڑے آدمی مجھے گنوار سمجھ کر ٹال جائیں گے اور یہ نوکر صرف دور ہی سے ہال ریں گے، پاس کوئی بھی نہیں آئے گا۔ مگر کیا تم یہ کہہ سکو گی کہ تم لیڈی انسپکٹر ریکھا ہو یا میں ن حمید ہوں۔"

"میں تمہاری گردن اپنے دانتوں سے ادھیڑ دوں گی۔"

"بڑی اذیت پسند معلوم ہوتی ہو۔ باہر بڑی حسین چاندنی بکھری ہوئی ہے۔ کلو کی ماں کتنے

دن ہوئے ہم نے چاندنی میں گھاس نہیں کھائی۔"

"ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔" ریکھا نے جھنجھلا کر کہا۔

"ہم لوگ چاند کو شہد میں ڈبو کر کھائیں گے، یعنی ہنی مون منائیں گے، کلو کی ماں اس کی پرواہ نہیں کہ کلو موجود ہے یا نہیں۔"

ریکھا کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر دیوار سے لگ گئی۔ حمید ہنستا رہا۔

کمرے میں ایک چارپائی تھی اور پچھلی رات بھی ریکھا کو زمین ہی پر سونا پڑا تھا اور حمید چارپائی پر خراٹے لئے تھے وہ کم از کم ریکھا کے لئے اتنی تکلیف نہیں اٹھا سکتا تھا کہ خود زمین پر سوتا۔ وہ بہت مغرور تھی اور حمید کو اسے نیچا دکھانے میں ہمیشہ بڑی لذت محسوس ہوتی تھی۔

"تم ابھی تک کرنل فریدی کو نہیں سمجھ سکیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب....!" ریکھا نے کہا جو کانوں سے انگلی نکال چکی تھی۔

"یہ میری نہیں بلکہ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ کرنل فریدی کا دماغ کسی وقت بھی خراب ہو سکتا ہے۔"

ریکھا کچھ نہیں بولی۔ حمید نے پھر کہا۔ "یہ تو خود ہی معلوم کرنا پڑے گا کہ ہم یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔ فریدی صاحب نے آج تک قبل از وقت کچھ نہیں بتایا اور یہ قبل از وقت بعض اوقات مجھے قبل از مرگ معلوم ہونے لگتا ہے، مگر کیا کیا جائے اس مرض کا کوئی علاج نہیں ہے۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"کیا کرو گی سمجھ کر، تن بہ تقدیر بیٹھو۔ زندگی ہے تو شادی بیاہ بھی ہو جائے گا تمہارا۔ بھی خوشی ہو گی کلو کی ماں۔"

"خدا غارت کرے تمہیں۔" ریکھا زمین پر لگے ہوئے بستر پر جا پڑی اور کمبل کھینچ لیا۔

"میرے ساتھ تم بھی غارت ہو جاؤ گی میں کسی بڑے خطرے کی بو سونگھ رہا ہوں۔"

"یعنی....!" ریکھا اٹھ بیٹھی۔

"یہاں کے سارے ملازموں کی نظر تم پر ہے۔"

ریکھا دانت پیستی ہوئی لیٹ گئی۔ پھر اس نے کمبل سے منہ نکال کر کہا۔ "ذرا یہاں سے فرصت ملے پھر تمہیں دیکھوں گی۔"

"چلو میری طرف سے فرصت ہی فرصت ہے۔ دیکھ لو۔"

ریکھا نے پھر کمبل منہ پر ڈال لیا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور پھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکنے لگا۔ یہ کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی۔ وہ اپنے بکرے کو غزلیں سنا رہا تھا۔ ایک لڑکی آئی اس کا دادا پاگل ہو گیا تھا۔ لڑکی کا خیال تھا کہ ذہنی فتور قدرتی نہیں ہے۔ یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ایک سفید کشتی میں کسی آدمی کو دیکھ کر اُس کی حالت غیر ہو گئی تھی اور پھر اس کے بعد ہی اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا تھا۔ لڑکی کے ساتھ وہ فن آئی لینڈ گئے وہاں فریدی ایک بندر کے پیچھے دوڑا۔ اسی جگہ سے فنچ کی کہانی اُبھری اور فریدی کو ڈاکٹر ڈریڈ کا خیال آیا۔ اب یہاں سے دو مختلف راستے شروع ہو گئے پتہ نہیں وہ دونوں اس بناء پر ارجن پورے والے مکان سے اٹھا لئے گئے تھے کہ فریدی کو فنچ کے متعلق کچھ معلوم ہو گیا تھا یا وہ واقعہ اس لئے پیش آیا تھا کہ وہ لڑکی انہیں اپنے گھر لے گئی تھی، ہو سکتا ہے کہ سرفیاض کی حیثیت اس کہانی میں محض بھلاوا ہو۔ وہ خواہ مخواہ اس طرح سامنے آ گیا ہو کہ اس پر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہونے کا شبہ کیا جا سکے۔ اکثر ایسے اتفاقات پیش آتے ہیں لیکن ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اصل معاملات سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اب رہا ڈاکٹر ڈریڈ کا مسئلہ تو یہ بھی حمید کی دانست میں محض خیال ہی خیال تھا۔ فریدی کے پاس اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں ہو سکتا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ بھی یہیں موجود ہے وہ تو صرف فنچ کی موجودگی کی بناء پر قیاس کر بیٹھا تھا۔ حمید اُسے قیاس ہی سمجھ رہا تھا۔

اس نے ریکھا کی طرف دیکھا جو کمبل سے منہ نکالے اُسے گھور رہی تھی۔

"سو جاؤ.... کلو کی ماں۔" حمید بڑے پیار سے بولا۔

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "حمید مجھے سنجیدگی سے بتاؤ کہ یہاں ہماری موجودگی کا کیا مقصد ہے۔"

"کیا تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں ہے۔"

"تم کبھی سنجیدگی سے گفتگو نہیں کرتے۔"

"میں اس وقت قطعی سنجیدہ ہوں اور یہ حقیقت ہے کہ میں بھی یہاں اس طرح آنے کے مقصد سے ناواقف ہوں۔"

"آخر فریدی صاحب تمہیں بھی اس طرح تاریکی میں کیوں رکھتے ہیں۔"

"ممکن ہے یہ بھی کسی قسم کا تجربہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہوں کہ بے بسی کی موت کے وقت آدمی قاتل سے کالی نوس کا منجن مانگتا ہے یا ہدایت نامہ خاوند۔"

"پھر بکواس شروع کر دی تم نے۔" ریکھا ہنسنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "سر فیاض تو چہرے سے

بیمار معلوم ہی نہیں ہوتا۔"

"ارے یہ لوگ تو مرنے کے بعد بھی بیمار نہیں معلوم ہوتے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ریکھا نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ جماہی لی۔

"کاٹو گی کیا کلو کی ماں؟" حمید سہم کر پیچھے ہٹا اور ریکھا ہنس پڑی۔

"اب اگر تم نے کلو....!"

ریکھا کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا اور وہ بے ساختہ اچھل پڑی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا دروازے کی جھری سے کوئی چیز کھڑکھڑاتی ہوئی فرش پر آگری تھی۔ حمید اس کی طرف جھپٹا۔ یہ ایک لفافہ تھا اُسے چاک کرنے پر کاغذ کا ایک ٹکڑا برآمد ہوا جس پر تحریر تھا۔

"حمید توقع ہے کہ تم بہت زیادہ بور نہ ہوئے ہو گے، عمارت کے بائیں بازو سے ملا ہوا جو نیب کا درخت ہے اس پر چڑھ کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ تمہیں مسلح ہونا چاہئے۔ ریکھا سے کہو کہ کمرے سے باہر نہ نکلے.... کمرے کے اندر بیٹھ کر اسے کسی قسم کی تشویش نہ ہونی چاہئے۔ وہ ہر طرح محفوظ رہے گی۔"

تحریر فریدی کی تھی۔ حمید نے ایک طویل سانس لی اور خط ریکھا کے سامنے ڈالتا ہوا بولا

"اور اُس نیب کے درخت سے میں آسمان پر اٹھا لیا جاؤں گا۔"

پانچ کروڑ

ریکھا نے کئی بار وہ تحریر دہرائی اور پھر جواب طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

حمید نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم اگلے ماہ کی تنخواہ نیب کے درخت ہی پر وصول کروں گا یا وہ قبر میں پہنچائی جائے گی۔ البتہ تم تک کمرے میں رہو گی محفوظ رہو گی۔ بروز قیامت مجھے بتانا کہ پھر آسمان دیکھنا نصیب ہوا یا نہیں کلو کی ماں۔"

"خدا سمجھے تم سے۔" ریکھا نے دانت پیس کر کہا۔ "تم ایسے مواقع پر بھی سنجیدگی اختیار کر سکتے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اپنے ریوالور کے چیمبر بھر رہا تھا۔ اس نے بہت سے فالتو راؤنڈ میلی واسکٹ کی جیبوں میں ٹھونسے۔ ریوالور کو اندرونی صدری کی جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں یہ مان ہی نہیں سکتی کہ تم حالات سے بے خبر ہو۔"

"کیوں نہیں مان سکتیں۔"

"یہ خط یہی بتاتا ہے کہ تمہیں پوری پچویشن کا علم ہے۔"

"سنو یہ کرنل فریدی کا معاملہ ہے اور تم کرنل کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتیں۔ میرا دن رات کا ساتھ ہے، لیکن میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں انہیں پہچان سکا ہوں، بس صرف ایک بات کی نصیحت کروں گا تمہیں اگر فریدی صاحب کے ساتھ کام کرنے کا شوق ہے تو اس سے زیادہ نہ کرو جتنا کہا گیا ہو، ورنہ موت تم سے زیادہ دور نہ ہو گی، ذرا سا چوکیں اور ماری گئیں۔"

"مجھے کب تک اس کمرے میں مقید رہنا پڑے گا۔"

"جب تک وہ پُر اسرار آدمی چاہے۔ تمہیں یہاں لانے کا مقصد اتنا ہی تھا کہ میری رسائی ہو جائے۔ اگر تم نہ ہوتیں تو اتنی آسانی سے یہاں جگہ بنا لینا ممکن نہ ہوتا۔ اب صبر کرو۔ کلو کی ماں اور دیکھو کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔"

ریکھا اُسے چند لمحے گھورتی رہی پھر بولی۔ "جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔ میں اتنی کمزور دل کی نہیں ہوں جتنی تم سمجھتے ہو۔ میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

حمید کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔

پائیں باغ میں اندھیرا تھا۔ کچھ دیر پہلے چاندنی کی گفتگو دراصل عشقیہ طرز تکلم کی پیروڈی تھی۔ ورنہ یہ تو قمری مہینے کی آخری راتیں تھیں۔ کہاں کا چاند اور کہاں کی چاندنی۔ حمید کے پیروں میں جوتے نہیں تھے اور وہ دبے پاؤں عمارت کے بائیں بازو کی طرف بڑھتا رہا۔ ابھی رات زیادہ نہیں گئی تھی، مگر چونکہ سردیوں کا زمانہ تھا اس لئے چاروں طرف صرف سناٹے کی حکمرانی تھی۔ بس غنیمت یہی تھا کہ یہاں کتے نہیں تھے۔ ورنہ حمید اس طرح باہر نکلنے کی ہمت نہ کر سکتا، اور شاید اسی صورت میں فریدی بھی اس قسم کی کوئی اسکیم تیار نہ کرتا۔

سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ تقریباً دس منٹ بعد حمید نیب کے درخت تک پہنچ سکا۔ درخت کی ایک گھنی اور موٹی شاخ کھڑکی تک چلی گئی تھی چونکہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اس لئے اندر کی روشنی کی وجہ سے اس شاخ کا کچھ حصہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید بڑی آسانی سے درخت پر چڑھتا چلا گیا اس کے لئے اس نے خاصی مشق بہم پہنچائی تھی

مگر کھڑکی تک پہنچنا مشکل کام تھا کیونکہ شاخ کا کچھ حصہ روشنی میں تھا۔ حمید چند لمحے غور کرتا رہا پھر ایک دوسری شاخ پر اتر گیا جو اسی شاخ کے نیچے تھی۔ اس شاخ پر قدم جمائے ہوئے اوپری شاخ کے سہارے وہ کھڑکی کی طرف بڑھنے لگا۔ کبھی کبھی متحرک پرچھائیاں شاخ کے روشن حصے پر دکھائی دیتیں اس سے حمید نے اندازہ کر لیا تھا کہ کمرہ خالی نہیں ہے۔

آخرکار وہ کھڑکی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

کمرے میں تین آدمی تھے، جسٹس شرما اور سیٹھ نورانی شطرنج کھیل رہے تھے، تیسرا آدمی کھڑا ان کا کھیل دیکھ رہا تھا۔ یہ بیرسٹر طارق تھا۔

حمید سوچنے لگا کہیں فریدی نے مذاق تو نہیں کیا۔ یہ شریف آدمی شطرنج کھیل رہے ہیں بھلا یہاں ایک سراغ رساں کا کیا کام۔

حمید واپسی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ دروازے میں شیکھر دکھائی دیا۔

"کیوں شرما بازی ختم نہیں ہوئی۔" اس نے پوچھا۔

"ارے تمہیں تو ہر بات کی جلدی ہی پڑ جاتی ہے۔ کون سی آفت آ گئی ہے۔"

جسٹس شرما نے بساط پر نظر ہٹائے بغیر کہا۔ "بازی لمبی ہوتی جا رہی ہے یہ نورانی بڑا کھلاڑی ہے۔ بازی نہیں چھوڑ سکتا۔ تم یہیں آ جاؤ نا۔"

"کچھ دیر پہلے ہم یہیں تو تھے۔ تم نے کہا بازی ختم کرنے کے بعد۔"

"کیوں....!" جسٹس شرما نے سیٹھ نورانی کو مخاطب کر کے کہا۔ "کیا خیال ہے، مہرے رہنے دیں اور یہ کام بھی ہو جائے۔ نہ جانے اسے اتنی جلدی کیوں ہے نہ کہیں وہ بھاگا جاتا ہے نہ کہیں وہ بھاگی جاتی ہے۔"

"کر لیجئے.... کر لیجئے۔" سیٹھ نورانی سر ہلا کر بولا۔ "بازی جمی رہے گی۔"

"مسودہ تمہیں بنانا ہے، ورنہ میں خود ہی کر لیتا۔" رائے شیکھر نے کہا۔

"لاؤ بھی یار۔ جاؤ۔" جسٹس شرما نے کہا۔

رائے شیکھر چلا گیا۔

"مگر یار.... سیٹھ نورانی۔" جسٹس شرما بولا۔ "میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سر فیاض رائے شیکھر کا مقروض ہو گا اور حیرت ہے شیکھر پر جس نے یونہی کسی لکھا پڑھی کے بغیر پانچ کروڑ دے دیئے تھے۔"

"اپنا اپنا بیوپار ہے جج صاحب۔" سیٹھ نورانی بولا۔

"کمال ہے بھئی۔ میں تو پانچ ہزار بھی اتنے اعتماد کے ساتھ کسی کو نہیں دے سکتا۔"

"آپ بزنس مین نہیں ہیں۔" سیٹھ نورانی ہنس کر بولا۔

"اچھا ہی ہے کہ نہیں ہوں، ورنہ میں اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر وصول کرنے میں کامیاب نہ ہوتا۔ یہ سر فیاض کی شرافت ہے کہ وہ اپنے قرض دار ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ تم مجھے اس طرح پانچ کروڑ قرض دے کر دیکھو۔"

سیٹھ نورانی ہنسنے لگا۔

"نہیں۔ میں نہایت سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ میری نیت بگڑ جائے گی مجھے یقین ہے۔"

"ہمارا کروڑوں کا بزنس محض اعتبار پر چلتا ہے۔" سیٹھ نورانی نے فخریہ انداز میں کہا۔

اتنے میں بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور رائے شیکھر کئی آدمیوں کے ساتھ داخل ہوا۔ یہ سر فیاض، بیرسٹر جعفری، سیٹھ نوشیرواں اور میجر سعید تھے۔ حمید جسٹس شرما اور سیٹھ نورانی کی گفتگو سے اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سر فیاض اس وقت لازمی طور پر نشے میں ہو گا اور اسی کروڑ کی آڑ لے کر اس سے کسی قسم کی تحریر لی جائے گی، مگر سر فیاض کو دیکھ کر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ وہ نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ رفتار و گفتار سے قطع نظر کر کے آنکھوں سے بھی نشے کی کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے، لیکن اس کی آنکھوں سے بھی کسی ایسی کیفیت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جس کی بناء پر اس کا نشے میں ہونا ثابت ہو سکتا۔

"یار فیاض.... یہ کیا قصہ ہے۔" جسٹس شرما نے پوچھا۔

"قصہ کیا ہوتا.... میں پانچ کروڑ کے عوض اپنی ترینی گام والی کان شیکھر کے نام منتقل کر رہا ہوں۔"

"تم نے دس کروڑ روپے مجھ سے بھی تو لئے تھے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "اپنی دو چار کانیں میرے نام بھی منتقل کر دو۔"

"ضرور.... ضرور....!" سر فیاض نے ہنس کر کہا۔ "مگر اب اس کے بعد ایک ہی تو رہ جائے گی میرے پاس۔"

پھر وہ شیکھر کی طرف مڑ کر بولا۔ "ہاں شیکھر.... میں ایک بار پھر سب کے سامنے دہراتا ہوں کہ ابھی اس کی کھدائی شروع ہوئی ہے۔ کچھ برآمد نہیں ہوا۔ میں یہ ابھی سے جتائے دیتا ہوں کہ اگر تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہو گی۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔"

"نہیں..... میں نے کہا معاملہ صاف ہو جائے تو بہتر ہے، ورنہ بعد کو تم کہو کہ مجھے د
دیا گیا۔"

"یار بڑے چالاک ہو۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "یہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ابھی کان سے
بر آمد نہیں ہوا۔"

"اب اس میں چالاکی کہاں رہ گئی۔ جب میں نے کاروائی شروع ہونے سے قبل ہی حقی
سے آگاہ کر دیا۔"

"آج کل میں جواریوں کی اسپرٹ میں کام کر رہا ہوں۔ شرما صاحب۔" شیکھر بولا۔

"کرو بھئی۔ ہاں تو مسودہ۔ مگر مسودہ مجھ سے بہتر طارق اور جعفری بنا سکتے ہیں۔"

"نہیں جناب۔" طارق بولا۔ "جائے استاد خالی است۔ آپ ہم سے زیادہ تجربہ کار اور
دان ہیں۔"

آخر شرما نے مسودہ ڈکٹیٹ کرانا شروع کیا۔ جعفری لکھ رہا تھا۔ مسودہ تیار ہو جانے
اسے اسٹامپ پر منتقل کیا گیا اور سر فیاض نے اس پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

پھر حاضرین نے بحیثیت گواہان دستخط کیئے اور کاروائی ختم ہو گئی۔

"مگر یہ بازی ختم نہ ہو گی۔" جسٹس شرما نے بساط کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہیئے تو ختم ہی ہو جائے۔"

"نہیں بھئی۔"

"اب زندگی بھر کھیلو شطرنج مجھے تو نیند آرہی ہے۔" شیکھر نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا

تھوڑی دیر بعد اُن دونوں کے علاوہ اور سب وہاں سے چلے گئے۔

حمید کا دل چاہا کہ درخت پر سے چھلانگ لگا دے اسے فریدی پر غصہ آرہا تھا خواہ مخواہ
تک سردی میں ذبح کرتا رہا۔ یہاں ہوا ہی کیا تھا۔ یہ تو بالکل ہی کھلی ہوئی بات تھی کہ خو
ہی اُلو بن گیا تھا۔ ایک ایسی کان جس سے ابھی کچھ بھی بر آمد نہ ہوا کان ہی نہیں کہلائی
دفعتاً حمید کو وہ مجرم یاد آگیا جسے وہ شروع سے آخری تک مظلوم ہی سمجھتا رہا تھا، لیکن حقیقتاً
کے بر عکس تھی، وہ تو اس سے زیادہ خطرناک نکلا تھا جسے حمید مجرم سمجھنے پر مجبور ہو گیا تھا
یہاں بھی بالکل ویسا ہی معاملہ در پیش تھا۔ ابھی تک وہ سر فیاض کو مظلوم سمجھتا رہا تھا
وقت اُسے شیکھر پر بے تحاشہ رحم آیا تھا پہلے اس کا خیال تھا کہ سر فیاض کو دل کھول کر

؎اس حیرت انگیز کہانی کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول جلد نمبر 14 (پُر ہول سناٹا) ملاحظہ فرمایئے۔

ہے اور اب اس سے کسی مسودہ پر دستخط لئے جائیں گے، لیکن اسکے بر عکس اسے شیکھر ہی نشے میں معلوم ہو رہا تھا اور وہ سب کے سب بھی شیکھر کے اس مال کے قتل میں برابر کے شریک تھے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ باغ کے کسی گوشے سے اُلو کی صدا ابھری تھی۔ وہ آواز پھر سنائی دی لیکن حمید ان کی گفتگو سننے کے لئے رک گیا ویسے اسے معلوم تھا کہ وہ فریدی ہی کی طرف سے ایک طرح کا سگنل ہو سکتا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ خطرہ ٹل گیا یعنی اب وہ درخت سے اتر کر اپنے کمرے میں جا سکتا ہے۔

"یہ اُلو بولا تھا کیا۔" جسٹس شرما نے چونک کر کہا۔

"شیکھر سے حماقت ہی ایسی ہوئی ہے۔" سیٹھ نورانی مسکرایا۔ "اُلو نہ بولے گا تو پھر کیا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس وقت بہت زیادہ پی گیا ہے۔"

وہ پھر کھیل میں مشغول ہو گئے اور حمید درخت سے اتر آیا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کہیں دیکھ نہ لیا جائے۔ اس لئے تقریباً پندرہ منٹ بعد کمرے تک پہنچ سکا، اس نے دروازے پر دستک دی اور آہستہ سے بولا۔ "ریکھا دروازہ کھولو۔"

ریکھا شاید جاگ ہی رہی تھی کیونکہ حمید کو دوسری بار دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دروازہ کھل گیا اور حمید اندر داخل ہوا۔

"کیا ہوا۔" ریکھا نے پوچھا۔

"ڈبل نمونیہ۔" حمید نے جھلا کر کہا۔ اس پر ریکھا نے اُسے ایک لفافہ نکال کر دیا۔ یہ فریدی کی دوسری تحریر تھی۔ بس اتنا ہی لکھا تھا "تم لوگ دوسری ہدایت تک یہیں قیام کرو گے۔"

"اب انتقال ہو گیا۔" حمید نے اُسے پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا۔ "کلو کی ماں اگر میں سچ مچ مر جاؤں تو کلو کو میرے ساتھ ہی دفن کر دینا اور تم فلمسٹار ہو جانا۔"

"کیا بک رہے ہو۔ بتاؤ کیا ہوا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا ہوا۔ بس یہ سمجھ لو برق سی اک چمک گئی میرے سر نیاز میں۔"

"بکواس ہی کیئے جاؤ گے۔"

حمید چارپائی پر گر کر لحاف میں دبک گیا۔ ریکھا کھڑی رہی۔ کچھ دیر بعد جب سردی کا احساس کچھ کم ہوا تو حمید نے لحاف سے منہ نکال کر کہا۔ "میں پھر پاگل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں.....!"

حمید نے مختصراً پوری روئداد دہراتے ہوئے کہا۔ "اب تم خود ہی بتاؤ۔ میں بکواس نہ کروں تو

کیا دل ہی دل میں جھلس کر ٹی بی مول لوں۔"

"واقعی یہ معاملہ حیرت انگیز ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ وہ سب بھی پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ شیکھر محل نہیں بلکہ خچر محل ہے۔ اتنا غصہ آیا ہے مجھ کو اس وقت کہ اگر پھانسی کا ڈر نہ ہوتا تو اپنے کو گولی مار لیتا۔ یہ سالا.... سرفیاض ابھی دو دن پہلے بڑا چیخا کرتا تھا.... ارے بوند.... آئی.... ارے بوند.... آئی۔"

"کیا مطلب۔"

"اب سو بھی جاؤ۔ کلو کی ماں۔"

حمید نے لحاف اوپر کھینچ لیا۔

دوسری صبح حالات معمول پر تھے۔ حمید کو کوئی خاص فرق نہیں محسوس ہوا۔ لیکن پھر کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ اب سرفیاض شیکھر محل میں موجود نہیں ہے۔ وہ کسی ضروری کام کے یاد آجانے کی بناء پر وقت سے پہلے ہی چلا گیا تھا، ورنہ وہاں کم از کم پانچ دن قیام کرنے کا پروگرام تھا۔

حمید کو اب اندر ہی رہنا پڑتا تھا کیونکہ اسے جسٹس شرما کی خدمت پر مامور کر دیا گیا تھا۔ اس وقت جب کہ وہ ان کے کپڑوں میں تہہ لگا رہا تھا شیکھر بوکھلایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

"چوری۔" اس نے آتے ہی کہا۔

"کیا؟" جسٹس شرما چونک پڑے۔

"کسی نے سیف کا تالا توڑ دیا۔"

"اوہ.... اور سیف خالی ہے۔"

"نہیں صرف کاغذات غائب ہیں جو پچھلی رات مرتب کئے گئے تھے۔"

"اور خلاف توقع سرفیاض بھی چلا گیا۔"

"ہاں.... وہ بھی گیا۔ مگر اس پر شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیوں؟ ہو سکتا ہے.... بعد میں اس کی نیت میں فتور آگیا ہو۔ تم نے وہ پانچ کروڑ پرونوٹ پر تو دیئے نہیں تھے۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ اس طرح یہ روپے ہضم ہی کر لئے جائیں۔"

"یہ ناممکن ہے۔ فیاض ایسا آدمی نہیں ہے اور پھر میں نے ابھی اس سے فون پر گفتگو کی ہے؟ وہ کہتا ہے پرواہ نہ کرو۔ دوسرے کاغذات تیار ہو جائیں گے، کہو تو ابھی آجاؤں۔"

"تب پھر پریشانی کی کیا بات ہے۔" شرما نے جھلا کر کہا۔ "کاغذات بھی دوبارہ تیار ہو جائیں گے اور سیف کی دوسری چیزیں بھی محفوظ ہیں۔"

"کچھ نہیں فکر صرف اس بات کی ہے کہ آخر ان کاغذات کی چوری کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"کیا ان کی چوری سے تمہیں نقصان کا خدشہ ہے۔"

"قطعی نہیں۔"

"تب پھر وہ کسی ایسے آدمی کی حرکت ہے جو تم سے زیادہ پاگل ہے۔"

"مجھ سے زیادہ۔ میں نہیں سمجھا۔" شیکھر نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم پاگل نہیں ہو۔ ایک ایسی کان پانچ کروڑ کے عوض خرید رہے ہو جس سے ابھی کچھ بھی نہیں برآمد ہو سکا۔"

"میں کہہ چکا ہوں کہ آج کل میں اندھی چال چل رہا ہوں۔ میرے ستارے آج کل کچھ ایسے ہی جا رہے ہیں۔ ابھی تک کسی اندھی چال میں دھوکا نہیں کھایا۔"

جسٹس شرما خاموش ہو گئے۔ رائے شیکھر تھوڑی دیر تک کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

حمید کپڑے تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھ چکا تھا اس لئے اسے بھی باہر آجانا پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اس چوری کا شبہ اس پر نہ کیا جائے کیونکہ وہ وہاں بالکل نیا تھا لیکن شاید شیکھر کو اس کا علم ہی نہیں تھا کہ وہ نیا ہے یا پرانا۔ اس نے اس چوری کے متعلق نوکروں سے بھی کچھ نہیں سنا۔ بہرحال وہ پھر دن بھر ادھر اُدھر جھک مارتا پھرا۔

ریکھا الگ بور نظر آرہی تھی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اگر حمید بات بات پر اُسے چھیڑ کر ہنستا نہ رہتا تو شائد وہ پاگل ہی ہو جاتی۔

رات کو حمید نے پھر فریدی کی ایک تحریر پائی۔

"آج آخری سین کے لئے تیار ہو جاؤ۔ بہت ہوشیار رہنا۔ ہو سکتا ہے آج تم موقعہ واردات پر موجود ہو۔"

دھواں

نو بجے حمید کو اندر جانا پڑا کیونکہ کھانے کے بعد جسٹس شرما کے کمرے میں کافی پہنچانی تھی۔ پورچ میں سرفیاض ملا جس کے ساتھ اس کا پرائیویٹ سیکریٹری مخدوم بھی تھا۔ وہ ابھی ابھی

اپنی کار سے اترا تھا اور کچھ اتنا مضمحل اور کمزور نظر آرہا تھا کہ چلنے کے لئے اسے مخدوم کے سہارے کی ضرورت تھی۔ حمید اس پر متحیر رہ گیا۔ پچھلی رات تو وہ خاصا تروتازہ نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جوانی دوبارہ لوٹ آئی ہو۔ حمید انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ کچن سے کافی لی جسٹس شرما کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

نہ جانے کیوں جسٹس شرما نے کافی پی چکنے کے بعد اسے وہیں روک رکھا۔ حمید سوچ رہا کہ کہیں وہ پہچان تو نہیں لیا گیا۔ ریوالور اس کی صدری کی جیب میں موجود تھا اسے اطمینان تھا اگر پہچان بھی لیا گیا ہو تو کم از کم مقابلہ تو کر ہی سکے گا۔

تھوڑی دیر بعد شیکھر کمرے میں آیا اور اس نے بتایا کہ کاغذات پھر تیار کر لئے گئے صرف گواہوں کے دستخط ہونے باقی ہیں۔ جسٹس شرما نے اٹھتے اٹھتے حمید کو اپنے ساتھ آ... اشارہ کیا اور آج اس محفل میں صرف ایک کا اضافہ تھا لیکن چونکہ یہ ایک گھریلو قسم کا معاملہ اس لئے اس میں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ آج شاید وہ انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھا ر... تھا اس لئے اب بھی وہیں موجود تھا جہاں سب لوگ تھے۔

سرفیاض کو دیکھ کر ایک بار پھر حمید حیرت زدہ ہو گیا۔ یہ وہ سرفیاض ہرگز نہیں ہو س... جسے حمید نے کچھ دیر پہلے پورچ میں دیکھا تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے سالہا سال کا مریض معلوم اس وقت کسی تندرست اور توانا آدمی کی طرح چاق و چوبند نظر آرہا تھا۔

سب سے پہلے اس نے اسٹامپ دستخط کئے پھر گواہوں نے یکے بعد دیگرے کل ہی کی اپنی شہادتیں ثبت کیں۔ پھر رائے شیکھر اسے اٹھانے ہی والا تھا کہ میجر سعید نے اس پ... رکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی نہیں۔"

"کیا مطلب....!" دفعتاً رائے شیکھر چونک پڑا۔

"کچھ نہیں۔ صرف آدھے گھنٹے تک یہ کاغذ میرے ہاتھ کے نیچے دبا رہے گا۔"

"کیا تم زیادہ پی گئے ہو میجر سعید۔" رائے شیکھر نے ایسی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اعصابی کھنچاؤ ہی کا نتیجہ کہا جا سکتا تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" میجر سعید نے کہا اور اسٹامپ اٹھا کر اپنی جیب میں ٹھونس لیا۔

رائے شیکھر اسے اس انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آرہا ہو۔

"اوہ.... آپ چلئے۔" مخدوم نے سرفیاض کی طرف جھک کر کہا۔ "زیادہ دیر تک بیٹھ... آپ کے لئے مضر ہے۔"

"سرفیاض کو آدھے گھنٹے تک یہیں اسی جگہ بیٹھنا پڑے گا۔" میجر سعید بولا۔

"کیوں....!" سرفیاض نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ آدھے گھنٹے بعد سرفیاض اس دستاویز کو پھاڑ کر پھینک دیں گے۔"

"سعید تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔" رائے شیکھر غرایا۔ "لاؤ دستاویز مجھے دو۔ ورنہ تم میری ہی چھت کے نیچے ہو۔"

"اور یہ واقعی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہو گی۔ اگر تمہاری ہی چھت کے نیچے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔"

"ہوش کی دوا کرو۔" رائے شیکھر بپھر گیا۔

اب حمید نے فریدی کی آواز پہچان لی تھی۔ یہ میجر سعید نہیں بلکہ فریدی تھا۔

دفعتاً اس نے اپنی صدری کی جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔"

"یہ کیسا پاگل پن پھیل گیا ہے۔" رائے شیکھر میز پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"یور لارڈ شپ....!" فریدی نے جسٹس شرما کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کاروائی جاری رہے۔" جسٹس شرما کے لہجے میں بڑی تلخی تھی۔

رائے شیکھر بُری طرح بوکھلا گیا تھا لیکن فریدی کی نظریں چارلس پر تھیں جو ایسے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا ہوا تھا جیسے وہاں کسی ڈرامے کا ریہرسل ہو رہا ہو۔

"تم چارلس براؤن۔ کیا اپنی جامہ تلاشی دے سکو گے۔" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔

"اوہ.... ضرور.... ضرور....!" چارلس براؤن اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ "اس وقت میرے جیب میں زیادہ رقم نہیں ہے۔"

فریدی اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اس نے کہا ٹھہرو۔ "مجھے ایک گلاس پانی پی لینے دو۔" ساتھ ہی اس نے میز پر رکھا ہوا گلاس اٹھا لیا جس میں پانی تھا وہ اسے منہ تک لیجاتا ہوا فریدی کو ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا۔ اس نے گلاس ہونٹوں تک لے جا کر پھر میز پر رکھ دیا اور آہستہ سے بولا "میں جا رہا ہوں۔"

فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی لیکن ٹھیک اسی وقت میز پر رکھے ہوئے گلاس سے دھوئیں کا ایک بھبکا سا اٹھا اور میز کی سطح سے چار فٹ کی بلندی پر پہنچ کر اس نے اتنے حیرت انگیز طور پر وسعت اختیار کی کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکے۔ چشم زدن میں سارا کمرہ دھوئیں سے بھر گیا۔

پھر کسی کو ہوش نہیں کہ کون کدھر گیا۔

حمید بھیجدھر منہ اٹھا نکل گیا لیکن وہ اس فکر میں تھا کہ کوئی نکل کر نہ جانے پائے وہ تو یہ بھی نہ جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مجرم تھا وہ سب ہی ایک مقصد کے تحت وہاں اکٹھے ہوئے تھے

وہ مختلف کمروں میں چکراتا ہوا باہر نکل آیا۔

یہاں پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ فریدی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔ مگر آیا کہاں سے تھا؟ وہ تو شروع ہی سے یہاں رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے دروازے سے باہر قدم نکالنا چاہا ایک ریوالور کی نال اس کے سینے سے آلگی۔ وہ ایک سادہ لباس والا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" حمید نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کیا ہر دروازے پر یہی انتظام ہے۔"

حمید کی آواز پہچانتے ہی اس نے ریوالور ہٹا کر کہا۔ "جی ہاں۔"

"کیا کوئی نکل کر بھی گیا ہے۔"

"میں نے تو نہیں دیکھا۔ مگر ٹھہریئے۔ میں نے بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنی تھیں، لیکن اندازہ نہیں کر سکا کہ کون کدھر جا رہا ہے۔"

"تو پھر کیا تم جھک مارنے کے لئے یہاں کھڑے ہو۔"

"جناب والا.... یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم کمپاؤنڈ میں داخل ہو رہے تھے۔"

حمید پھر واپس آگیا۔ وہ ننگے پیر ہی چل رہا تھا۔ اس لئے اس کے پیروں کی آواز قریب بھی نہیں سنی جا سکتی تھی۔

اس نے ایک کمرے میں مخدوم کی آواز سنی اور پھر وہ دوسری طرف منہ کئے ہوئے الٹا ہوا دروازے سے نکلا اور پھر دروازہ بند ہی کرنے جا رہا تھا کہ حمید نے اُسے پکڑ لیا۔ مخدوم کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ دوسروں کو اس کی زد میں لے کر فرار ہو جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

حمید نے ریوالور پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ مگر مخدوم کی گرفت مضبوط تھی۔ اس جدوجہد میں ریوالور چل گیا اور ایک بڑے تصویری فریم کا شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ حمید نے اُسے گرا لیا تھا لیکن اس سے ریوالور چھیننے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوا تھا۔

کمرے سے دوسرے لوگ بھی نکلنے لگے اور انہوں نے حمید کے احتجاج کے باوجود مخدوم پر دھاوا بول دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اس کے ہوش ہی اڑ گئے ہوں گے۔ ریوالور کا دھیان کہاں سے رہ جاتا۔ ذرا ہی سی دیر میں اُسے باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا۔

سر فیاض ایک آرام کرسی پر پڑا ہوا یہ سب کچھ بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتا۔

حمید نے رائے شیکھر کی طرف دیکھا، جو سر جھکائے دم بخود کھڑا تھا۔

"کرنل فریدی کہاں ہیں۔" جسٹس شرما نے حمید کو مخاطب کیا۔

"مجھے علم نہیں ہے جناب والا! ممکن ہے وہ اس کے تعاقب میں ہوں۔"

"وہ حقیقتاً کون تھا۔"

"یہ بھی کرنل صاحب ہی بتا سکیں گے۔"

دفعتاً سر فیاض نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں بند کر کے گردن ایک طرف ڈال دی اس کے چہرے کا رنگ اڑتا جا رہا تھا پھر انہوں نے ایک ہلکی سی کراہ سنی۔

وہ پھر مریض معلوم ہونے لگا تھا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی کیفیت رہی پھر اس نے ایک کراہ کے ساتھ آنکھیں کھولیں اور حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"ہائیں.... یہ مخدوم کو کیا ہوا؟" اس نے سیدھے بیٹھتے ہوئے کہا۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر اُس نے رائے شیکھر کو مخاطب کیا۔ "یہ کیا ہے رائے شیکھر! تم نے مجھے کیوں بلوایا تھا۔ کب کی دشمنی نکالی ہے کیا کبھی میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔"

رائے شیکھر اسی انداز میں سر جھکائے کھڑا رہا۔ غالباً اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

دفعتاً کرنل فریدی کمرے میں داخل ہوا۔ اب اس کے چہرے پر میجر سعید کی فرنچ کٹ ڈاڑھی اور گھنی مونچھیں نہیں تھیں۔ وہ اپنی اصلی شکل میں تھا۔

"کیوں....؟" شرما نے پوچھا۔

"وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ ایک گلاس پانی سے اتنا فائدہ اٹھائے گا۔"

"وہ دھواں کیسا تھا۔"

"خدا جانے۔" اس نے لاپروائی سے کہا اور سر فیاض کی طرف دیکھنے لگا۔

"سر فیاض۔ کیا آپ بھی رائے شیکھر کے پانچ کروڑ کے مقروض بھی رہے ہیں۔"

"کون کہتا ہے۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "کیا اس قسم کی کوئی لغویات رائے شیکھر نے لکھی ہے۔"

"نہیں.... اس کا تحریری اعتراف تو خود آپ ہی نے کیا ہے۔"

"میں نے۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم لوگ میرا مذاق اڑانے پر تل گئے ہو۔ یہ کیا بکواس ہے۔"

فریدی نے جیب سے وہی دستاویز نکال کر اس کی طرف بڑھادی۔ سر فیاض اسے دیکھتا رہا پھر یک بیک چیخنے لگا۔

"یہ جعلی ہے۔ فریب ہے۔ تم لوگ ٹھگ ہو۔ مجھے برباد کر دیا۔ ٹرینی گام والی کان۔ میرے خدا۔ مخدوم.... او مخدوم.... یہ کیا قصہ ہے۔"

مخدوم بھی خاموش ہی رہا۔

"جسٹس شرما۔ کیا آپ بھی ان ٹھگوں کے ساتھ ہیں۔" سر فیاض نے بڑے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں سر فیاض۔ لیکن آپ نے میرے سامنے اس پر دستخط کئے تھے۔"

"مخدوم.... ارے بولتا کیوں نہیں مجھے یہاں کیوں لایا تھا۔"

"کیا آپ کو اس سے انکار ہے۔ کہ یہ آپ کے دستخط ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں یہ میرے ہی دستخط ہیں اور کسی انتہائی مشاق آدمی نے بنائے ہیں۔ میں اس دستاویز کو عدالت میں چیلنج کروں گا۔"

"مجھے افسوس ہے کہ ایکسپرٹ آپ کی مخالفت میں فیصلہ کریں گے۔ کیونکہ یہ دستخط آپ نے اپنے ہاتھ سے کئے ہیں۔"

"تم کون ہو؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر۔ کرنل فریدی۔"

"کرنل فریدی۔" سر فیاض نے حیرت سے کہا۔ "تمہارے متعلق تو میں نے سنا تھا کہ تم شریف اور ایمان دار آدمی ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے ٹھیک ہی سنا ہے۔" جسٹس شرما نے کہا۔ "آپ ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہوتے ہوتے بچ گئے۔ یہ کرنل فریدی ہی کی ذہانت تھی جس نے آپ کو بچالیا۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا۔ پتہ نہیں کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہے۔" سر فیاض نے پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اب پہلے کی نسبت زیادہ بوڑھا معلوم ہو رہا تھا۔

"یہ کہانی آپ مخدوم ہی سے سنئے گا۔" فریدی نے کہا اور حمید سے بولا۔ "مخدوم کو کھڑا کرو۔"

مخدوم بہت دیر بعد بولنے پر آمادہ ہوا۔ یہ بھی کرنل فریدی ہی تھا جس نے اپنے مخصوص

نفسیاتی طریقوں سے اعتراف جرم کرا لیا ورنہ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی۔ مخدوم نے بتایا کہ ٹرینی گام والی کان کی کھدائی اسی کی نگرانی میں شروع ہوئی تھی۔ ایک غیر ملکی انجینئر ٹیکنیکل معاملات کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اچانک ایک دن اُس نے مخدوم کو اطلاع دی کہ اس کان سے پلاٹینم برآمد ہونے کی توقع ہے۔ اُس کے ساتھ یہ آدمی چارلس براؤن بھی آیا تھا۔ اس نے مخدوم کو سمجھانا شروع کیا کہ آدمی کو موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پھر اس نے یہ اسکیم بنائی جس کے تحت وہ کان مفت میں ہاتھ آتی۔ اس اسکیم میں چارلس براؤن مخدوم ٹیکنیکل مشیر سیل پیٹرک اور رائے شیکھر شریک تھے۔ رائے شیکھر کو اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ بعد میں عدالت کو باور کرانے میں دشواری پیش نہ آئے کیونکہ وہ ایک مقامی سرمایہ دار تھا۔

سر فیاض سے دستاویز لکھوانے کے لئے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔ جس کیفیت کے تحت اس نے دستاویز پر دستخط کئے تھے وہ ایک انجکشن کا اثر تھا اس کیفیت کے زائل ہو جانے کے بعد وہ قطعی بھول جاتا تھا کہ وہ اس ذہنی دور میں کیا کر چکا ہے۔ جو کچھ اس کے ذہن نشین کرایا جاتا وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتا۔ اس انجکشن کو اس کے سسٹم پر اثر انداز کرانے کے لئے کئی تجربات سے گزارنا پڑا تھا۔ کئی ماہ قبل جب اسے پہلا انجکشن دیا گیا تو اس کے ہاتھ پیر ایک کرسی سے باندھ دیئے گئے تھے۔ سر پر ایک ہانڈی اس طرح لٹکائی گئی تھی کہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے پانی کی ایک بوند اس کے سر پر ٹپکتی رہے وہ وہی موقع تھا جب وہ تار جام جانے کے لئے کہیں غائب ہو گیا تھا۔ بہر حال جب انجکشن کئی بار کے تجربات سے اس کے سسٹم پر اچھی طرح اثر انداز ہو گیا تو دستاویز پر دستخط لینے کی مہم شروع کی گئی۔ رائے شیکھر نے اپنے چند معزز دوستوں کے ساتھ سر فیاض کو مدعو کیا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی موجودگی میں کاغذات مرتب کئے جائیں۔ ججوں اور بیرسٹروں کی ان پر شہادت ہو تاکہ انہیں کسی طرح بھی باطل قرار نہ دیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ رائے شیکھر کے یہ معزز دوست اس سازش سے آگاہ نہیں تھے۔ انہوں نے اُسے ہوش و حواس میں کاغذات پر دستخط کرتے دیکھا تھا۔ ایسی صورت میں سر فیاض دنیا کی کسی عدالت سے بھی اپنے حق میں فیصلہ نہ کرا سکتا اور پلاٹینم کی کان ان لوگوں کے ہاتھ لگتی۔

سر فیاض چکرا گیا۔ کبھی وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مخدوم کی طرف دیکھتا اور کبھی رائے شیکھر کی طرف۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "میرے گناہوں کا ثمرہ.... یہ مخدوم.... میرا ہی لڑکا ہے.... مگر غیر قانونی....!"

"اوہ.... چپ رہو سور....!" مخدوم گرجا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ اگر تم نے دوبارہ

یہ الفاظ زبان سے نکالے۔"

دفعتاً فریدی کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے سر فیاض کو گھور کر دیکھا۔

پھر اس نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "تمہاری جائز اولاد، ٹرینی گام کی پلاٹینم کی کان کی حقدار ہے لہٰذا ناجائز اولاد نے اُسے حاصل کرنے کے لئے ناجائز طریقہ اختیار کیا۔ ناجائز اولاد سے تم اور کس بات کی توقع رکھتے ہو سر فیاض۔ یہ تو پورا پورا انصاف ہو رہا تھا تمہارے سا… کیپٹن حمید مخدوم کو کھول دو۔"

"ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا....!" جسٹس شرما بے ساختہ بولے۔

"انصاف می لارڈ....!"

"کس قانون کی رو سے۔"

"یہ اسی قانون کی رو سے می لارڈ۔ جس قانون کی رو سے اس ناجائزہ اولاد نے جنم لیا تھا یہ زبردستی عالم وجود میں آ گیا تھا۔"

"تم شاعری کرنے لگے۔"

"اسے آپ جو کچھ بھی سمجھیں دونوں دستاویزیں میرے ہی پاس ہیں اور یہ ہر حال میں… کے حق میں استعمال کی جائیں گی۔ سر فیاض کو کھلی ہوئی اجازت ہے کہ وہ عدالتوں میں صفا… پیش کرتے پھریں۔ جب تک میرے دم میں دم ہے ٹرینی گام کی کان انکے ہاتھ نہ آ سکے گی۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔"

"می لارڈ.... جو کچھ آپ سمجھیں۔"

"کچھ نہیں....!" سر فیاض مجنونانہ انداز میں اٹھتا ہوا بولا۔ "مجھے نہ چاہئے.... چاہئے۔" پھر اس نے مخدوم کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میرے بیٹے.... مجھے معاف کرنا۔ خود رفتگی میں یہ بات میری زبان سے نکل گئی تھی.... مجھے کچھ نہ چاہئے۔ مجھے کسی سے کوئی… نہیں ہے۔ کسی سے بھی نہیں۔ میں کسی عدالت میں صفائی نہیں پیش کروں گا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

مخدوم نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر فریدی اُسے روک کر بولا۔ "ٹھہرو! ٹرینی گا… علاوہ بھی ایک معاملہ اور ہے۔ اس دن سفید کشتی میں کسے دیکھ کر سر فیاض کی حالت بگڑ گئی تھی۔"

"چارلس براؤن کو۔ وہ اس وقت انجکشن کے اثر میں نہیں تھے۔ لیکن اب انہیں یہ بھی یاد… ہے کہ انہوں نے کسی کشتی میں کسی کو دیکھا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس ذہنی تبدیلی کی وجہ کیا تھی۔"

"میں تمہیں صرف اس جرم میں حراست میں لیتا ہوں کہ تم ایک بین الاقوامی مجرم ڈاکٹر ڈریڈ کے مددگار رہے ہو۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" ہر ایک کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔" جسٹس شرما نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں اور اس کا احساس مجھے اس وقت ہو سکا جب گلاس سے دھواں اٹھا تھا۔ اس قسم کے شعبدوں کے لئے وہ خاص طور پر مشہور ہے اور یہی شعبدے اسے اب تک قانون کے شکنجوں سے بچاتے رہے ہیں۔ خیر۔ رائے شیکھر مجھے افسوس ہے کہ آپ بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ میں مجبور ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ عدالت میں بری ہو جائیں۔ اس وقت تک یہ دستاویز ہز لارڈشپ کے پاس رہیں گی۔"

"میں اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔" جسٹس شرما نے کہا۔

"پھر یہ فی الحال کسی بینک میں رہیں گی۔"

"کیوں نہ اس قصے ہی کو ختم کر دو۔ سر فیاض ہی کو جب کسی سے کوئی شکایت نہیں رہ گئی تو قصہ آگے کیوں بڑھے اور ڈاکٹر ڈریڈ بھی نکل ہی گیا۔ ظاہر ہے یہ لوگ یہ نہ جانتے رہے ہوں کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ تھا۔"

"قطعی نہیں حضور والا۔" مخدوم بولا۔

"پھر کیا رائے ہے۔" جسٹس شرما نے فریدی سے پوچھا۔

"جو آپ مناسب سمجھیں۔ ٹرینی گام کی کان سے تو مخدوم ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔"

"نہیں! اس قصے کو بھی ختم کر دو۔ کیوں مخدوم۔ دستاویزیں ضائع کر دی جائیں نا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے جناب عالی۔"

"چلو.... ختم کرو۔"

جسٹس شرما نے دستاویزیں فریدی سے لے کر آتش دان میں ڈال دیں۔

دوسرے دن حمید کو معلوم ہو سکا کہ میجر سعید فریدی کے گہرے دوستوں میں سے تھا اور اس نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی تھی کہ وہ اسکا رول ادا کرے اور خود روپوش ہو گیا تھا۔

حمید ریکھا کو اب بھی کلو کی ماں کہتا ہے اور وہ سر تا بقدم آتش فشاں بن جاتی ہے۔

جاسوسی دنیا نمبر 62

لاش کا قہقہہ

(تیسرا حصہ)

اغواء

یہ بھی ممکن تھا کہ یہ واقعہ ہی نہ ہوتا.... یا ہو ہی جاتا.... وثوق سے نہیں کہا جاسکتا۔ آرلکچنو میں وہ ہنگامہ قطعی اتفاقیہ تھا۔ یعنی اگر یہ کہا جائے کہ ہنگامہ اسی لئے ہوا تھا کہ اسی کی آڑ میں کوئی اپنا کام کرجائے تو یہ بالکل بیکار سی بات ہوگی۔ کیونکہ جس کی وجہ سے ہنگامہ ہوتا وہ خواہ مخواہ اپنی گردن کیوں پھنساتا۔ ویسے اُسکی گردن ہر اعتبار سے بہت موٹی تھی۔ وہ خود بھی موٹا تھا۔ غیر معمولی طور پر موٹا اور اتنا ہی غیر معمولی طور پر لمبا بھی.... یعنی اس حلئے کا آدمی گرانڈیل احمق قاسم کے علاوہ اور کون ہوسکتا تھا۔

ہنگامے کی وجہ بہت معمولی سی تھی۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم کے لئے بھی معمولی ہی رہی ہو۔ ہوا یہ کہ نوجوان جوڑا اُس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آیا۔ قاسم بڑے انہماک سے کھانے پر ہاتھ صاف کررہا تھا۔ اس کے سامنے متعدد پلیٹیں تھیں اور ایک خالی پلیٹ میں ہڈیوں کا اہرام تعمیر ہورہا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھ شوربے سے بھرے ہوئے تھے۔ آنے والوں میں ایک انتہائی خوبصورت لڑکی تھی اور دوسرا ایک نوجوان مرد۔ مرد کو قاسم اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ شہر کے ایک سرمایہ دار کا لڑکا تھا۔ غالباً وہ بھی قاسم سے واقف تھا۔ کیونکہ دونوں کا تعلق ایک ہی طبقے سے تھا۔

قاسم لڑکی کو نہیں پہچانتا تھا لیکن پہلی ہی نظر میں وہ اُسے بے حد پسند آئی کیونکہ حسین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اچھی صحت بھی رکھتی تھی۔ وہ اس معیار پر پوری نہیں اترتی تھی جس کے لئے قاسم کی

''رومانی'' لغات میں صرف ایک ہی لفظ ہوسکتا تھا۔ ''تنگڑی'' مگر..... پھر بھی اُس کے چہرے مہرے
ڈیل ڈول میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ قاسم اس کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔

لڑکی بھی اُسے دیکھ کر مسکرائی اور نوجوان آہستہ آہستہ اُس سے کچھ کہنے لگا۔ ساتھ ہی وہ قا
کنکھیوں سے دیکھتا بھی جا رہا تھا..... پھر اُن دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

قاسم کو تاؤ آ گیا۔ کھلی ہوئی بات تھی۔ وہ قاسم کا مضحکہ اڑانا چاہتے تھے۔ اگر لڑکی تنہا ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی وہ قاسم کے گلے میں جوتیوں کے ہار بھی ڈال سکتی تھی۔ مگر وہ مرد..... وہ ''ا
پٹھا'' کیوں ہنسا تھا اُسے دیکھ کر۔ قاسم کا اسکریو ڈھیلا ہوگیا اور دوسرے ہی لمحے میں شوربے کی ق
اس نوجوان کے منہ پر پڑی..... اُس کے ساتھ بھی ایک لڑکی تھی اور کسی لڑکی کی موجودگی میں اُس کا
معمولی سی توہین بھی نہیں برداشت کرسکتا۔

اُس نے قاسم پر چھلانگ لگائی۔ کرسی ٹوٹنے کی چرچراہٹ ڈائیننگ ہال میں گونج کر رہ گئی۔ ا
چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ اس دوران میں قاسم اُسے میز پر اچھال چکا تھا۔ میز سمیت وہ دو
طرف الٹ گیا۔

دفعتاً اُسی وقت پورا ہال تاریک ہوگیا۔

کسی لڑکی کی چیخ اندھیرے میں لہرائی۔

''چھوڑ دو..... چھوڑ دو..... چھوپ۔'' ایسا معلوم ہوا جیسے اُس کا منہ دبا لیا گیا ہو۔ میزیں الٹ
تھیں۔ لوگ چیخ رہے تھے اور قاسم بُری طرح بدحواس ہوگیا تھا..... نہ جانے کتنے بھاگتے ہوئے
اُس سے ٹکرائے۔ نہ جانے وہ کتنی بار گرا۔ گر کر اٹھنے نہیں پایا کہ دو چار اور آ گرے اُس پر۔ ظاہر
جب وہ دوبارہ اٹھ کر بھاگتے ہوں گے تو قاسم کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ بہرحال وہ بُری طرح کچلا اور رو
گیا۔ لیکن اُسی بدحواسی کے عالم میں نہ جانے کیسے اُس کے ذہن کی دلدل میں روشنی کی ایک کر
لو دے اٹھی۔ اُس نے سوچا کہ اس ہنگامے کی ساری ذمہ داری اُسی پر عائد ہوگی۔ لہٰذا روشنی ہونے
قبل ہی کھسک جانا چاہئے۔

وہ بمشکل تمام اٹھا اور اندازے سے ایک دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔

اندھیرے میں اب بھی لوگ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے۔ میزوں اور کرسیوں سے الجھ کر
رہے تھے۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں نسوانی چیخوں سے ہم آہنگ ہوکر کچھ عجیب سی لگتیں۔

قاسم کسی نہ کسی طرح دروازے تک پہنچ گیا لیکن باہر نکلنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ اب باہر سے
ہی ایک جم غفیر اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''بہزار خرابی وہ کمپاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ وہ کس طرح اپنی کار میں بیٹھا تھا اور کس
رح اُسے ڈرائیو کرتا ہوا گھر تک پہنچا تھا۔

اُس کے کپڑے شوربے کے بڑے بڑے دھبوں سے زعفران زار بنے ہوئے تھے۔ ننھی منی بیوی
نے اس کی ہیئت دیکھی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کیا کسی نے باورچی خانے میں بند کر کے مارا تھا'' اُس نے ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کرتے
ئے کہا اور قاسم ناچ گیا۔

''دیکھو۔'' وہ انگلی اٹھا کر آنکھیں نکالتا ہوا بولا۔ ''تم مجھ سے بے تکی باتیں نہ کیا کرو۔''

''تم تھے کہاں۔'' دفعتاً اُس کی بیوی کا موڈ بگڑ گیا۔ ''میرا خیال ہے کہ آج کسی شریف آدمی نے
ہیں اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہوگا۔''

''دیکھ لیا تھا'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''تم سے مطلب..... تم جہنم میں جاؤ۔''

''تم خود جاؤ..... مجھ سے اس طرح اکڑ کر گفتگو نہ کیا کرو۔ تمہاری لونڈی ہوں کیا۔''

''ہزار بار کہوں گا..... تم میری لونڈی ہو..... ہاں۔''

''زبان سنبھال کے..... بڑے آئے..... کہیں کے۔''

''تم بکواس نہ کیا کرو..... کیا میں تم سے بولا تھا'' قاسم دہاڑا۔

''تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم کہاں تھے۔''

''میں چانڈو خانے میں چرس پی رہا تھا۔ تم سے مطلب۔''

''میں ابھی چچا جان کو فون کرتی ہوں۔ پھر انہیں سے مطلب پوچھنا۔''

''کردو۔'' قاسم رو میں بولا۔ پھر یک بیک سنبھل کر ہکلانے لگا۔ ''تم..... بب..... بیکار..... میرے
پیچھے..... پیچھے..... پپ پڑ رہی ہو..... میں تو میلاد میں گیا تھا..... ہاں۔''

''پھر یہ شوربے کے دھبے کیسے ہیں۔''

''میں نے میلاد سننے والوں کے لئے سالن پکایا تھا..... ارر..... ہام..... نن..... نہیں..... سنو تو سہی۔''

''تمہیں شرم نہیں آتی۔ خاندان کا نام اچھالتے پھرتے ہو۔''

''اب آئے گی....اب آئے گی۔'' قاسم بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''تم ابا جان کو فون مت کرنا.... ہاں.... مجھے ذرا غصہ آ گیا تھا۔''

''اور غصے میں تم نے قورمے کی پلیٹ میں چھلانگ لگا دی۔''

''ارے تم سنو تو سہی.... مجھے اُس پر غصہ آ گیا تھا.... پرویز کے بچے پر۔''

''کون پرویز....!''

''سر سلیمان کا لڑکا.... اُلو کا پٹھا.... مجھے دیکھ کر ہنستا ہے...! میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ مار وہ لڑنے پر تیار ہوا تو اٹھا کر پھینک دیا سالے کو۔''

''کہاں لڑے تھے۔''

''آرلیکچو میں۔''

قاسم کی بیوی نے ایک طویل سانس لی اور بولی۔ ''اب ہوگی مقدمہ بازی چچا جان اور سر سلا میں ویسے ہی ٹھنی رہتی ہے۔''

''مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ ٹھنی رہتی ہے ورنہ مار ہی ڈالتا سالے کو۔''

''اپنی خیر مناؤ۔ چچا جان کو لازمی طور پر اس کا علم ہو جائے گا۔''

''اے چچا جان کی بھتیجی کبھی تم دونوں سے پیچھا بھی چھوٹے گا میرا۔'' قاسم جھلا گیا۔

''مجھے تم زہر دے دو۔ لیکن بوڑھے باپ کو کیوں کوستے ہو۔''

''دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔'' قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ ''ایک بھی باپ نہیں ہے.... اور کوئی بھی نہیں ہے۔ یعنی کہ تمہیں کسی دن سچ مچ زہر دے دوں گا۔''

''کوشش کر کے دیکھو۔'' قاسم کی بیوی نے بُرا سا منہ بنایا۔

قاسم پیر پٹختا ہوا اپنی خواب گاہ کی طرف چلا گیا۔



شام ہی سے آسمان بادلوں سے ڈھکا رہا تھا۔ دس بجے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ آ پانی ساتھ آئے تھے۔ شہر کے بہتیرے حصے بجلی کے تار ٹوٹ جانے کی بناء پر تاریک ہو گئے۔ ویران پڑ گئی تھیں۔

دفعتاً ایک کار کرنل فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور سیدھی پورچ کی طرف چلی گئی۔

اترنے والا محکمہ سراغ رسانی کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔

نوکروں نے اُسے ڈرائینگ روم میں بٹھا کر فریدی کو اطلاع دی اور فریدی شب خوابی کے لباس ہی میں ملنے چلا آیا۔

''کیسے تکلیف فرمائی جناب۔'' فریدی نے حیرت سے کہا۔ وہ ایک بااصول آدمی تھا۔ اس لئے اونچی پوزیشن کا مالک ہونے کے باوجود بھی اپنے آفیسروں کا احترام کرتا تھا۔ پھر ویسے بھی سپرنٹنڈنٹ ایک معمر آدمی تھا اور ابھی حال ہی میں کسی دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا تھا۔

''ایک نئی مصیبت کرنل....!'' سپرنٹنڈنٹ نے رک رک کر کہا۔

''فرمائیے....! تشریف رکھئے۔'' فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا۔

''میں نے فون کرنا چاہا لیکن لائن خراب تھی۔ میرے خدا.... اب تک اُسی رفتار سے بارش ہو رہی ہے جس رفتار سے شروع ہوئی تھی۔''

اتنے میں ایک نوکر اندر آیا۔

''کافی....!'' فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

''ارے نہیں بھئی.... اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''آپ ٹھنڈی ہواؤں سے گذر کر یہاں تک آئے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''کافی ضرور پیجئے۔''

''خیر.... ہاں.... تو میں اسلئے آیا تھا کہ اس طوفان میں شائد تمہیں گھر سے باہر نکلنا پڑے۔ مگر میں کیا کروں۔ معاملہ اتنا ہی اہم ہے۔ کسی دوسرے کو اس معاملے میں ڈال کر وقت برباد کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ سب سے پہلے میں آئی جی صاحب کے بنگلے پر گیا تھا۔ اُنکا بھی یہی خیال ہے کہ تم ہی کچھ کر سکو گے۔''

''فرمائیے.... موسم کی فکر نہ کیجئے.... موسم بھی اُسی جہانِ آب وگل کی پیداوار ہیں جس نے آدمی کو جنم دیا ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ چند لمحے اُس کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔

''تم نے بھی سعیدہ رحمان کے متعلق سنا ہوگا۔''

''کون سعیدہ رحمان۔''

''جو ایک ہفتہ پہلے جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ لیکن اب ایک ارب پتی لڑکی ہے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں نے اس معجزے کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں سنا۔'' فریدی مسکرا کر بولا۔

''ہاں معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ مجھے خود بھی حیرت ہے۔ اس قسم کے واقعات اور کردار صرف کہانیوں ہی میں ملا کرتے تھے۔ اُس کا ایک مالدار چچا حال ہی میں فوت ہوا ہے اور اس کی ساری دولت اُس کے حصے میں آئی ہے.... لہٰذا یہاں کے سارے سرمایہ دار یک بیک اُس کی طرف متوجہ ہوگئے ہیں۔''

سپرنٹنڈنٹ سانس لینے کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ''آج شام کو وہ سرسلیمان کے لڑکے پرویز کے ساتھ آرلکچنو میں تھی۔ وہاں خان بہادر عاصم کے لڑکے سے پرویز کا جھگڑا ہوگیا۔''

''جھگڑا کیوں ہوگیا۔''

''پرویز کا بیان ہے کہ اُس نے بس یونہی بیٹھے بیٹھے شوربے کی پلیٹ اُس کے منہ پر کھینچ ماری تھی۔ ان میں کوئی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اسی دوران میں ہال کا فیوز اڑ گیا اور پرویز نے سعیدہ رحمان کی چیخیں سنیں۔ روشنی ہونے پر نہ وہاں سعیدہ تھی اور نہ قاسم۔ پرویز نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں سعیدہ کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔ لیکن وہ نہ ملی۔ سرسلیمان نے براہ راست آئی جی سے گفت وشنید کی ہے۔ اُس کا خیال ہے کہ لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔''

''شبہہ قاسم کی طرف ہوگا۔'' فریدی نے کہا۔

''ہاں یہی تو بات ہے۔ خان بہادر عاصم بھی آئی جی کے دوستوں میں سے ہیں۔ اسی لئے ہاں۔ عاصم اور سلیمان کے تعلقات پہلے ہی سے ناخوشگوار ہیں۔''

''میں سمجھ گیا۔'' فریدی سر ہلا کر بولا۔ ''لیکن اگر آپ یہ کام مجھے سونپنا چاہتے ہیں تو میں عرض کردوں۔'' فریدی جملہ پورا نہیں کرپایا تھا کہ کافی آ گئی۔

''ہاں.... کہو.... کیا کہہ رہے تھے۔'' سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''مطلب یہ کہ اگر یہ واقعی اغواء کا کیس ہے اور اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ثابت ہوا تو آئی جی صاحب کی دوستی عاصم کے کام نہ آسکے گی۔''

''میں سمجھتا ہوں۔ آئی جی صاحب بھی سمجھتے ہیں۔ اسی لئے وہ چاہتے ہیں کہ تفتیش تم ہی کرو۔ اُن کا خیال ہے کہ عاصم کا لڑکا اس قسم کی حرکتوں کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

فریدی نے کافی بنا کر پیالی اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''میں قاسم سے اچھی طرح واقف ہوں.... دوسروں کا آلہ کار بننے کی صلاحیت اُس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ خیر میں دیکھوں گا.... ہاں

اب آپ مجھے اُس لڑکی کے متعلق بتایئے۔ اُس کا چچا کہاں تھا۔''

''جمیکا میں.... وہ وہیں پر آباد ہوگیا تھا۔ وہاں اُس کا کروڑوں روپوں کا کاروبار تھا۔ اور لاکھوں کی جائیداد۔ اُس کی وارث یہی لڑکی سعیدہ رحمان قرار پائی ہے کیونکہ قریبی عزیزوں میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اُسے یہ اطلاع یہاں کے ایک وکیل کی وساطت سے ملی تھی اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ لڑکی کو اس کا علم نہیں تھا کہ اُس کا کوئی چچا اتنا مالدار بھی ہوسکتا ہے۔ ویسے اس کا بیان ہے کہ اُس کا ایک چچا تھا جو بچپن میں گھر سے نکل گیا تھا۔''

''اوہ.... یہ واقعی کوئی دلچسپ کہانی معلوم ہوتی ہے۔'' فریدی مسکرایا۔

''ہاں بھئی! بعض اوقات تو اس لڑکی کے مقدر پر رشک آنے لگتا ہے۔''

''اُس کے چچا کا کیا نام تھا۔''

''کرم رحمان۔'' سپرنٹنڈنٹ بولا۔ ''نچلے طبقے کے لوگ ہیں لیکن.... دولت.... لڑکی کے والدین بھی مرچکے ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہے۔ گریجویٹ۔''

''کیا اُسے کچھ روپیہ مل بھی گیا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ ضرور ملا ہے۔ کیونکہ اب وہ پرنسٹن کے ایک شاندار بنگلے میں رہتی ہے۔''

''کس وکیل کی وساطت سے اُسے اپنے مالدار ہوجانے کی اطلاع ملی تھی۔''

''کیلاش ورما کی وساطت سے اور وہ اس کا قانونی مشیر بھی ہے۔''

''کیا یہ بھی معلوم ہوسکے گا کہ اُس لڑکی میں کتنے لوگ دلچسپی لے رہے تھے۔''

''ہاں.... میرا خیال ہے کہ پرویز ہی اُس کے متعلق بتا سکے گا۔''

''بہت بہتر۔ میں اسی وقت سے کام شروع کررہا ہوں۔ کیا خان بہادر عاصم کو اس واقعے کی اطلاع مل چکی ہے۔''

''مل چکی ہے۔ آئی جی صاحب نے انہیں میرے ہی سامنے فون کیا تھا۔''

''اصولاً غلط ہے۔'' فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ ''اگر حقیقتاً اس میں قاسم ہی کا ہاتھ ہے تو.... اُسے روپوش کردیا جائے گا۔''

سپرنٹنڈنٹ نے اُس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ پھر فریدی کا بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

اتنے میں پورچ سے ہارن کی آواز آئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد حمید کی آواز بھی سنائی دی۔ شائد وہ باہر سے آیا تھا اور نوکروں کو متوجہ کرنے کے لئے اُس نے ہارن بجایا تھا۔

پھر وہ راہداری سے گذر ہی رہا تھا کہ فریدی نے اُسے آواز دی۔ وہ مڑا لیکن سپرنٹنڈنٹ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا.... پھر وہ اُسے سلام کرتا ہوا ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔

''بیٹھو....!'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور تیسرے کپ میں کافی انڈیلنے لگا۔

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سپرنٹنڈنٹ نے اٹھتے ہوئے کہا ''اچھا تو اب میں چلوں گا۔''

''آپ مطمئن رہئے۔ کام اسی وقت سے شروع کر دیا جائے گا۔''

کام کا نام سنتے ہی حمید کا کام تمام ہو گیا۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ کو رخصت کرنے کے لئے پورچ تک آنا ہی پڑا۔

سپرنٹنڈنٹ کی کار چلی گئی۔

''سنا ہے بارش میں بھیگنے سے اکثر نمونیہ بھی ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک سنا ہے۔''

''تو پھر میں چلا بھیگنے۔''

''بکواس مت کرو۔ یہ کام بہت معمولی سا ہے۔ ویسے اگر لیٹنے ہی کو دل چاہتا ہے تو مجھ سے رجوع کرو۔ مجھے عرصہ سے کسی کے ہاتھ پیر توڑنے کا موقعہ نہیں ملا۔''

''کیا قصہ ہے۔''

''دلچسپ ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔ آؤ اندر چلیں۔''

پھر وہ ڈرائنگ روم میں واپس آئے اور فریدی کو سپرنٹنڈنٹ سے جو کچھ بھی معلوم ہوا تھا اُسے دہراتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا قاسم اُس لڑکی کے چکر میں تھا۔''

''پتہ نہیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ قاسم میں اس قسم کے کاموں کی صلاحیت نہیں ہے۔''

''مگر وہ کسی کا آلۂ کار تو بن ہی سکتا ہے۔''

''ہاں یہ ممکن ہے۔ مگر وہ بھی اسی صورت میں جب کہ اُسے سازش کا علم نہ ہو۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ کسی نے مقصد بتائے بغیر اُسے پرویز کے خلاف اکسایا ہو۔ مگر یہ لڑکی۔ میں نے بھی دو تین دن ہوئے اُس کا تذکرہ سنا تھا۔''

''کوشش کرو۔ اس سے شادی کر کے تم شہر کے بہت بڑے آدمی ہو سکتے ہو۔ وہ اَرب پتی ہے۔''

تفتیش

حمید فریدی کی ہدائت کے مطابق قاسم کے گھر پہنچا۔ حالانکہ بارش اُسی زور و شور کیساتھ جاری تھی۔ پھاٹک ہی پر قاسم کے باپ سے ملاقات ہو گئی۔ حمید کی کار اندر جا رہی تھی اور اُس کی کار باہر نکل رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر رک گئیں۔

''کون صاحب ہیں۔'' کار سے آواز آئی۔ حمید نے آواز پہچان لی۔ وہ قاسم کا باپ ہی تھا۔

''کیپٹن حمید! بسلسلہ تفتیش....!'' حمید نے جواب دیا۔

''اوہ.... یہ بہت اچھا ہوا.... وہ مجھے کچھ نہیں بتاتا۔ کیا یہ کیس آپ ہی لوگوں کے پاس ہے۔''

''جی ہاں۔''

''بہت اچھا ہے۔ اَب میں مطمئن ہوں۔ آپ ذرا اپنی گاڑی پیچھے ہٹائیے۔ میں واپس جا رہا ہوں۔''

حمید نے کار بیک کی اور خان بہادر عاصم کی کار نکل گئی۔ پھر حمید اپنی کار پورچ کی طرف لیتا چلا گیا.... قاسم کی بیوی شائد عاصم صاحب کو رخصت کرنے کیلئے برآمدے تک آئی تھی اور کسی دوسری کار کی ہیڈلائیٹس دیکھ کر وہیں رک گئی تھی اور پھر جب اُس نے حمید کو دیکھا تو بے ساختہ ہنس پڑی۔

''کیوں! آپ ہنسیں کیوں....!'' حمید نے سوال کیا۔

''آپ بھی تشریف لے آئیے.... آئیے آئیے۔ میں آپ کو ایک عبرتناک منظر دکھاؤں۔''

''میں تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔ مگر قاسم کو کیا ملے گا سعیدہ رحمان کے اغواء سے۔''

''یہ انہیں سے پوچھئے گا۔''

''وہ ہے کہاں!''

''وہیں لے جا رہی ہوں۔ کیا آپ اس وقت اُن کے ساتھ نہیں تھے۔''

''کیا میں اُس کی دُم سے بندھا پھرتا ہوں۔''

قاسم کی بیوی ہنس پڑی لیکن حمید نے محسوس کیا کہ وہ اُس کی بات پر نہیں ہنسی.... انداز کچھ ایسا ہی تھا جیسے کسی مضحکہ خیز بات کے یاد آنے پر ہنس پڑی ہو۔

وہ اُسے قاسم کی خواب گاہ میں لائی۔ واقعی وہ ایک عبرتناک منظر تھا۔ اتنا عبرتناک کہ وہ تو

خیر پہلے ہی ہنس رہی تھی۔ حمید بھی ہنس پڑا۔

قاسم اپنی مسہری پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی مرضی سے کروٹ لینے کے قابل بھی نہ رہا ہو۔ کیوں کہ اس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے۔

ان دونوں کو ہنستے دیکھ کر وہ پاگلوں کی طرح چیخا۔

''میں غولی ماردوں گا۔''

''تم ہل بھی نہیں سکتے اپنی جگہ سے۔ جھوٹ نہ بولو'' حمید نے کہا۔

''تم قیوں.... کیوں آئے ہو! یہاں!''

''تمہارے ہتھکڑیاں لگانے کے لئے۔ سعیدہ رحمان بالکل لاوارث لڑکی ہے۔ اُس کا آخری بھی مرگیا۔''

قاسم کی بیوی نے قہقہہ لگایا اور قاسم آتی ہوئی چھینک روک کر دھاڑا۔ ''ارے چپ.... خدا کر تمہارا منہ سڑ جائے۔''

قاسم کی بیوی شائد اُسے جلانے کے لئے اس وقت بے تحاشہ قہقہے لگا رہی تھی۔ ویسے حمید اُسے بہت کم ہنستے دیکھا تھا۔

''تم خواہ مخواہ غصہ کر کے اپنی صحت نہ برباد کرو۔ پیارے قاسم....!'' حمید اُس کے سر پر ہاتھ ہوا بولا۔

''ہاٹ جاؤ'' قاسم نے کسی کٹکھنے کتے کی طرح دانت نکال کر گردن کو جھٹکا دیا۔

''حمید بھائی.... میں آپ کے لئے کافی بنواؤں۔'' قاسم کی بیوی نے مسکرا کر پوچھا۔

''نہیں کوئی ضرورت نہیں۔'' قاسم غرایا۔

''حمید بھائی.... کافی کے ساتھ آپ انڈوں کا حلوہ پسند کریں گے یا لوز بادام....!''

قاسم غیر شعوری طور پر منہ چلانے لگا اور حمید مسکرا کر بولا۔ ''دونوں۔''

قاسم کی بیوی کمرے سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے قاسم کو دیکھتا رہا پھر مغموم لہجے میں بولا۔ ''قاسم میں مغموم ہوں۔''

''خدا ایسا باپ گدھے کو بھی نصیب نہ کرے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''کیا وہ تمہیں باندھ گئے ہیں۔''

''ارے یہ عورت۔'' قاسم دانت پیس کر بولا۔ ''اس کی تو میں ہڈیاں چبا جاؤں گا۔ اسی نے مشورہ دیا ہوگا۔ حمید بھائی تم مجھے غائب کردو۔ ایک دم غائب کردو۔ دو چار سال کے لئے۔''

''مگر یہ سعیدہ رحمان کا کیا قصہ ہے۔''

''ارے یار کچھ نہیں بس غصہ آ گیا تھا۔''

''کیا ہوا تھا۔''

''میں اُس سالی کو پہچانتا بھی نہیں تھا.... وہ پرویز کے ساتھ آئی تھی اور وہ پرویز الو کا پٹھا مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ پتہ نہیں چپکے چپکے اُس سے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ بھی ہنس رہی تھی۔ خود بھی ہنس رہا تھا۔ مجھے غصہ آ گیا۔ میں نے اُس کے منہ پر پلیٹ کھینچ ماری۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ خود بخود ہال میں اندھیرا ہوگیا اور میں اندھیرے ہی میں گھر واپس آ گیا.... اب یہ قصہ.... میں کیا جانوں وہ سالی کون ہے۔''

''تمہیں کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے نہیں۔ اکساتا کون۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔''

''نہیں پیارے تم تو بقراط ہو۔''

''تم خود ہو گے بقراط۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں اس وقت مذاخ کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیا میں تمہیں آزاد کردوں۔''

قاسم تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''نہیں۔''

''کیوں....!''

''ارے وہ بڈھا میرے جسم پر سے کھال اُتار دے گا۔ وہ اس اُلو کی پٹھی سے کہہ گیا ہے کہ جب میں فون کروں تب ہی ہاتھ پیر کھولے جائیں۔''

''تم مجھے باپ بنالو قاسم.... اُس پر لعنت بھیجو۔''

''اچھا....!'' قاسم رو میں کہہ گیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ''کیا کہا۔''

''کچھ نہیں.... ہاں تو تم نے سعیدہ رحمان کے متعلق پہلے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔''

''ہاں.... سنا تھا۔ مگر سن کر کرتا بھی کیا.... میری شادی تو ہو چکی ہے۔''

"آہا.... تو یہ خیال تھا دل میں.... کیوں قاسم؟ کیا تم اب فراڈ کرنا سیکھ رہے ہو۔"

"کیوں....!"

"اس اغواء میں تمہارا ہاتھ معلوم ہوتا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔"

"دیکھو! یہ کیس فریدی صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ذرہ برابر بھی مروت نہ کریں گے۔ ویسے اگر تم لڑکی کا پتہ بتادو تو شائد معاملہ دبا دیا جائے۔"

قاسم خاموشی سے حمید کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں کس طرح یقین دلاؤں کہ مجھے اغواء کے متعلق کچھ نہیں معلوم۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ قاسم کی بیوی کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔

"مرتی بھی نہیں کسی صورت سے۔" قاسم بڑبڑانے لگا۔

"مرنے ہی جارہی ہوں۔ اس وقت اتنا ہی کھاؤں گی جتنا تم کھاتے ہو۔"

قاسم نے آنکھیں بند کرلیں۔ حمید نے اُس کے سرہانے رکھی ہوئی گول میز کھسکائی اور قاسم کی بیوی نے ٹرے اُس پر رکھ دی۔ پلیٹوں میں کئی طرح کی چیزیں تھیں۔ حمید کو بھوک نہیں تھی مگر معاملہ چونکہ قاسم کو غصہ دلانے والا تھا اس لئے وہ صحیح معنوں میں ٹرے پر ٹوٹ پڑا۔

"آپ بھی آیئے نا مگر پیالیاں تو دو ہی لائی ہیں آپ....!"

"تیسری کس کے لئے لاتی۔" قاسم کی بیوی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اپنے باوا کے کفن کے لئے۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

اور قاسم کی بیوی کچھ اس انداز میں ہنسنے لگی جیسے قاسم کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔

ان دونوں میں کسی طرح کی بھی مطابقت نہیں تھی۔ نہ ذہنی نہ جسمانی۔ قاسم پہاڑ تھا اور وہ گلہری۔ قاسم کی اَپر چیمبر بالکل ہی خالی تھی لیکن وہ خاصی ذہین عورت تھی۔ بلکہ اگر بہ نظر انصاف دیکھا جا... اُسے عورت کی بجائے لڑکی ہی کہنا چاہئے۔ عمر اٹھارہ سال سے کسی طرح زیادہ نہیں تھی.... اور یہ خود قا... ہی کا بیان تھا کہ وہ آج تک اُس کی بیوی نہیں بن سکی۔

وہ اُس کے چچا کی لڑکی تھی۔ یہ بے جوڑ شادی اس لئے ہوئی تھی کہ گھر کی دولت گھر ہی رہ جا... ورنہ شائد کوئی بھک منگا بھی ایسی بے جوڑ شادی کو پسند نہ کرتا.... بہرحال شائد یہ مایوسانہ جنسی زندگی

...ردعمل تھا کہ وہ اُسے اس طرح زچ کیا کرتی تھی اور اُسے تکلیف میں دیکھ کر اُسے ذرہ برابر بھی رحم ...یں آتا تھا۔

وہ دونوں ہنس ہنس کر کافی پیتے رہے اور پلیٹوں پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔

"اَبے حمید کے پٹھے۔" قاسم حلق پھاڑ کر چیخا۔ "میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

"کیوں بھئی! کیا بگاڑا ہے میں نے تمہارا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں یہاں ایک تفتیش کے سلسلے میں آیا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"خدا غارت کرے تمہیں۔" قاسم نے کہا پھر اپنی بیوی پر غرایا۔ "میں قروٹ.... کروٹ بدلنا چاہتا ہوں۔"

"بدل لو.... میں نے کب منع کیا ہے۔" اُس نے لاپروائی سے کہا۔

"میں کیا کروں.... یا اللہ....!" قاسم نے جھلاہٹ میں سر اٹھا کر مسہری پر دے مارا۔

"اے.... رسیاں ڈھیلی نہ ہونے پائیں ورنہ چچا جان کو فون کردوں گی۔"

قاسم دانت پیس کر رہ گیا۔ اُس کا بس چلتا تو وہ اُس کی گردن مروڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیتا۔

حمید نے کافی ختم کر کے پائپ سلگایا اور قاسم کی طرف دیکھ کر اُس کی بیوی سے بولا۔ "مجھ سے ...ا کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔"

"مجھ سے بھی نہیں دیکھی جاتی۔ اس لئے میں آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر نوکروں سمیت یہاں ...ے چلی جاؤں گی۔"

"ٹانگیں توڑ دوں گا اگر گھر کے باہر قدم نکالا۔" قاسم نے گرج کر کہا۔

"ذرا زبان سنبھال کر۔ ورنہ میں چچا جان کی دوسری تجویز پر بھی عمل شروع کرادوں گی۔"

"کیسی تجویز۔"

"یہی کہ ہر پندرہ منٹ بعد تم پر ایک بالٹی ٹھنڈا پانی ڈالا جائے۔"

"ارے خدا غارت کرے جھوٹوں کو۔ یہ کب کہا تھا۔"

"کہا تھا۔" قاسم کی بیوی سر ہلا کر بولی۔ "الگ لے جا کر کہا تھا۔"

"جھوٹ.... جھوٹ.... اللہ قسم۔ بالکل جھوٹ۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"فون اٹھا دوں.... پوچھ لو۔"

"میں نہیں پوچھتا.... حمید بھائی بس اب مجھے کھول دو۔ حد ہو چکی.... ایسا باپ.... ارے باپ رے باپ۔ اللہ قسم تہلکہ مچادوں گا۔ میں قسی سے نہیں ڈرتا۔ ابھی سیدھا کسی رنڈی کے کوٹھے پر جاؤں گا۔ اتنی پیوں گا کہ پھٹ جائے۔ کھول دو حمید بھائی۔ میں استبدا کرتا ہوں۔"

"استبدا کیا" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"اے خوشامد" قاسم جھنجھلا کر چیخا۔

"خوشامد اسی طرح کی جاتی ہے۔"

قاسم خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا اور ہونٹ ہلاتا رہا پھر بولا "کھول دو حمید بھائی! میرے بڑے بھائی ہو۔ اب میں تمہیں کبھی برا بھلا نہیں کہوں گا.... اور.... اور.... وہ سعیدہ رحمان کا بھی بتادوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ایک کوٹھری نہیں کوٹھی.... اررر یعنی کہ ایک جگہ بند کردی گئی ہے۔"

"میں سچ کہتی ہوں حمید بھائی۔ یہ محض بکواس ہے۔ آپ ہرگز نہ کھولئے گا۔ ورنہ چچا جان....!"

"خاموش....!" قاسم اتنے زور سے دہاڑا کہ آواز پھٹ گئی اور اس پر کھانسیوں کا دورہ پڑا انہیں کھانسیوں کے درمیان وہ اپنی بیوی کے والدین کی خبر بھی لیتا جا رہا تھا۔

حمید آگے بڑھ کر اُسے کھولنے لگا اور قاسم کی بیوی میز سے ٹرے اٹھا کر کھسکنے لگی۔

"بھاگی کہاں جاتی ہو۔ ٹھہرو نا.... رک جاؤ" قاسم جلے کٹے لہجے میں بولا۔

لیکن اب وہ کہاں رکنے والی تھی۔



فریدی کی کار اُس عمارت کے سامنے رکی۔ جہاں سر سلیمان کے لڑکے پرویز کے ملنے کی توقع کی جاسکتی تھی۔ اس عمارت میں پرویز تنہا رہتا تھا بقیہ خاندان والوں سے الگ تھلگ۔ وہ ایک عیاش ٹائپ آدمی تھا اور اس سلسلے میں کافی بدنام بھی۔

کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ لیکن فریدی نے کار باہر ہی چھوڑ دی۔ دو تین جگہ اندھیرے میں اُس کے پیر کیچڑ میں پڑے۔ بارش اب تھم گئی تھی۔ بادل پھٹ گئے تھے اور ان کی دراڑوں سے جگہ جگہ تاروں کے جھنڈ جھانک رہے تھے۔

کمپاؤنڈ تاریک پڑی تھی لیکن عمارت کی بعض کھڑکیاں روشن تھیں۔ وہ برآمدے میں پہنچ کر رک گیا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے ٹارچ روشن کی اور اُس کا دائرہ مختلف اطراف میں رینگتا رہا۔

س نے کال بل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

دو منٹ بعد دروازہ کھلا۔ راہداری میں خود پرویز کھڑا تھا۔ فریدی نے اُسے پہچان لیا اور شائد وہ ی فریدی کو پہچانتا تھا۔

"اُوہو! کرنل صاحب۔ تشریف لائیے.... تشریف لائیے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کیس آپ ہی ے سپرد کیا جائے گا۔ میری خوش قسمتی۔"

فریدی خاموشی سے چلتا رہا۔ وہ اُسے نشست کے کمرے میں لایا۔

"تشریف رکھئے جناب۔ اب اس وقت میں آپ کی کیا خاطر کروں۔ شرابوں میں بھی صرف کاچ ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں۔"

"شکریہ.... میں شراب نہیں پیتا" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تب میں معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "آپ دونوں کی دوستی کتنی پرانی تھی۔"

"اوہ....!" پرویز بے ڈھنگے پن سے ہنسا۔ "آج چوتھا دن تھا۔"

"کیا اُس سے پہلی ملاقات اتفاقیہ تھی۔"

"نہیں.... میں خود ہی ملا تھا۔"

"آج کیا آپ اُسے اُس کے گھر سے لائے تھے۔"

"نہیں.... شہر میں ملاقات ہو گئی تھی۔"

"آپ اُسے آرلکچو لے گئے تھے یا خود اُسی نے وہاں چلنے کی فرمائش کی تھی۔"

"جی نہیں.... میں اُسے لے گیا تھا۔ مگر ان سوالات سے کیا حاصل۔"

"پھر آپ ہی فرمائیے کہ کس قسم کے سوالات کروں" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

پرویز گڑبڑا گیا۔ پھر سنبھل کر بولا "معاف کیجئے گا۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ میں آپ کے ہر سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں۔"

"قاسم سے پہلے بھی کبھی آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔"

"جھگڑے کی بنیاد بھی تعلقات ہی پر ہوتی ہے۔ میں نے کبھی اُسے منہ ہی نہیں لگایا جھگڑا کیا ہوتا۔"

"اور آج اُس نے خواہ مخواہ آپ پر پلیٹ کھینچ ماری۔"

"جی ہاں.... خواہ مخواہ.... ہم میں کبھی بول چال بھی نہیں رہی۔ کبھی رسمی طور پر بھی ہم نے ایک دوسرے کی مزاج پرسی نہیں کی۔"

"سعیدہ کے یہاں کبھی قاسم بھی نظر آیا تھا آپ کو۔"

"کبھی نہیں۔"

"کیا آج سعیدہ نے اُس سے کوئی گفتگو کی تھی۔"

"جی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ اُسے جانتی بھی نہیں۔"

"سعیدہ کے ملنے والوں میں کن لوگوں کو آپ جانتے ہیں۔"

"میں کسی کو نہیں جانتا۔"

"کیا اُس نے کبھی اپنے دوستوں کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا۔"

"جی نہیں۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ اس اغواء میں قاسم کا ہاتھ ہے۔"

"میرا کچھ بھی خیال نہیں ہے۔ جس طرح یہ واقعہ پیش آیا تھا آپ کے علم میں آ چکا ہے۔ نتائج آپ ہی اخذ کر سکتے ہیں۔ نہ میں کسی پر شبہ ظاہر کر سکتا ہوں۔"

"آپ کی شادی ہو چکی ہے۔"

"نہیں....!" پرویز نے کچھ اس انداز میں جواب دیا جیسے یہ سوال ناگوار گذرا ہو۔

"آپ ہی کی طرح شہر کے بہتیرے کنوارے اُس سے شادی کے خواہش مند ہوں گے۔"

پرویز کچھ نہ بولا۔ فریدی بہت غور سے اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "قاسم کنوارہ نہیں ہے۔"

"مگر وہ کسی دوسرے کا آلہ کار تو بن سکتا ہے۔" پرویز بولا۔

"ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ کسی کے خلاف شبہہ نہ ظاہر کریں گے۔" فریدی مسکرایا۔

"دیکھئے اَب میں صاف صاف عرض کر دوں۔ والد صاحب اور خان بہادر عاصم کے تعلقات اچھے نہیں۔ عاصم انہیں ہر میدان میں شکست دینے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔"

"تب پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس میدان میں آپ کے والد صاحب نے اُسے شکست دینے کی کوشش کی ہو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں کچھ سمجھانے کے لئے نہیں آیا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "بلکہ سمجھنے.... کیا آپ مجھے سمجھنے کا موقع دیں گے۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تین بجے تک پھر آؤں گا یا پھر فون کروں گا۔ کیا آپ جاگتے رہیں گے۔"

"ایسے واقعہ سے دوچار ہونے کے بعد کون سو سکتا ہے کرنل صاحب۔ مگر آپ مجھے ایک نئی الجھن میں مبتلا کئے جا رہے ہیں۔"

فریدی یہ پوچھے بغیر اٹھ گیا کہ وہ نئی الجھن کس قسم کی ہو سکتی ہے۔

وزیٹنگ کارڈس

حمید نے لحاف سے سر نکال کر فون کو گالی دی جس کی گھنٹی کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ گالیاں سننے کے باوجود بھی بجتی ہی رہی۔ حمید دھاڑتا ہوا بستر سے اٹھا اور فون پر ٹوٹ پڑا۔

دوسری طرف سے بولنے والا فریدی ہی تھا.... اور ستم یہ کہ وہ اپنی خواب گاہ سے بول رہا تھا۔ یعنی اتنے فاصلے سے جتنا کسی دیوار کے درمیان میں حائل ہو جانے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ دونوں کی خواب گاہوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" حمید ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔ "میں یہ فون اپنی چھاتی پر باندھ کر سویا کروں۔"

"شکریہ! تم نے یہ نئی بات بجھائی۔ یقیناً تمہیں یہی کرنا چاہئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "مگر تم مجھے رپورٹ دیئے بغیر سو کیوں گئے تھے۔"

"مر تو نہیں گیا تھا۔"

"اُس صورت میں قبر سے اُکھاڑ کر رپورٹ نہ طلب کی جاتی۔"

"رپورٹ بھی اس وقت سو رہی ہوگی۔"

"بکواس بند.... رپورٹ۔"

حمید کچھ نہ بولا۔

''ہلو....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''قاسم، سعیدہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔''

''اُسے کس نے اکسایا تھا۔''

''کسی نے بھی نہیں۔ میری ہی طرح اُسے بھی غصہ آ گیا تھا۔ اُس نے پلیٹ پرویز کے منہ پر ماری تھی....اور میں....اور میں یہ ریسیور اپنے سر پر مارنے جا رہا ہوں۔''

''کس بات پر غصہ آ گیا تھا۔''

حمید نے گردن ہلا کر ایک طویل سانس لی اور بولا۔''وہ دونوں اُسے دیکھ کر ہنسے تھے۔''

''ہوں.... قاسم اس وقت کیا کر رہا تھا جب تم پہنچے تھے۔''

''مزے کر رہا تھا.... بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔''

''پھر بکواس شروع کر دی۔''

''ارے جناب.... وہ جس حال میں بھی تھا کم از کم سو تو سکتا تھا۔ اُس کے باپ نے اُسے مُ سے باندھ دیا تھا۔''

''کیوں!''

''کیا اب اسی وقت یہ بھی معلوم کرنا پڑے گا۔''

''جواب دو۔'' فریدی جھلا گیا۔

''نہ میں نے وجہ پوچھی اور نہ اُس نے بتایا۔ البتہ میں اُسے کھول ضرور آیا تھا۔ ہرگز نہ کھولتا مگر گدھے نے مجھے اس وقت اُلو ہی بنا دیا۔ کہنے لگا میں جانتا ہوں جہاں سعیدہ لے جائی گئی ہے مگر نے شرط یہ رکھی تھی کہ کھول دینے ہی پر بتائے گا۔ بہر حال میں نے کھول دیا.... ظاہر ہے کہ وہ محض تھی۔ وہ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں کہتا ہوں آخر یہ مصیبتیں ہم پر ہی کیوں نازل ہیں۔ اگر صرف ہم ہی رہ گئے ہیں تو بقیہ عملہ برخواست کیوں نہیں کر دیا جاتا۔''

''اگر بقیہ عملہ ابھی سے برخواست کر دیا گیا تو پھر تمہاری بارات میں کون شرکت کرے گا۔ اُس مال دار لڑکی سے تمہاری شادی کرنا چاہتا ہوں اور سنو میں اس وقت بستر میں نہیں ہوں۔''

''میں جانتا ہوں کہ آپ کارنس پر بیٹھے ہوں گے۔ مگر کیا کروں آپ کا غصہ فضول ہے۔''

''کپڑے تبدیل کرو۔''

''نہیں آپ مجھے انہیں کپڑوں میں دفن کر دیجئے۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔''

''جلدی کرو۔ میں نے ابھی پرویز کو فون کیا تھا لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔''

حمید نے گھڑی کی طرف دیکھا سوا تین بجے تھے۔ اُس نے کہا۔''کیا پرویز بھی آپ کا اسسٹنٹ ہے۔''

''حمید وقت نہ برباد کرو۔''

حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخ کر ڈریسنگ الماری کھولی اور کپڑے نکالنے لگا۔ وہ اس وقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ خود ہی اُلو کا پٹھا ہے۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ گھر سے روانہ ہو گئے۔ بارش ڈیڑھ بجے ختم ہو چکی تھی اور اب آسمان کھل گیا تھا۔ لیکن سڑکوں پر اب بھی پانی نظر آ رہا تھا۔

فریدی نے اس وقت جیپ کار نکالی تھی۔

''پرویز سے تو آپ مل آئے تھے۔ پھر اَب....!'' حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن فریدی درمیان ہی میں بول پڑا۔''میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ تین بجے تک میرا یا میری کال کا انتظار کرے۔''

''کیوں....!''

''بس یونہی.... میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح میرا یا میری کال کا انتظار کرتا ہے یعنی کس حال میں۔''

''اوہو.... تو کیا آپ کو توقع تھی کہ وہ سر کے بل کھڑا ہو کر آپ کا انتظار کرے گا۔''

''نہیں.... میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ بھی دیکھنا چاہتا تھا شائد اب نہ دیکھ سکوں چونکہ مجھے فون کئے بغیر ہی وہاں پہنچنا چاہئے تھا۔''

''میں سمجھا۔ آپ شائد سوچ رہے ہیں کہ یہ خود اُسی کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔''

''امکانات ہیں۔ وہ لڑکی تو سونے کی چڑیا ہے۔ ہر ایک اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔''

''مگر یہ صورت پرویز کے لئے فائدہ مند کیسے ثابت ہو سکتی ہے۔ وہ زبردستی اس سے شادی تو نہ کر سکے گا۔''

''کیوں کیا ہوا۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے فی الحال اُس نے اُسے غائب کر دیا ہو اور کچھ دنوں بعد وہ میاں بیوی کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ جائیں۔''

"زبردستی اغواء کرنا اور بات ہے اور زبردستی شادی کرنا اور.... کیا یہ ضروری ہے کہ سعیدہ ا
آمادہ ہی ہوجائے۔"

"میں اس مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ یہ ابھی محض خیال ہی ہے۔ وہ بھی اس بناء پر کہ اس کے طلب گار تھے۔ ممکن ہے پرویز کو اُن میں سے کسی کے کامیاب ہوجانے کا خدشہ رہا ہو۔ پرویز یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ اس طرح اُسے اپنا سکے گا اور پھر یہ تو بتاؤ اگر ایک عورت کی زندگی زبردستی برباد کر جائے اور پھر وہی آدمی اُس سے شادی کی درخواست کرے۔ ایسی صورت میں کیا وہ عورت ا کردے گی۔ میرا خیال ہے کہ وہ مان جائے گی۔"

"دیکھیے.... اس معاملے میں آپکے خیال کو کوئی اہمیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ آپ عورتوں متعلق کچھ نہیں جانتے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "فرض کیجئے سعیدہ رحمان شریف عورت ہے۔ یعنی جنس بے راہ روی اُسکے نزدیک کوئی بُری بات نہیں ہے۔ پھر آپکی فطرت شناسی کیا کہے گی"

"دم بخود رہ جائے گی۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "لیکن اُس صورت میں بھی وہ اُس سے شادی ضرور کرلے گی۔ کیا بعض شادی شدہ عورتیں بھی جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتیں۔ اغواء ایک دھبہ ہے حمید صاحب جو زندگی بھر اپنا اعلان کرتا رہتا ہے۔ اس لئے کوئی بُری ع بھی ایسے مواقع پر شادی ہی کو ترجیح دے گی۔ وہ عورتیں جن کی برائیاں چھپی ہوئی ہوں خاص طو یہی چاہیں گی کہ کسی ایک سے ان کے تعلقات کا اعلان ہوجائے.... رہی سعیدہ تو میرا خیال ہے ک میں اگر برائیاں تھیں تو منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ورنہ اُس کے طلب گاروں میں تھوڑی بہت ہچکچ ضرور پائی جاتی۔"

"ہوگا.... مجھے کیا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا اس بے سروپا کیس میں آپ کا دل لگ رہا"

"میں نے اسے اپنی خوشی سے نہیں لیا۔ یہ تو زبردستی آیا ہے۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی آپ میری اور اپنی نیندیں برباد کررہے ہیں۔"

"وقتی ضرورت۔ یہ کسی بینک کی ڈکیتی کا قصہ تو ہے نہیں۔ ایک ذی روح لڑکی کے اغواء کا قصہ"

"ٹھہرئیے۔" حمید بول پڑا۔ "دیکھئے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ یہ حرکت لڑکی کے کسی غریب عاشق کی"

"یہ بھی ممکن ہے۔ اس زاویئے سے بھی اس پر غور کرچکا ہوں۔ وہ پہلے ایک معمولی سی لڑکی تھی

ہے کسی معمولی سے آدمی سے اُس کے تعلقات رہے ہوں۔"

"محبت کا نام نہیں آئے گا زبان پر...." حمید نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور فریدی ہنس پڑا۔

"چلو محبت ہی سہی۔" اُس نے کہا۔ "ہوسکتا ہے اچانک دولت مند ہوجانے کے بعد وہ کسی اونچے قسم کے شوہر کے خواب دیکھنے لگی ہو اور اُس معمولی آدمی کو یہ بات گراں گزری ہو۔"

"بس پھر واپس چلئے۔ چل کر سو جائیں۔ صبح اُس معمولی سے آدمی کو تلاش کریں گے۔"

وہ پرویز کی قیام گاہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے کار تھوڑے فاصلے ہی پر روک دی۔

وہ دونوں کار سے اتر گئے۔ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور پائیں باغ سنسان پڑا تھا۔ ایک آدھ کھڑکی میں روشنی بھی نظر آرہی تھی۔

برآمدے میں تاریکی نظر آئی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کرکے کال بل کا بٹن دبایا۔ دباتا ہی رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

"اوہ.... اُس نے کہا تھا کہ میں آپ کے انتظار میں رات بھر جاگتا رہوں گا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں پھر عرض کروں گا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔ "کیا یہاں ملازمین بھی نہیں رہتے۔"

"پتہ نہیں۔ پہلی بار جب میں آیا تھا تب بھی کوئی نہیں نظر آیا تھا۔"

"پھر اَب کیا ارادہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم یونہی چلے چلیں تو اُسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور یہی مناسب بھی ہے۔"

"چلئے صاحب!" حمید نے ایک طویل سانس لی۔

"اوہ.... یہ دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔" فریدی آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "پھاٹک بھی بند نہیں تھا۔"

وہ عمارت میں داخل ہوئے۔ چاروں طرف سکوت طاری تھا۔ وہ آگے بڑھتے رہے۔ سارے کمرے خالی پڑے ہوئے تھے۔ عمارت میں انہیں ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔

پھر وہ باہر نکل آئے۔ ساری کمپاؤنڈ چھان ماری اور اُسی دوران میں انہیں معلوم ہوا کہ نوکروں کے کوارٹر عمارت کی پشت پر موجود تھے۔

نوکروں کو جگایا گیا۔ لیکن انہوں نے بھی پرویز کی موجودگی یا عدم موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔

انہوں نے بتایا کہ وہ لوگ اُس کی خدمت کے سلسلے میں کسی خاص وقت کے پابند نہیں ہیں۔ اکثر کئی کئی دن پرویز وہاں نہیں آتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُس کی آمد اور روانگی کا انہیں علم تک نہیں ہوتا۔

''اب کیا خیال ہے۔'' فریدی نے واپسی پر حمید سے سوال کیا۔

''کچھ بھی نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کسی معقول آدمی کو تلاش کریں، لیکن کیا آپ سعیدہ کی قیام گاہ پر بھی گئے تھے۔''

''اب وہیں جانے کا ارادہ ہے۔''

''مر گئے۔'' حمید کراہا۔

سعیدہ پرنسٹن کے علاقے کے ایک شاندار مکان میں رہتی تھی۔ یہ مکان بھی اُس وکیل ہی کی وساطت سے اُسے ملا تھا جس نے اُس کے چچا کے کاغذات اُس کے سپرد کیے تھے۔ ورنہ وہ پہلے متوسط طبقہ کے لوگوں میں رہتی تھی۔ فریدی کی جیپ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور اُس نے اُتر کر کال بل کا بٹن دبایا۔ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ غالباً وہ ملازم ہی تھا۔

''اوہو.... تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔'' فریدی نے اُس سے کہا۔

''جج.... جی ہاں.... مگر میں نے.... پہچانا نہیں حضور کو۔'' نوکر نے رک رک کر متحیرانہ انداز میں کہا۔

''اوہ.... ہم یہاں پہلی بار آئے ہیں۔ سعیدہ صاحبہ کو ہمارا کارڈ دو۔''

''وہ تو موجود نہیں ہیں جناب۔''

''کیا اس وقت.... ارے کیا وہ رات بھر یہاں تھیں ہی نہیں۔''

''نہیں جناب۔''

''ہم پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذرا ہم مکان کو اندر سے دیکھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ کیا معاملہ ہے حضور! ابھی ایک گھنٹہ پہلے ایک صاحب آئے تھے۔ تھانیدار تھے شائد وہ بھی دیکھ کر گئے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ بی بی جی کہیں غائب ہوگئی ہیں۔''

''اوہ.... کیا وہ تھانے دار صاحب وردی میں تھے۔''

''جی ہاں.... جناب۔''

''یہیں کے تھانے سے آئے تھے۔''

''نہیں جناب! کوتوالی سے آئے تھے۔ انہوں نے یہی کہا تھا۔''

''یہاں فون ہے۔''

''ہے.... جناب۔''

''میں کوتوالی فون کروں گا۔''

''آیئے.... اِدھر تشریف لے چلیے۔'' وہ ایک طرف ہٹتا ہوا بولا۔

فریدی نے کوتوالی فون کیا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ کوئی سب انسپکٹر سعیدہ رحمان کے گھر پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ فریدی ریسیور رکھ کر ملازم کی طرف مڑا۔

''انسپکٹر نے کیا دیکھا تھا۔''

''بی بی جی کے سونے کا کمرہ۔''

''تم ساتھ تھے۔''

''جی ہاں جناب۔''

''اُس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ تنہائی چاہتا ہے۔''

''نہیں جناب۔''

''اُس نے کچھ سوالات بھی کیے ہوں گے تم سے۔''

''جی ہاں ملنے جلنے والوں کے بارے میں پوچھا تھا.... اور جی ہاں.... وہ ملاقاتیوں کے کارڈ بھی لے گئے۔''

''کیا مطلب....!''

''وہ کارڈ جو ملنے والے اندر بھجواتے تھے۔ ہر نئے ملاقاتی کا کارڈ بی بی جی بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''اوہ....!'' فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

''کیا اُس نے کارڈ مانگے تھے۔''

''جی نہیں انہوں نے ملنے جلنے والوں کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ لیکن چونکہ میں کسی کے بھی نام نہیں جانتا اسلئے نہ بتا سکا۔ پھر مجھے یاد آ گیا کہ بی بی جی تو اُنکے کارڈ بہت احتیاط سے رکھتی تھیں۔''

''تو تم نے خود ہی کارڈوں کا تذکرہ کیا تھا۔''

''جی ہاں۔''

"کارڈوں کی تعداد کیا تھی۔"

"میں نے گنے نہیں تھے مگر میرا خیال ہے کہ بیس پچیس ضرور رہے ہوں گے۔"

"کیا تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔"

"نہیں حضور! ایک کا بھی نہیں۔"

"اچھا.... کیا آج شام کو وہ کسی کے ساتھ باہر گئی تھیں۔"

"جی نہیں.... تنہا۔"

"کیا یہاں کبھی کوئی ایسا آدمی بھی آیا ہے جو بہت زیادہ لمبا اور بہت زیادہ موٹا رہا ہو۔" حمید نے پوچھا۔

"نہیں جناب....! ایسا تو کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔"

فریدی نے حمید کو اس طرح گھور کر دیکھا جیسے اُس کی دخل اندازی پسند نہ آئی ہو۔ حمید نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

"سعیدہ کے سارے ملنے والے بڑے آدمی ہوں گے۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں صاحب! اکثر بی بی جی کے دفتر کے لوگ بھی آتے ہیں۔ پہلے بی بی جی دفتر میں کام کرتی تھیں نا۔"

"تم اُن میں سے کسی کا نام بتا سکو گے۔"

"نہیں حضور! نام تو کسی کا بھی نہیں جانتا۔"

"اُن میں کوئی ایسا بھی ہے جو بہت زیادہ آتا ہو۔"

"جی ہاں! ایک صاحب ہیں لیکن نام اُن کا بھی نہیں جانتا۔ وہ بہت اچھا گاتے ہیں۔ بی بی اکثر اُن کا گانا سنا کرتی تھیں۔"

"اُسی دفتر کا کوئی آدمی ہے۔"

"جی ہاں! بی بی جی نے یہی بتایا تھا۔ وہ اپنے دفتر کے لوگوں کا بہت خیال رکھتی ہیں۔"

"تم سعیدہ کے ساتھ کب سے ہو۔"

"جب سے وہ اس مکان میں آئی ہیں۔"

"تمہارے علاوہ اور کتنے ملازم ہیں۔"

"تین مرد اور ایک عورت.... ہم کل پانچ ہیں۔"

"سعیدہ کا کوئی عزیز بھی یہاں رہتا ہے۔"

"نہیں جناب! اُن کے بیان کے مطابق اُن کا کوئی عزیز نہیں ہے۔"

"اچھا... کیا اُس انسپکٹر نے عمارت کا کوئی حصہ خاص طور سے دیکھا تھا۔"

"جی نہیں! بس وہ صرف ٹہلتے رہے تھے۔ پھر اُن کے سونے کے کمرے میں آبیٹھے تھے۔ قریب قریب اسی قسم کے سوالات انہوں نے بھی کئے تھے جیسے آپ کر رہے ہیں۔"

فریدی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اُس نے دوسرے نوکروں کو بھی طلب کیا اور اُن سے بھی علیحدہ علیحدہ مختلف قسم کے سوالات کرتا رہا۔

حمید اندازہ نہیں کر پایا کہ فریدی کیس کے متعلق کس نکتہ نظر کو ذہن میں رکھ کر یہ ساری پوچھ گچھ کررہا ہے۔ وہ خاموشی سے ساری کاروائی دیکھتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد اُس نے پوری عمارت کی معمولی سی تلاشی لی اور اس تلاشی کے دوران میں حمید نے محسوس کیا کہ وہ سعیدہ کے نام آئے ہوئے خطوط پر زیادہ دھیان دے رہا ہے۔ لیکن اب اُسے اس معاملے سے ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی کیونکہ اُس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے بوجھل ہوئی جارہی تھیں۔

واپسی پر جیپ میں بیٹھتے وقت اس نے بڑے دردناک لہجے میں کہا۔ "ہائے صبح ہوگئی۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ لیکن ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے حمید کی نیند غائب کردی۔

"آخر آپ اتنی دیر تک کیا کرتے رہے۔" حمید نے پوچھا۔

"کھیل لمبا ہوجائے گا شائد۔" فریدی بڑبڑایا۔ "آخر وزیٹنگ کارڈ لے جانے کا کیا مطلب ہوسکتا ہے اور پھر آنے والا پولیس کی وردی میں تھا۔"



دوسری صبح پرویز کی کار فریدی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ وہ عجیب حالت میں تھا۔ لباس تار تار بال اُلجھے ہوئے اور چہرے پر بڑی بڑی خراشیں۔

نوکروں نے اُسے اگر ایک شاندار گاڑی سے نہ اترتے دیکھا ہوتا تو شائد دھکے مار مار کر کمپاؤنڈ کے باہر کردیتے۔

"میرے پاس اس وقت میرا کارڈ نہیں ہے۔" اُس نے ایک نوکر سے کہا۔ "کرنل صاحب سے

کہو پرویز صاحب ہیں.... جلدی کرو۔"

نوکر اندر چلا گیا اور جلد ہی واپس آ کر اس نے اندر چلنے کو کہا۔

فریدی نے بھی ڈرائنگ روم میں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کی آنکھیں خمار آلود ضرور تھیں لیکن وہ شب خوابی کے لباس میں نہیں تھا۔

پرویز کی حالت دیکھ کر اُس نے حیرت نہیں ظاہر کی۔

"بیٹھ جایئے۔" اس نے خود بھی بیٹھتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا آپ کو مجھے اس حال میں دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔" پرویز نے کہا۔

"اس سے زیادہ بُرے حالات میری نظروں سے گذرتے رہتے ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"میرے خدا۔" پرویز مضطربانہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ "میں سمجھ گیا۔ آپ مجھ پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"کیسا شبہ مسٹر پرویز....!"

"کچھ نہیں آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تین بجے آؤں گا یا فون کروں گا۔"

"ہاں مسٹر پرویز.... میں نے فون بھی کیا تھا.... اور گیا بھی تھا۔" فریدی کا لہجہ حد درجہ سرد تھا۔

"اور اب میں اس حال میں آپ کے سامنے ہوں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"مجھے کچھ لوگ زبردستی میری قیام گاہ سے لے گئے تھے۔ یہ ڈھائی بجے کا واقعہ ہے۔"

فریدی خاموش رہا.... صرف جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ پرویز بولا

"انہوں نے زبردستی کی۔ میں لڑ گیا۔ وہ پانچ تھے اور میں تنہا۔ انہوں نے میرے منہ میں کپڑا ٹھ آنکھوں پر پٹیاں باندھیں اور نہ جانے کہاں لے گئے۔ کچھ دیر بعد میں نے خود کو ایک عمارت میں لیکن یہ نہیں بتا سکتا کہ شہر کے کس حصے میں تھا۔ انہوں نے میرے کپڑے پھاڑے میرا منہ نوچا.... پھر.... مجھے شراب پلائی.... اور میرے پاس دو لڑکیاں چھوڑ گئے جو مجھے تھوڑے تھوڑے وقفے شراب پلاتی رہیں۔ میرا دل بہلانے کے لئے مدہم سروں میں گیت گاتی رہیں۔ میں ایک ستون بندھا ہوا تھا۔ کچھ دیر تک وہ مجھ سے لگاوٹ کی باتیں کرتی رہیں پھر میرے گالوں پر تھپڑ مارنے شر کر دیئے۔ کبھی وہ روتیں اور کبھی ہنستیں، کبھی مجھے پیار کرتیں اور کبھی تھپڑ مارنے لگتیں۔"

"پھر اتنے میں سندباد جہازی داخل ہو کر کورنش بجا لایا اور مجرا کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریڈیو اسٹیشن سے قوالیاں نشر ہونے لگیں اور اُس نے مجرا کرنے کا ارادہ ترک کر کے تالیاں بجانی شروع کر دیں۔"

پرویز خاموش ہو کر کیپٹن حمید کو گھورنے لگا تھا جو دروازے میں کھڑا مضحکانہ انداز میں ہاتھ ہلا ہلا کر کہہ رہا تھا۔

"پھر سندباد نے صندوق پیش کیا جس میں صندلیپ کی شہزادی بیٹھی لوڈو کھیل رہی تھی۔"

"میں جانتا تھا کہ کوئی میری کہانی پر یقین نہیں کرے گا۔" پرویز نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دس بجے تک سعیدہ رحمان کو گھر پہنچ جانا چاہئے مسٹر پرویز۔" حمید گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"مجھے علم ہے کہ قاسم آپ کے دوستوں میں سے ہے۔" پرویز غرایا۔ "کیس غلط آدمیوں کو دیا گیا ہے۔"

"اور اب آپ اُسے صحیح آدمیوں کے سپرد کرائیں گے۔ کیوں مسٹر پرویز۔" حمید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یقیناً....!"

"بہتر ہے تشریف لیجایئے۔" حمید بولا۔

"نہیں....!" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "آپ کی کہانی پر یقین کیا جا سکتا ہے مسٹر پرویز۔"

"کیا جائے.... یا نہ کیا جائے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"لیکن واقعے کی رپورٹ تو آپ ہی کی طرف سے دی گئی تھی۔" فریدی نرم لہجے میں بولا۔ "اس لئے آپ کو پرواہ ہونی چاہئے۔"

"کیپٹن حمید میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔"

"آپ اب غسل کیجئے۔ یہ کپڑے اتاریئے۔ حمید انہیں اندر لے جاؤ۔ جب یہ غسل کرلیں تو انہیں اُس کمرے میں لے جاؤ جہاں شرابوں کا اسٹاک رہتا ہے۔ الماریوں کی کنجیاں ان کے حوالے کر دو۔ جتنی دل چاہے پئیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔" پرویز نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کیا آپ نے یہ سوال ان لوگوں سے بھی کیا تھا۔"

"کیا تھا۔"

"کیا جواب ملا تھا۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"لہٰذا آپ بے چوں وچرا وہی کیجئے جو آپ سے کہا جا رہا ہے۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا۔" پرویز بڑبڑایا۔

"پاگل ہو جانے کے بعد بھی اگر آپ اس الزام سے گردن بچا سکیں تو مجھے حیرت ہوگی۔" فریدی نے کہا۔ "عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کا تعلق آپ ہی کی ذات سے ہے اور اگر یہ بے تکی کہانی اخبارات میں آ جائے تو پھر کیا ہوگا۔ آپ جانتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔ اسے کوئی بھی باور نہ کرے گا۔"

"اس لئے یہ کہانی اخبارات میں ضرور آئے گی۔"

پرویز خاموشی سے فریدی کو گھورتا رہا۔ اب تو سچ مچ اُس کی آنکھوں سے دیوانگی سی جھلکنے لگی تھی۔ حمید بھی متحیرانہ انداز میں فریدی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا رویہ اُس کیلئے کسی معمے سے کم نہیں تھا۔

"اور آپ....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "علانیہ لوگوں سے یہ کہتے پھریں گے کہ اس اغواء کا تعلق خان بہادر عاصم کے علاوہ اور کسی سے نہیں ہو سکتا۔ جائیے! غسل کیجئے۔"

چیلنج

دن بھر کی تھکن کے باوجود بھی حمید نیاگرہ میں بڑی شاندار اسکیٹنگ کر رہا تھا۔

اس تھکن کے عالم میں وہ کسی تفریح گاہ کا رخ ہرگز نہ کرتا لیکن اُسے تو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا لہٰذا اُس ذہنی انتشار سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُسے نیاگرا ہوٹل کا رخ کرنا پڑا۔ ذہنی انتشار کا باعث فریدی ہی تھا۔

اُس نے پرویز کو شراب پلائی اور اس دوران میں اُسے خان بہادر عاصم کے خلاف بھڑکاتا رہا۔ پرویز نے نشے کے عالم میں کہا کہ وہ عاصم کو قتل کر دے گا۔ اس پر فریدی نے اُسے مشورہ دیا کہ اس کی بجائے اُسے عاصم کی بے عزتی کرنی چاہیے۔ طریقہ کار یہ تجویز کیا کہ وہ سڑک پر کھڑا ہو کر اس کے کمپاؤنڈ میں پتھراؤ کرے اور ساتھ ہی سعیدہ رحمان کو باہر نکالنے کا مطالبہ بھی کرتا رہے۔

پرویز نے ہامی بھر لی اور حمید اُسے کار میں بٹھا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی کے قریب چھوڑ آیا۔

انجام دیکھنے کے لئے وہ وہاں رک نہیں سکتا تھا۔

پھر اُسے ایک ہی گھنٹہ بعد اطلاع ملی کہ عاصم رائفل لے کر باہر نکل آیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ کہہ کر بیچ بچاؤ کرا دیا کہ پرویز نشے میں ہے۔ ویسے عاصم نے پولیس ضرور طلب کر لی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد پرویز کو یقینی طور پر حوالات ہی نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن نہ جانے کیوں پرویز نے یہ نہیں ظاہر کیا کہ اُس نے فریدی کے مشورے پر عمل کیا تھا۔

حمید لاکھ سر مارتا رہا کہ فریدی کم از کم اس حرکت کا مقصد تو بتا ہی دے لیکن اُس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

آخر حمید نیاگرا کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی ایسا ساتھی بھی نہیں مل سکا تھا جس سے ذہنی کوفت ہی دور کرنے میں مدد ملتی۔ لہٰذا اس نے اسکیٹنگ شروع کر دی۔ وہاں شائد صرف وہی تنہا اسکیٹنگ کر رہا تھا ورنہ عموماً جوڑے ہی ریکریئیشن ہال کے فرش پر تیرتے نظر آتے تھے۔

وہ اس طرح تنہا اسکیٹنگ کرنے میں بھی بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا لیکن کرتا بھی کیا۔ اُس کے گردو پیش سریلے قہقہے فضا میں لہرا رہے تھے۔ کبھی کبھی نسوانی چیخیں آرکسٹرا سے ہم آہنگ ہوتیں اور پھر قہقہوں میں تبدیل ہو جاتیں۔

پہلا راؤنڈ ختم ہو گیا۔ حمید گیلری میں آ بیٹھا۔ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا اسے کہیں بھی کوئی "لاوارث" لڑکی نظر نہ آئی جس سے وہ اپنا پارٹنر بننے کی درخواست کر سکتا۔

وہ آج بہت زیادہ تھک گیا تھا۔ پچھلی رات کی نیند اب بھی اُس پر اُدھار تھی کیونکہ دن میں بھی دو گھنٹے سے زیادہ نہیں سو سکا تھا۔

اگلی میز کے قریب بھی تین لڑکیاں تھیں مگر بیکار کیونکہ ان کے ساتھ تین مرد بھی تھے۔ حمید آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ لیکن جلد ہی اُس کے کان اُن تین جوڑوں کی گفتگو کی طرف لگ گئے۔ تذکرہ سعیدہ رحمان کا تھا۔ لڑکیاں اُس کی خوش قسمتی اور بدنصیبی پر رائے زنی کر رہی تھیں۔

"یہ کام پرویز ہی کا ہے۔" مرد نے کہا۔

"کسی کی بھی حرکت ہو۔ میں اسے فضول سمجھتا ہوں۔" دوسرا بولا۔ "اس حرکت سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔"

"میں سعیدہ کو بہت قریب سے جانتی ہوں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "وہ بہت ضدی اور خودسر ہے۔"

ایک بار اُس نے جیمس اینڈ بارٹلے کے اکاؤنٹنٹ پر پیپر ویٹ کھینچ مارا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُ ملازمت بحال رہی تھی۔

''کیوں....؟'' ایک نے پوچھا۔

''دراصل منیجر اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔''

''کیوں.... کیا یہ حرکت اُس کے کسی پرانے دوست کی نہیں ہوسکتی۔'' ایک مرد نے کہا۔

''ہوسکتی ہے۔ میں بھی اُس آفس میں کچھ دن کام کرچکی ہوں۔ لیکن وہاں کی غنڈہ گردیوں سے تنگ آکر میں نے ملازمت ترک کردی تھی۔ وہاں کئی بڑے آدمی ہیں۔ خصوصیت سے ایک آدمی آرتھر.... یہ ایک دیسی عیسائی ہے۔ فلم ایکٹروں کے سے انداز میں رہتا ہے۔ کچھ گا بھی لیتا ہے۔ منیجر سے اس کی بہت گہری دوستی تھی۔''

''اوہ.... ہٹاؤ'' ایک مرد ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''ہمیں اس بکواس سے کیا سروکار۔ سعیدہ تم سے زیا حسین نہیں ہے۔''

دوسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے پھر اسکیٹ پہنے اور نیچے فرش پر اتر گیا۔ ا کے تین چکر لگانے کے بعد اُسے ایک لڑکی نظر آئی یہ بھی تنہا اسکیٹنگ کر رہی تھی۔ ایک دبلی پتلی اور کا لڑکی۔ اُس کے چہرے پر گہرے سرخ ہونٹ ایسے لگ رہے تھے جیسے کسی تربوز میں شگاف دے کر ا کی اندرونی سرخی تھوڑی سی جگہ پر ابھار دی گئی ہو۔

حمید نے سوچا چلو یہی سہی۔

وہ ایک بار اُس کے قریب سے بہت تیزی سے گذرا اور اس انداز میں جیسے اس سے ٹکرا جا ارادہ رکھتا ہو۔ لڑکی اُسے دور تک گھورتی چلی گئی۔ حمید اس چکر میں تھا کہ کسی بار وہ خود ہی اُسے اپنا پیش کرے۔

تین بار وہ اُس کے قریب سے گذرا اور چوتھی بار اس طرح چڑھ دوڑا جیسے سچ مچ ٹکرا جائے لڑکی نے بچ کر نکلنا چاہا لیکن گڑبڑا گئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ بے بسی سے ہلائے۔

''اوہ.... اوہ.... سنبھلیے۔'' حمید اُس کے دونوں ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔ وہ دور تک اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمید نے اُس کے ہاتھ پھر نہیں چھوڑے۔ لڑکی قہقہے لگاتی رہی۔ اُس کی آواز بڑی سریلی تھی۔

کہ اگر حمید اُس کی شکل دیکھے بغیر آواز سنتا تو مہینوں صرف دیکھ ہی لینے کے چکر میں گذر جاتے۔ وہ دونوں خاموشی سے اسکیٹنگ کرتے رہے۔ حمید کا چہرہ نہ جانے کیوں بالکل سپاٹ نظر آنے لگا تھا اور آنکھیں پتھرائی ہوئی سی تھیں۔ ویسی ہی جیسی اندھوں کی ہوتی ہیں۔

چونکہ حمید نے ابھی تک اُس سے گفتگو نہیں کی تھی اس لئے لڑکی شائد اُس سے بات کرنے میں ہچکچا رہی تھی۔

''آپ بہت اچھی اسکیٹنگ کرتے ہیں۔'' لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

''جی.... او.... ہاں.... پتہ نہیں کیسی کرتا ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔''

''میں تو ڈر گئی تھی کہ کہیں آپ مجھے گرا نہ دیں۔''

''اوہ بعض اوقات غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ سچ مچ گر پڑی ہوتیں۔ میں نے یک بیک یہی محسوس کیا تھا۔''

''لیکن آپ نے سنبھال لیا۔ شکریہ۔''

''شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر ایک اندھا کسی کے کام آسکے تو اُسے خوشی ہوگی۔''

''اندھا۔'' لڑکی نے حیرت سے کہا۔ ''میں نہیں سمجھی۔''

''میں اندھا ہوں۔'' حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ''میں خود کو محسوس کرسکتا ہوں دیکھ نہیں سکتا۔''

لڑکی ہنسنے لگی۔

''اوہ.... شائد آپ کو یقین نہیں آیا۔ جو لوگ مجھے نہیں جانتے وہ اسی طرح ہنسنے لگتے ہیں۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ کوئی اندھا اسکیٹنگ کیسے کرسکتا ہے۔ آپ بھی یہی سوچ رہی ہوں گی لیکن میں آپ کی حیرت رفع کرسکتا ہوں۔ مجھے آپ دکھائی دیتی ہیں مگر ایک پرچھائیں کی طرح زرد رنگ کے پس منظر میں ایک تاریک پرچھائیں۔ اس وقت میرے گرد و پیش بے شمار پرچھائیاں بھاگ دوڑ کر رہی ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ اُن کے خدوخال کیسے ہیں۔''

''آپ سچ کہہ رہے ہیں۔''

''میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔'' حمید نے بھرائی ہوئی غمناک آواز میں کہا۔

''کیا ہمیشہ سے آپ کی آنکھیں ایسی ہی ہیں۔''

''نہیں پندرہ سال کی عمر تک میں نے دنیا دیکھی ہے۔ اس کے بعد اچانک بیمار پڑا اور یہ حالت

ہوگئی۔ اب ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ چالیس سال کی عمر میں اپریشن ہو سکے گا۔ اُس وقت تک مجھے تاریکی میں رہنا ہے۔ اسکیٹنگ سے مجھے عشق ہے۔ دس سال کی عمر سے اسکیٹنگ کرتا آیا ہوں۔''

''آپ یہاں تک تنہا آتے ہیں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کبھی تنہا آتا ہوں اور کبھی ایک نوکر ساتھ ہوتا ہے۔ میں چل سکتا ہوں لیکن روشنی ہی میں۔ اندھیرے میں ایک قدم بھی نہ چل سکوں گا۔''

''میرا دل کڑھتا ہے آپ کے لئے۔''

''آپ بہت اچھی ہیں کاش میں آپ کو دیکھ سکتا۔''

لڑکی کچھ نہ بولی اور پھر یہ راؤنڈ بھی ختم ہوگیا۔ حمید ایک کنارے کھڑا ہو کر چاروں طرف سر گھماتا رہا۔ پھر آہستہ سے بڑبڑایا۔ ''بائیں طرف کی گیلری میں.... چھٹویں میز۔''

''کیا میں آپ کا ہاتھ پکڑ لوں۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہیں بس میرے ساتھ چلیے۔ میرے ساتھ بیٹھیے۔ اندھے کو کوئی بھی منہ لگانا پسند نہیں کرتا۔''

''چلئے! میں بیٹھوں گی آپ کے ساتھ۔''

وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری میں لے آئی اور چھٹویں میز پر وہ دونوں بیٹھ گئے۔

وہ لڑکی ایسی ہی بدصورت تھی کہ حمید مستقل طور پر اندھا بنا رہنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُسے آدمی کی فطرت پر غصہ آرہا تھا۔ آدمی جو تنہا نہیں رہنا چاہتا۔ تنہائی رفع کرنے کے لئے کوئی بھی مل جائے خواہ بعد کو وہ آدمی کے بجائے ٹین کا کنستر ہی کیوں نہ ثابت ہو۔

''آپ کے گھر میں اور کون کون ہے۔'' لڑکی نے پوچھا۔

''کتے.... بلیاں.... پرندے اور ملازمین۔''

''والدین۔''

''نبراسکا میں ہیں۔'' حمید جھنجھلا کر بولا۔ ''پاپا آئس کریم پر ریسرچ کر رہے ہیں اور ممی پرورشِ اطفال کے ٹریننگ لے رہی ہیں۔''

''بھائی بہن۔''

''پتہ نہیں۔ اب اس تذکرے کو ختم کیجیے۔''

''آپ مجھے بہت دیر سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔'' لڑکی ہنسنے لگی۔

''آپ نے کم بیوقوف بنایا ہے مجھے۔'' حمید اسکیٹس اتارتا ہوا بولا۔ اُسے الجھن ہونے لگی تھی اور اب وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔

''میں نے کیا بیوقوف بنایا ہے۔''

''آپ کیا بیوقوف بنائیں گی۔ بیوقوف یا عقل مند پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔''

''تو آپ اندھے نہیں ہیں۔''

''آپ خود ہوں گی اندھی۔'' حمید نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ لڑکی ہکا بکا رہ گئی۔ پھر اُس نے جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنا شروع کر دیا۔ پھر حمید بھی ہنسنے لگا اور اُس نے کہا۔ ''جو لڑکیاں مجھے منہ چڑھاتی ہیں اُن سے میں اسی طرح بدلہ لیتا ہوں۔''

''میں نے کب منہ چڑھایا تھا۔'' لڑکی بھی جھنجھلا گئی۔

''چڑھایا تھا.... میں اندھا نہیں ہوں۔''

''آپ کا دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' لڑکی نے کہا اور میز سے اٹھ گئی۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ ویسے اب اُسے افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اُس نے ایک بدصورت لڑکی کا دل توڑ دیا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر ضمیر کا بوجھ ہلکا ہوگیا کہ اگر وہ خود بدصورت ہوتا تو کوئی کانی، لنگڑی، لولی لڑکی بھی اُسے لفٹ دینا پسند نہ کرتی۔

پھر اَب وہ کیا کرے.... کہاں جائے.... نیند سے تھکا ہوا ذہن تفریح سے بھی بہت جلد بیزار ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کہاں، نیند کی تلاش میں گھر ہی کی راہ لی جاسکتی تھی اور گھر پر موت تو آسکتی تھی مگر نیند.... کبھی نہیں.... جب تک اُس کے کمرے میں فون موجود تھا وہ سو نہیں سکتا تھا۔

اُس نے دو چار اوٹ پٹانگ قسم کی گالیاں اپنے مقدر کو دیں اور وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ ٹیکسی پر یہاں تک آیا تھا۔ لہٰذا اب اُسے کسی ایسی ٹیکسی کا انتظار کرنا تھا جو یہاں خالی ہو کر شہر کی طرف واپس جائے۔ نیاگرہ شہر سے تقریباً چھ یا سات میل کے فاصلے پر تھا۔

یہاں ٹیکسیاں کمپاؤنڈ میں نہیں داخل ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا حمید کو پھاٹک پر آجانا پڑا۔ دور تک سڑک ویران پڑی تھی۔

حمید نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے ایک ٹھنڈی سانس لی اور خلاء میں گھورنے لگا۔



کار کی ہیڈ لائینس کی روشنی دور تک سڑک پر پھیل رہی تھی اور کار کے اندر اندھیرا تھا۔ باہر سے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس میں کتنے آدمی ہوں گے۔ ویسے بھی رات کافی تاریک تھی۔ اگر آسمان میں بادل نہ ہوتے تو تاروں کی چھاؤں بڑی خوشگوار ہوتی۔

''اوہو.... یہ کون تھا.... ذرا آہستہ چلو'' کسی نے کہا۔ ''اور گاڑی کو پھر بائیں جانب تھوڑا سا ترچھا کرو۔''

ہیڈ لائینس کی روشنی درختوں کے تنوں سے رینگ کر نیاگرا کے پھاٹک پر پڑی اور پھر اُسی آدمی کی آواز آئی۔ ''بلاشبہ وہی ہے۔''

''کون؟'' کسی دوسرے نے سوال کیا۔

''کیپٹن حمید.... آج اس کا یہاں کیا کام۔''

''اوہ.... تو کیا.... تو انہیں علم ہے کہ.... !''

''اگر ہے تو کیا.... نہیں ہے تو کیا۔ یہ لوگ ذہین ضرور ہیں مگر.... اے.... کار آگے نکال لے چلو۔''

کار نیاگرا کے پھاٹک کے سامنے سے گذر گئی۔

کچھ دور چلنے کے بعد کار رکوا دی گئی اور کسی نے کہا۔ ''ڈکسن! تم دیکھو! کیا قصہ ہے۔''

ایک آدمی کار سے اترا چند لمحے کھڑا نیاگرہ کے پھاٹک کی طرف دیکھتا رہا پھر چل پڑا۔ وہ حمید کے قریب ہی سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوا تھا۔ وہ کسی مغربی ملک کا باشندہ تھا۔

حمید نے اُس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس دوران میں نہ جانے کتنے اُس کے قریب سے گذر کر پھاٹک میں داخل ہوئے تھے۔

وہ غیر ملکی آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر شائد اندر داخل ہونے ہی والا تھا کہ اُس کے قریب سے ایک گذرنے والے نے اُسے دھکا دیا.... وہ اس توقع پر اس کی طرف مڑا کہ شائد اب وہ معذرت کرے گا لیکن معذرت کرنے کی بجائے وہ سانپ کی طرح پھپھکارا۔

''چپ چاپ میرے ساتھ چلو ورنہ میرے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کا رخ تمہاری طرف ہے اور ایسی صورت میں اگر انگلی بھی ٹریگر پر نہ ہو تو میں خود کو چڑی مار سمجھوں گا۔''

اُس کو دھمکانے والا بھی سفید فام ہی تھا.... اس نے پھر کہا۔ ''سیدھے چلو۔''

کار سے اُترنے والا چپ چاپ دوسری طرف مڑ گیا۔ اُسکے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔

دوسری منزل کے زینوں کے قریب پہنچ کر دھمکانے والا بولا۔ ''اوپر.... ہاں ٹھیک ہے سمجھ دار آدمی معلوم ہوتے ہو۔''

دونوں زینے طے کرنے لگے۔ دھمکانے والا اُس کے برابر ہی تھا اور اب اُس کے جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کی نال دوسرے آدمی کے پہلو سے لگی ہوئی تھی۔

''آج موسم کل سے بہتر ہے۔'' اس نے کچھ اس انداز میں کہا جیسے دوسرے آدمی کو صرف یہی اطلاع دینے کیلئے اوپر لے جا رہا ہو۔

کار سے اترنے والا کچھ بولے بغیر زینے طے کرتا رہا۔ اوپر پہنچ کر اُسے بائیں جانب مڑنے کو کہا گیا۔ اُس نے بے چوں و چرا تعمیل کی۔ پھر وہ ایک دروازے کے سامنے رک گئے۔

دھمکانے والے نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دی اور دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

کار سے اترنے والے کو اندر دھکا دیتے ہوئے کہا گیا۔ ''شکار۔''

کمرے میں تین آدمی تھے۔ ''شکار'' کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

''آہا.... یہ تو ڈکسن ہے۔'' ایک نے شکار کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔ ''فنچ کا ساتھی۔''

''پتہ نہیں تم لوگ کس غلط فہمی میں مبتلا ہو۔'' ڈکسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''ہم غلط فہمی ہی میں مبتلا ہوں گے۔'' دوسرا آدمی بولا۔ ''لیکن تم یہ ضرور بتاؤ کہ فنچ کہاں ہے۔''

''میں کسی فنچ کو نہیں جانتا۔''

''تمہاری لاش بھی کسی کو نہ مل سکے گی۔'' ایک آدمی بولا۔

''تم لوگ خواہ مخواہ ایک امن پسند آدمی سے الجھ رہے ہو۔'' ڈکسن نے کہا۔

''اس کے کپڑے اتار کر ٹھنڈا پانی ڈالو'' ایک آدمی نے مشورہ دیا۔

ٹھیک اُسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی۔ وہ لوگ چونک کر مڑے ہی تھے کہ دروازہ کھلا اور ایک بہت لمبا آدمی جھک کر اندر داخل ہوا۔ شائد وہ باہر سے قفل کھول کر اندر آیا تھا کیونکہ ڈکسن کے اندر آ جانے پر دروازہ مقفل کر دیا گیا تھا۔ لمبے آدمی نے اپنے اوور کوٹ کا کالر اٹھا رکھا تھا۔ اسلئے اس کا چہرہ صاف نہیں نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھا جس کی نال اُن لوگوں کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

''فنچ حاضر ہے دوستو'' اُس نے چبھتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"فنچ....!" چاروں نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر قہقہے لگائے۔

"تم شائد اس معجزے پر ہنس رہے ہو۔" لمبے آدمی نے سرد لہجے میں کہا۔ "فنچ تو ننھا سا آ
تھا.... کیوں؟ اچھا ادھر دیکھو۔"

اُس نے اپنے کوٹ کا کالر گرا دیا اور جو چہرہ روشنی میں آیا وہ فنچ کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو
تھا۔ چھوٹا سا چہرہ جس پر لاتعداد جھریاں تھیں۔

"تم اپنا ہاتھ جیب کی طرف لے جا رہے ہو۔ یہ بُری بات ہے۔" لمبے آدمی نے کہا۔ "ہاتھ
اٹھائے رکھو اور تم ڈکسن کمرے کی تلاشی لو۔ آج کل ہم لوگ مفلسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ڈا
ڈریڈ بہت دولت مند آدمی ہے کیوں دوستو!"

کوئی کچھ نہ بولا۔ ڈکسن نے کمرے میں رکھے ہوئے سوٹ کیس کھولنے شروع کر دیئے۔ پا
منٹ کے اندر ہی اندر کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی میز پر نوٹوں کی کئی گڈیاں نظر آنے لگیں۔ یہ
بڑے نوٹ تھے۔ رقم تیس چالیس ہزار سے کم نہ رہی ہوگی۔

"نہیں میری جیبوں میں رکھ کر.... تم کمرے سے باہر نکل جاؤ ڈکسن۔" لمبے آدمی
کہا۔ ڈکسن نے یہی کیا۔ وہ چاروں حیرت سے منہ کھولے کھڑے رہے۔ کبھی وہ لمبے آدمی کا
دیکھتے اور کبھی اُس کے قد کا جائزہ لینے لگتے۔

"سنو دوستو!" لمبے آدمی نے انہیں مخاطب کیا۔ "ڈاکٹر ڈریڈ جہاں کہیں بھی ہو اُسے میرا پیغا
دو۔ اس سے کہنا۔ فنچ نے کہا تھا کہ تمہارے زوال کے دن قریب آ گئے ہیں۔ ایک حقیر سا کیڑا
سرکس میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا دنیا کے خوفناک ترین آدمی ڈاکٹر ڈریڈ کے پرخچے اڑا دے گا۔"

دفعتاً اُس کے ریوالور کی نال سے دھواں نکلا اور وہ چاروں اُس کے خطرناک نتائج سے
ہونے کے لئے تنہا رہ گئے۔

بلیک میلر

دوسری صبح نیاگرہ کے منیجر کے لئے بڑی پریشان کن تھی جب کمرہ نمبر ۵۳ سے تین قریب
آدمیوں کے ساتھ ایک لاش بھی برآمد ہوئی۔

وہ تینوں اس قابل نہیں تھے کہ بیان دے سکتے۔ معاملہ چونکہ غیر ملکیوں کا تھا اس لئے

پولیس حرکت میں آ گئی۔ محکمہ سراغرسانی سے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور لیفٹیننٹ سنگھ جائے واردات پر پہنچے۔

تین آدمیوں کو طبی امداد کے لئے وہاں سے ہٹایا جا چکا تھا۔ البتہ لاش اب تک وہیں پڑی تھی اور پولیس ہاسپٹل کا انچارج اُس کے قریب موجود تھا۔

اُس نے اُسے بتایا کہ موت کسی زہریلی گیس کی بناء پر واقع ہوئی تھی۔

ریکھا اور سنگھ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ سارے صندوق کھلے پڑے تھے۔ اکثر کا سامان بھی فرش پر بکھرا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے منیجر کو طلب کیا۔

"اس واقعہ کی اطلاع آپ کو کس طرح ہوئی تھی۔" ریکھا نے اُس سے پوچھا۔

"کوئی صاحب ملنا چاہتے تھے۔ اُن کی کال آئی تھی کمرہ نمبر ۵۳ کے لئے۔ کمرہ نمبر ۵۳ سے سلسلہ ملا دیا۔ کچھ دیر بعد ان صاحب نے آپریٹر کو مخاطب کر کے کہا کہ کمرہ نمبر ۵۳ سے جواب نہیں مل رہا۔ ایک ویٹر اُس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے اوپر گیا اور اُس نے دروازہ کھلا ہوا دیکھا۔ ایک آدمی آدھا کمرے کے اندر اور آدھا باہر پڑا ہوا تھا۔

"قریب و جوار کے کسی آدمی نے کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع نہیں دی تھی؟" سنگھ نے پوچھا۔

"نہیں جناب! میرا خیال ہے کہ اُس آدمی نے ویٹر کے پہنچنے سے کچھ ہی دیر قبل دروازہ کھول کر باہر نکلنے کی کوشش کی تھی۔"

"یہ کب سے یہاں تھے۔"

"تقریباً دو ماہ سے۔ دراصل کمرہ تو ایک ہی آدمی نے لیا تھا۔ لیکن پھر تین آدمی اور آ گئے تھے۔"

"کیا یہاں کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک کمرے میں.... مگر ٹھہریئے۔ یہاں مسہری تو ایک ہی ہے۔" سنگھ نے حیرت ظاہر کی۔

"بقیہ آدمی شائد فرش پر سوتے تھے۔" منیجر بولا۔

"کیا نیاگرا جیسے بڑے ہوٹلوں میں یہ بھی ہوتا ہے۔"

"نہیں جناب ہوتا تو نہیں ہے۔ مگر مجبوری.... یہ لوگ اسی پر مصر تھے کہ ایک ہی کمرے میں رہیں گے۔"

"کیا یہ حفظانِ صحت کے قوانین کی خلاف ورزی نہیں ہے۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔

ریکھا نے اُسے مخاطب کیا۔ ''کیا رجسٹروں میں ان لوگوں کے اندراجات با قاعدہ ہوئے تھے۔''

''جی ہاں۔''

''پاسپورٹوں کے متعلق تفصیلات آپ کے رجسٹروں میں موجود ہیں۔''

''جی ہاں! موجود ہیں۔''

''رجسٹر منگوایئے۔''

منیجر فون کی طرف بڑھا اور ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ''نہیں یہاں آپ کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔''

''اوہ.... معاف کیجئے گا مجھے خیال نہیں تھا۔ میں خود ہی لا رہا ہوں رجسٹر۔''

انہوں نے اسے جانے سے نہیں روکا۔

''کیا خیال ہے؟'' سنگھ نے ریکھا سے پوچھا۔

''فی الحال کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ یہ اپنی ہی کسی حماقت کا شکار ہوئے ہیں۔'' سنگھ نے کہا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی خطرناک قسم کی گیس سے خود ہی شغل کیا ہو۔''

''ہاں.... آں.... یہ بھی ممکن ہے۔ لیکن مجھے ابھی تک یہاں کوئی ایسی چیز نہیں نظر آئی جسے گیسوں کو مقید رکھنے کا آلہ سمجھا جا سکے۔ اگر اُن کے پاس کسی قسم کی گیس تھی تو انہوں نے کس طرح اُسے محفوظ رکھا تھا۔''

''اوہو! اس کا تو خیال ہی نہیں تھا۔'' سنگھ جلدی سے بولا۔ ''تم ٹھیک کہتی ہو۔''

''تاوقتیکہ ان میں سے کوئی بیان دینے کے قابل نہ ہو جائے ہم اندھیرے ہی میں رہیں گے۔'' ریکھا بولی۔

''افسوس کہ حمید یہاں موجود نہیں ہے ورنہ اس اندھیرے سے بہت فائدہ اٹھاتا۔'' سنگھ مسکرایا۔

ریکھا کچھ نہ بولی۔ وہ اُس لاش کو گھور رہی تھی جو اب بھی وہاں موجود تھی۔ البتہ ڈاکٹر جا چکا تھا۔ وہ دونوں کمرے سے راہداری میں چلے آئے۔

تھوڑی دیر بعد منیجر بھی رجسٹر سمیت آ گیا۔ لیکن اس بار وہ بہت زیادہ بوکھلایا ہوا نظر آ رہا تھا اور اُس کی سانس پھول رہی تھی۔

''کیا بات ہے!'' سنگھ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

''وہ تینوں بھی مر گئے جناب۔'' منیجر ہانپتا ہوا بولا۔

''ارے....!''

''جی ہاں.... ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔''

چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سنگھ نے اُس کے ہاتھ سے رجسٹر لے لیا۔ ان چاروں کے متعلق تفصیلات دیکھیں اور رجسٹر کو ریکھا کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''ان کے متعلق ویزا سیکشن سے معلوم کرو۔''

ریکھا رجسٹر لئے ہوئے نیچے چلی گئی۔ سنگھ پھر کمرے میں آیا اور نئے سرے سے دیکھ بھال شروع کر دی۔ اُسے دراصل اُن چاروں کے پاسپورٹوں کی تلاش تھی لیکن پندرہ یا بیس منٹ تک جھک مارنے کے باوجود بھی پاسپورٹ نہ مل سکے.... اتنے میں ریکھا بھی واپس آ گئی۔

''یہ لوگ تو فراڈ تھے۔'' اس نے کہا۔

''کیا....؟''

''میں نے ویزا سیکشن کو فون کیا تھا۔ وہاں ان لوگوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے مگر ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کہتے ہیں کہ وہ دو ماہ پہلے کینا ڈا سے آئے تھے۔''

''چلو.... جان چھوٹی....!'' سنگھ نے ایک طویل سانس لی۔

''کیوں جان کیوں چھوٹی۔''

''یہ سو فیصدی کرنل فریدی کا کیس بن گیا ہے۔ ایسے کیس ہمیں ملتے ہی کب ہیں۔''

''نہیں شائد یہ ہمارا ہی کیس ہے کیونکہ ان کے پاس سعیدہ رحمان کا کیس ہے۔''

''وہ کسی اور کو مل جائیگا۔ اُسمیں کوئی خاص پیچیدگی بھی نہیں ہے۔ سیدھا سادہ اغوا کا کیس ہے۔''



کرنل فریدی بیرسٹر کیلاش ورما کے آفس میں داخل ہوا۔ بیرسٹر نے بڑی گرم جوشی سے اُسے خوش آمدید کہی اور کرسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ''تشریف رکھئے جناب! کیسے تکلیف فرمائی۔''

"سعیدہ رحمان کے سلسلے میں۔"

"یہ واقعہ میرے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوا ہے۔"

"ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ آپ کی موکلہ تھی۔"

"صرف یہی نہیں کرنل.... وہ میری بچی تھی.... اُسکی تعلیم وتربیت میرے ہی ہاتھوں سے ہوئی تھی۔"

"اس سلسلے میں یہ نئی بات سن رہا ہوں۔ وہ کس طرح جناب؟"

"اُس کا باپ میرے یہاں منشی تھا۔ یہ بچی چھوٹی ہی تھی کہ اس کی ماں مرگئی۔ منشی نے دو شادی نہیں کی۔ وہ بڑا نیک آدمی تھا۔ میری بیوی نے بچی اُس سے لے لی اور ہمارے ہی بچوں ساتھ اُس کی پرورش بھی ہونے لگی۔ جب وہ دس سال کی ہوئی تو بیچارہ منشی بھی چل بسا لیکن ہمارے ہی ساتھ رہی۔ پھر سن بلوغ کو پہنچنے پر وہ خود ہی ہم سے علیحدہ ہوگئی۔ ہمیں اس کا ملال بھی ہوا۔ ہم نے سوچا ممکن ہے ہمارے ساتھ رہنے سے اُس کے مستقبل پر کوئی بُرا اثر پڑے مگر وہ دن م لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔"

کیلاش ورما کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ چند لمحے اسی انداز میں میں فریدی کی طرف دیکھتا کرسی کی پشت سے نکلتا ہوا بولا۔ "وہ دن جب جمیکا کے ایک وکیل کا بیان موصول ہوا کہ سعیدہ ایک بہت ہی مالدار چچا کی وارث قرار پائی ہے۔ کرنل آپ سوچئے تو سہی کتنی حیرت انگیز بات سعیدہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اُس کا وہ آوارہ گرد چچا جو بچپن ہی میں گھر سے فرار ہوگیا تھا اتنی بڑی خوش نصیبی کا باعث بنے گا۔"

"کبھی سعیدہ کے باپ نے بھی اپنے کسی بھائی کا تذکرہ کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"اگر کیا بھی ہو تو مجھے یاد نہیں کرنل.... لیکن سعیدہ کا بیان ہے کہ وہ اکثر اُس بھائی کا تذ کرتا تھا۔"

"کیا آپ اُس وکیل سے ذاتی طور پر واقف ہیں جس کا پیغام آپ کو موصول ہوا تھا۔"

"ہرگز نہیں۔ اس بات پر تو اور زیادہ حیرت بھی ہے اور پھر میں کسی بین الاقوامی حیثیت کا بھی نہیں کہ ساری دنیا کے لوگ مجھ سے واقف ہوں۔"

"پھر آپ اس سے کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"ان حالات کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ کرم رحمان اپنی بھائی اور بھتیجی کے متعلق ہر

ری معلومات فراہم کرتا رہتا تھا۔ یعنی اُسے معلوم تھا کہ بھائی مرچکا ہے اور بھتیجی فلاں جگہ پر سنے پناہی جمس آلڈن نے مجھے یہی لکھا ہے کہ کرم رحمان کے مرتب کئے ہوئے وصیت نامے کے مطابق ارنگ ہی ساری املاک سعیدہ رحمان کے نام منتقل کردی گئی ہے۔"

"کچھ رقم ملی بھی ہے اُسے۔"

"جی ہاں.... فی الحال تیس ہزار روپے ملے ہیں الائیڈ بنک کے توسط سے۔ ویسے حقیقتاً یہ لڑکی اب پتی ہوگئی ہے۔ فی الحال ایسی دشواریاں آپڑی ہیں جن کی بناء پر تھوڑا ہی تھوڑا سرمایہ اس طرف منتقل کیا جاسکتا ہے۔ ویسے اگر سعیدہ جمیکا چلی جائے تو اسے حقوق شہریت بھی مل جائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ سعیدہ کو یہی کرنا پڑے گا۔ خود جیمس آلڈن کا بھی یہی خیال ہے کیونکہ وہاں کی حکومت اتنا بڑا سرمایہ ہرگز وہاں سے منتقل نہ ہونے دے گی۔"

"ہوں....!" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ وہ کاغذات مجھے دکھا سکیں گے۔"

"ضرور ضرور....!" کیلاش ورما نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"قریشی صاحب سے سعیدہ رحمان کا فائیل لاؤ۔"

فریدی خاموشی سے اُس کے حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ چپراسی جاچکا تھا۔ کبھی کبھی کیلاش ورما بھی فریدی پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتا اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگتا۔

تھوڑی دیر بعد فائیل آگیا اور کیلاش نے اس میں سے کچھ کاغذات نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دئے۔ فریدی انہیں دیکھتا رہا پھر یک بیک اٹھتا ہوا بولا۔

"اچھا بہت بہت شکریہ۔"

وہ کیلاش ورما کو حیرت زدہ چھوڑ کر باہر جاچکا تھا۔



گھر پہنچ کر اُسے معلوم ہوا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا دیر سے اُس کی منتظر ہے۔ وہ سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

فریدی کو پہلے ہی سے علم تھا کہ وہ اور سنگھ نیاگرا کے کسی کیس کی تفتیش کررہے ہیں۔

"میں اس وقت آپ کو تکلیف نہ دیتی۔" ریکھا نے کہا۔ "مگر اتفاق سے یہ آپ ہی کا کیس بن گیا ہے۔"

"کیوں میرا....کیسے....!"

ریکھا نے مختصراً اُسے ان چار لاشوں کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ "تین ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ آدمی مرنے سے قبل بڑبڑایا تھا۔"

فریدی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

"اُس نے کہا تھا۔" ریکھا چند لمحے خاموش رہ کر بولی۔ "بہت لمبا ہو گیا ہے....اوہو....فنچ لمبا ہو گیا ہے۔"

"فنچ....!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اگر ڈاکٹروں نے غلط نہیں سنا تو یہ سو فیصدی میرا کیس۔ فنچ کا کیس اب بھی میرے ہی پاس ہے۔"

"لیکن چاروں آدمیوں کا کوئی ریکارڈ ہمارے یہاں نہیں ہے۔ ویسے ہوٹل کے رجسٹر میں اندراجات ہیں اُن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کینیڈا سے آئے تھے۔"

"اُن کے سامان سے کوئی ایسی چیز بھی برآمد ہوئی جس سے ان کی اصلیت پر روشنی پڑ سکے۔"

"ایسی کوئی چیز نہ مل سکی۔"

"کیا وہ کمرہ سیل کرا دیا گیا ہے۔"

"جی ہاں۔"

"یہ بہت اچھا کیا۔ اب میرے لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ اُسے ایک نظر دیکھ لوں۔"

"مگر اس جملے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اوہو فنچ بہت لمبا ہو گیا ہے۔"

"ممکن ہے۔ یہ ہذیان ہو کیونکہ فنچ کے لمبے ہو جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وہ معمولی طور پر پستہ قد ہے۔ میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ مرنے والوں میں سے ایک کی پر فنچ کا نام آیا تھا۔"

ریکھا چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "میں شروع سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ ڈاکٹر ڈر مقابلے میں فنچ کو زیادہ اہمیت دیتے رہے ہیں۔"

"وہ میرے لئے بڑی کشش رکھتا ہے۔ غیر معمولی صلاحیتیں رکھنے والا ایک ننھا منا سا آدی ڈاکٹر ڈریڈ تو وہ ایک ویسا ہی شعبدہ گر ہے جیسے بارہا میرے ہاتھوں سے انجام کو پہنچے ہیں۔ وہ اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کہ امریکہ کی پولیس نے اُسے بنا دیا ہے اور پھر ڈاکٹر ڈریڈ کے آج تک

رہنے کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اُسے امریکہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ وہ اُن کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ فنچ مجھے سنگ ہی کی یاد دلاتا ہے اور سنگ ہی جیسا مجرم آج تک میری نظروں سے نہیں گذرا۔"

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حمید کمرے میں داخل ہوا۔

"اوہو....!" اُس نے اتنا ہی کہا اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔

فریدی جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حمید نے بڑے بے تعلقانہ انداز میں ایک طویل انگڑائی لی اور بڑبڑانے لگا۔

"کلو کی ماں جب کلو جوان ہو جائے تو تم مجھے گولی مار دینا۔"

"میں ابھی تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گی۔" ریکھا چنچنائی۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"کیا آپ لوگ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں۔" حمید چونک کر بولا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔" فریدی بگڑ گیا۔

"اگر یہ حکم کم از کم ایک ہفتے کے لئے بھی ہوتو میں سر کے بل چلے جانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن جیمس اینڈ بارٹلے کی فرم کا ایک گویا مجھے حشر تک یاد رہے گا۔"

فریدی ریکھا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اُسے اُن چاروں کے متعلق کچھ اور بتانے لگی تھی لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حمید وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔ مگر حمید عورتوں کے معاملے میں اتنا حیادار نہیں تھا کہ کسی کی بے رخی اُسے دکھ پہنچاتی۔ وہ نہایت اطمینان سے صوفے میں دراز اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ریکھا اپنی گفتگو ختم کر کے خاموش ہو گئی اور فریدی حمید کو گھورنے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں تم جیمس اینڈ بارٹلے کے کسی گویئے کا تذکرہ کر رہے تھے۔"

"کرنا چاہتا تھا مگر اب وہ بات ہی ختم ہو گئی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور پائپ سلگانے لگا۔

"میں آدمیوں کا ایک کانجی ہاؤس قائم کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے ریکھا سے کہا۔

"یہ عمارت بہت موزوں رہے گی۔" حمید نے کہا "اور اُس کی منتظمہ اگر کوئی عورت بنائی جائے تو بہتر ہے۔"

"کیا خواہ مخواہ بکواس کرنے والے آدمی لاوارث جانوروں سے بہتر ہوتے ہیں۔" فریدی نے ریکھا سے پوچھا۔

"بدتر....!" ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

حمید بڑی بے تعلقی سے پائپ پیتا رہا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور اُسے فریدی کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

"دیکھیے کتنا بانکا سنجیدہ نوجوان ہے۔"

فریدی نے تصویر لے لی۔ اُسے چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"کیا آپ اسے پہچان سکتے ہیں۔"

"نہیں....کیونکہ اس کی آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک ہے۔"

"اور گھنی مونچھیں بھی نہیں ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"مطلب یہ کہ اس آدمی کی آنکھوں پر عموماً تاریک شیشوں کی عینک ہوتی ہے اور اُس نے اپنی مونچھیں صاف کرادی ہیں۔"

"ٹھہرو....ناک اور دہانے کی بناوٹ کچھ جانی پہچانی سی معلوم ہوتی ہے۔ اوہو....یہ تو سنگرام ہے۔"

"خیر پہچان لیا آپ نے۔"

"کیا تم نے اسے کہیں دیکھا ہے۔"

"یقیناً دیکھا ہے ورنہ اُس کی تصویر کیوں لئے پھرتا۔ یہ تصویر مجھے سعیدہ رحمان کے یہاں سے ملی ہے۔"

"اوہ....تم نے اسے کہاں دیکھا ہے۔"

"جیمسن اینڈ بارٹلے کے یہاں کلرک ہے۔ یہ وہی آدمی ہے جس کے متعلق سعیدہ کے ملازم نے بتایا تھا کہ اکثر سعیدہ اُس سے گیت سنا کرتی تھی۔ اس کا موجودہ نام آرتھر ہے۔"

"اوہ....یہ خبر بھی میرے لئے دلچسپ ہے۔"

"سنگرام کون ہے۔!" ریکھا نے پوچھا۔

"ایک بلیک میلر جس کی تلاش پولیس کو عرصہ سے ہے۔ تلاش تو ہے لیکن آج تک اُس کے خ

جرم نہیں ثابت ہوسکا۔ تلاش یوں ہے کہ پولیس اس پر نظر رکھنا چاہتی ہے۔"

فریدی انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

"ہاہا....ریکھا مانتی ہو....تا....!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اب آؤ ہم تم دیوداس کے ڈائیلاگ بولیں۔"



"کیا بیہودگی ہے۔" ریکھا اُٹھتی ہوئی بولی۔

"تم جا نہیں سکتیں۔"

"دیکھتی ہوں کیسے روکتے ہو۔"

"اگر جاؤ تو خدا کرے تمہارے ماں باپ مرجائیں۔"

"تم خود فنا ہوجاؤ۔ تمہارا سارا خاندان۔" ریکھا بہت زور سے بگڑی۔

"میرا خاندان تو فنا ہوچکا ہے۔ خدا کرے تمہارا منگیتر کوڑھی ہوجائے۔" حمید نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ریکھا پاگل نظر آنے لگی۔ کیونکہ وہ غصے میں بھی تھی اور اُسے ہنسی بھی آگئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کیا ...انی ہوگی۔

حمید نے اٹھ کر دروازہ بند کردیا۔

"میں دونوں سینڈل تم پر توڑ دوں گی۔"

"پرواہ نہیں۔ میں دوسری خرید دوں گا۔ اب اتنا مفلس بھی نہیں ہوں۔"

ریکھا بے بسی سے صوفے میں گرگئی اور دانت پیس کر بولی۔ "دروازہ کھول دو۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

حمید نے دروازہ کھول دیا اور اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "بس میں یہ چاہتا تھا کہ تم بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھا کروں۔"

ریکھا کوئی جواب دینے کی بجائے اُسے گھورتی رہی۔

"اچھا مذاق ختم۔" حمید نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں دراصل اس لئے روکا ہے کہ ہم لوگ کسی دوسرے کے پابند کیوں ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر ہم فریدی صاحب سے الگ ہی رہ کر کوئی کیس نپٹا سکیں تو کیسی رہے۔ مثلاً ڈاکٹر ڈریڈ ہی کا معاملہ لے لو۔"

"تم ڈاکٹر ڈریڈ کو نپٹاؤ گے۔" ریکھا ہنس پڑی۔

"کیوں....کیا ہوا۔"

ریکھا کچھ کہنے والی تھی کہ ایک ملازم نے اندر آ کر ایک وزیٹنگ کارڈ پیش کیا۔

"ارے یہ کہاں..... آمرا" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کون ہے.....!" ریکھا نے پوچھا۔

"قاسم.....!" حمید نے کہا پھر نوکر سے بولا۔ "بھیج دو۔"

کچھ دیر بعد قاسم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ٹھٹک گیا۔ غیر متوقع طور پر ریکھا کو وہاں وہ گڑبڑا گیا۔

"ارے آؤ نا.....!" حمید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"آداب عرض۔ آداب عرض۔" قاسم بوکھلاہٹ میں ریکھا کو جھک جھک کر سلام کرتا ہوا صوفے میں ڈھیر ہو گیا۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"قق..... کچھ بھی نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔ تمہارے معاملات بہت سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔"

"میرے ٹھینگے سے۔" قاسم کو یک بیک غصہ آ گیا۔ "میں اب اُسے سالے کو قتل ہی کر دوں گا"

"کسے.....!"

"پرویز..... کو..... دن بھر..... ٹرن ٹرن ٹرن..... اور گالیاں..... دن بھر گالیاں سننی پڑتی ہیں۔"

"کیا بات ہوئی۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"سمجھو.....!" قاسم غصے میں مکا ہلا کر بولا۔ "وہ دن بھر مجھے فون پر گالیاں دیتا رہتا ہے۔"

"اوہو..... تو کیا اُسے ضمانت پر رہا کرا لیا گیا ہے۔"

"ہاں..... اور اب وہ کبھی رہا نہ ہو سکے۔ وہاں سے تو نکل ہی نہ سکے گا۔"

"کہاں سے۔"

"قبر سے۔"

"تم ایک ذمہ دار آفیسر کے سامنے گفتگو کر رہے ہو۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"فریدی صاحب کہاں ہیں۔"

"وہ چی ہوا ہوا تشریف لے گئے ہیں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"میں یہی کہنے آیا ہوں کہ پرویز کو قتل کر دوں گا۔"

"مگر پھانسی کوئی ٹنگڑی سی لڑکی نہیں دے گی۔"

"اَمے تم میرا..... مذاخ نہ اڑاؤ ورنہ بھگتا دوں گا۔" قاسم نے کہا اور اچانک چونک کر ریکھا کی طرف دیکھنے لگا۔ اس دوران میں شائد وہ بھول گیا تھا کہ وہاں کوئی عورت بھی موجود ہے۔

"معاف کیجئے گا۔" وہ گھگھیایا۔ "میں غصہ میں تھا۔"

"ہونا ہی چاہئے۔" ریکھا نے مسکرا کر کہا۔ "آپ کے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی ہے۔"

"مگر ان لوگوں کی سمجھ میں تو نہیں آتا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید نے پوچھا۔

"سمجھ میں آتا ہوتا تو وہ چھوڑا جاتا۔"

"ارے بھئی ضمانت پر چھوٹا ہے۔"

"کیوں چھوٹا ہے۔"

"قانون.....!"

"قانون کی ایسی کی تیسی۔ جو تم لوگ چاہتے ہو وہی قانون ہے۔"

"اچھا چلو یہی سہی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فون پر تمہیں گالیاں دیتا رہے۔"

"سن رہی ہیں آپ۔" قاسم نے ریکھا کو مخاطب کیا۔

"ارے کیا سن رہی ہوں۔" ریکھا نے ہنسی ضبط کر کے سنجیدگی اختیار کرنی چاہی۔ پھر بولی۔ "یہ تو آپ کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"آپ کے منہ پر تو تعریف بھی کر دیتے ہیں۔ مگر پیٹھ پیچھے..... کچھ نہ پوچھئے..... کیا کہتے ہیں۔"

"نہیں..... بتائیے..... بتائیے۔" قاسم حمید کو گھورتا ہوا بولا۔

حمید سمجھ گیا کہ ریکھا اس وقت چوکے گی نہیں ہو سکتا ہے سر پھٹول کی نوبت آ جائے لیکن وہ اس طرح اٹھنا بھی اپنی توہین سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ریکھا بعد کو بُری طرح اُس کا مذاق اڑاتی۔

"ہاں..... کیا کہتا ہوں پیٹھ پیچھے۔" حمید نے بڑی دلیری سے پوچھا لیکن ساتھ ہی وہ کنکھیوں سے قاسم کی طرف بھی دیکھتا رہا تھا کہ کہیں اُس کی بے خبری میں جھپٹ ہی نہ پڑے۔

"آپ انہیں گنوار نہیں کہتے۔"

"تم گنوار کے معنی بھی جانتی ہو۔"

"قاسم صاحب! مجھ سے بہتر معنی جانتے ہیں۔"

قاسم صرف گھورتا رہا۔ اُس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ حمید نے سوچا جادو چل گیا ہے۔ ریکھا نے بھی قاسم کی حالت دیکھی اور اُس کے ہونٹوں کے کونے پھڑکنے لگے اور وہ اپنی مسکراہٹ نہ روک سکی۔

"اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔" قاسم غرایا۔ "میں تو ابھی تک تم کو دوست سمجھتا تھا۔"

"اور ایک بار جانگلو بھی کہا تھا۔"

"یہ خود ہوگا... جانگلو... سالا... والا۔" قاسم آؤٹ آف کھوپڑی ہوگیا۔

حمید ٹپٹا گیا۔ اب معاملہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس اسٹیج پر قاسم کو کنٹرول میں رکھنے کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ وہ خاموش رہے۔ اگر صفائی پیش کرنے کی کوشش کرتا تب بھی حالات بدتر ہو سکتے تھے۔ بہتر نہیں۔ ریکھا تو اپنا وار کر چکی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا رہا... اور قاسم گرجتا رہا۔ "بڑے... مجب بنتے ہو سالے... تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو۔ جب دل چاہے سامنے آ جاؤ... اٹھو نا۔"

اتنے میں ایک نوکر نے آ کر حمید سے کہا۔ "صاحب کا فون ہے۔"

"اچھا" حمید اٹھتا ہوا بولا اور چپ چاپ کمرے سے نکلا چلا گیا۔

کچھ دیر بعد قاسم نے ریکھا سے کہا۔ "معاف کیجئے گا۔ مجھے پھر غصہ آ گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔ "مگر دیکھا آپ نے کیسا دم دبا کر چلا گیا میں غلط تھوڑی ہی کہہ رہی تھی۔"

"غصہ آ گیا تھا... میں مار بیٹھتا... مگر...!"

"کیا فائدہ... یہاں مارنے سے کیا فائدہ۔ کون دیکھتا۔ کسی دن بیچ سڑک پر روک کر ماریے۔ بھرے بازار میں تاکہ کچھ بے عزتی بھی ہو۔ ورنہ اور نہ جانے کن کن آدمیوں کے سامنے آپ کے متعلق اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتا رہے گا۔"

ہاں... یہ بات ٹھیک ہے۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔ پھر آہستہ سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے۔

کہاں بے عزتی کروں اس کی۔"

"کسی ایسی جگہ جہاں اس کی جان پہچان والے موجود ہوں ورنہ کون جانے گا کہ کون پٹا۔"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔" قاسم نے رازدارانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کہیں نہ کہیں اسے دیکھ لوں گا۔"

"میں بھی موجود ہوں تو بہتر ہے۔" ریکھا نے کہا۔

"ضرور ضرور...!" قاسم مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو فون کر دوں گا یا خط لکھ دوں گا نہیں تار دے دوں گا۔"

"میں خود ہی جگہ وغیرہ آپ کو بتا دوں گی۔"

"یہ تو بہت عمدہ رہے گا۔" قاسم نے قہقہہ لگایا۔

بے نیل و مرام

فن آئی لینڈ معمول کے مطابق کافی پُر رونق نظر آ رہا تھا۔ شام کے چار بجے تھے اور یہاں تفریح کرنے والوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔

مگر کرنل فریدی جزیرے کے ایک ایسے حصے میں نظر آ رہا تھا جدھر کا رخ شائد ہی کبھی کوئی کرتا رہا ہو۔ یہاں کی زمین ناہموار تھی اور بعض جگہ بہت چوڑی چوڑی دراڑیں تھیں۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر نشیب میں لہریں ساحل سے ٹکراتی تھیں۔

وہ سینے کے بل زمین پر لیٹا ہوا ایک دراڑ میں جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دراڑ تقریباً سات یا آٹھ فٹ ضرور چوڑی رہی ہوگی اور گہرائی کا اندازہ کرنا تو مشکل ہی تھا کیونکہ نیچے تاریکی کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اٹھا اور نشیب میں اترنے لگا اور پھر وہ اُس دراڑ کے دہانے پر جا پہنچا۔ لہریں اُس میں گھستی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ یہاں دراڑ کی کشادگی چالیس فٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہوگی اور دراڑ کے اندر جہاں تک سورج کی روشنی پہنچ سکتی تھی پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر اوپر چلا آیا۔

اب وہ جزیرے کے سب سے اونچے ٹیلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ

کامیاب ہوگیا۔ یہاں سے قریب قریب پورا جزیرہ دکھائی دیتا تھا۔ لیکن وہ دراڑ یہاں سے نہیں نظر آئی تھی جس کے کنارے فریدی کچھ دیر لیٹا رہا تھا۔

اس نے سگار کا کونا توڑتے ہوئے ایک طویل سانس لی اور سگار ہونٹوں میں دبا لیا۔ لیکن وہ شاید دو یا تین منٹ تک یونہی ہونٹوں میں دبا رہا۔ فریدی کی آنکھوں سے گہرا تفکر مترشح تھا۔ پھر غالباً اُس نے سگار جلانے کا ارادہ ہی ترک کر دیا کیونکہ اب وہ پھر اُس کی جیب میں واپس چلا گیا تھا۔

ٹیلے پر خودرو پھولوں کی اونچی اونچی جھاڑیاں تھیں اور یہ اتنی گھنی تھیں کہ درجنوں آدمی دیکھ لیے جانے کے خوف سے بے نیاز ان میں نہایت آسانی سے چھپ سکتے تھے۔

فریدی پتھر کے ایک بڑے ٹکڑے پر بیٹھ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اور پرندوں کے شور سے سارا جزیرہ گونج اٹھا تھا۔

اُس نے کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر ٹیلے سے اُترنے لگا۔ اُسے توقع تھی کہ اب حمید جزیرے میں پہنچ گیا ہوگا کیونکہ اُس نے اُسے ڈیڑھ گھنٹے قبل فون کیا تھا۔ ٹیلے سے اُتر کر وہ آباد حصے کی طرف چلنے لگا۔

پھر کارواں بار کے سامنے ہی حمید سے ملاقات ہوگئی۔ اُس نے اُسے یہیں آنے کی ہدایت کی تھی۔

"تمہارے.....اس آرتھر نے بہت چکر دیئے۔" اُس نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیوں.....!"

"وہ بلاشبہ سنگرام ہی ہے۔ جیمسن اینڈ بارٹلے کے آفس سے وہ ڈھائی بجے ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ دراصل یہیں اس جزیرے میں رہتا ہے۔"

"لیکن چکر کیسے دیا اُس نے۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بار میں لیتا چلا گیا۔

فریدی نے ایک کم آباد گوشہ منتخب کیا اور وہ بیٹھ گئے۔ یہاں اب ایک ہی آدھ میز خالی نظر آ رہی تھی۔

"بار میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔" حمید بڑبڑایا۔ "خواہ مخواہ آپ نے ایک میز گھیر لی ہے۔"

"بار والے کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔"

"اس کا نقصان تو ہوسکتا ہے۔"

"تم اس کی پرواہ نہ کرو۔" فریدی نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "قصہ دراصل یہ ہے کہ سنگرام یا آرتھر کا تعلق ڈاکٹر ڈریڈ کے گروہ سے معلوم ہوتا ہے۔"

"خدا خیر کرے۔ یہ میں نے کیا کیا۔" حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے مارتے رہ گیا۔

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔"

"آپ ہمیشہ دوسروں کی محنت کے پھل خود ہی کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"اگر میری نیت صاف نہ ہو تو پھلوں کی گٹھلیاں حلق میں اٹک جائیں لیکن ایسا آج تک نہیں ہوا۔ مجھے سعیدہ کے دوستوں کی تلاش ہے۔ میں ایک ایک کو چیک کروں گا۔ لہٰذا سنگرام کا بھی سامنے آنا ضروری تھا۔ یہ اور بات ہے کہ تم نے اُسے چیک کرلیا۔ لیکن یہ معلوم کرلینا کم از کم تمہارے فرشتوں کے بس کی بات نہیں تھی کہ سنگرام کا تعلق ڈریڈ کے گروہ سے ہے۔"

"آپ نے کیسے معلوم کرلیا۔"

"تم کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں اب تک سوتا رہا ہوں۔ ڈریڈ کے کم از کم پانچ آدمی میری نظروں میں ہیں۔"

"اور آپ اب تک اس فکر میں رہے ہیں کہ ان کے توسط سے آپ کی پہنچ ڈاکٹر ڈریڈ تک ہو جائے۔"

"تمہارا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔"

"زبان کاٹ کر پھینک دیجئے میری۔ میں آپ کی طرح فلسفی نہیں ہوں۔ بعض اوقات میری زبان میں کھجلی ہوتی ہے اور میں بولنا چاہتا ہوں۔ خیالات خواہ ہلکے ہوں خواہ بھاری۔"

"مگر ہم تو سنگرام کی بات کر رہے تھے۔"

"سنگرام انہیں پانچ آدمیوں کے ساتھ اسی جزیرے میں رہتا ہے۔"

"ارے تو پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔ شراب کی بو مجھے پاگل کر دیتی ہے۔"

"بیٹھے رہو۔ چپ چاپ۔"

"ایسی صورت میں جب گلاس ہاتھ میں ہو۔ ٹھنڈے پانی ہی کا سہی۔"

فریدی خاموش رہا لیکن حمید کو الجھن ہونے لگی۔ یہاں کسی میز پر بھی اُس کی دلچسپی کا کوئی سامان نظر آ رہا تھا۔ چاروں طرف مرد ہی مرد تھے۔

وہ بیٹھا بور ہوتا رہا لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ذہنی کسل دور ہوگیا کیونکہ اُس نے بار میں آرتھر کو داخل

ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔

فریدی نے جھک کر سگار سلگاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''ان کی طرف مت دیکھو۔''

''شکریہ.... آپ نے مجھے دیکھنے کی زحمت سے بھی بچالیا۔ مرد مجھ سے نہیں دیکھے جاتے خواہ کسی خوبصورت لڑکی کے باپ ہی کیوں نہ ہوں۔''

''تم کس قسم کی لڑکی سے شادی کرنا پسند کرو گے۔'' فریدی نے غیر متوقع طور پر سوال کیا۔

''ایسی جو چھ ماہ بعد ہی طلاق کا مطالبہ کرنے لگے۔'' حمید نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ بولا۔ ''آخر آج آپ میری شادی کے مسئلے میں کیوں دلچسپی لے رہے ہیں۔''

''تاکہ تم کچھ نہ کچھ بکتے رہو۔''

''یہ آرتھر اس وقت بھی سیاہ عینک لگائے ہوئے ہے لیکن یہ ہمیں پہچانتا ہی ہوگا۔''

''اچھی طرح۔''

''پھر یہاں کھلے عام ہمارے بیٹھنے کا کیا مقصد ہے۔''

''بس بیٹھے رہو۔''

''نہیں میں تو لیٹوں گا۔'' حمید جھلا گیا۔

لیکن اتنے میں اُس نے فریدی ہی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف جارہا لیکن چونکہ حمید سے کچھ نہیں کہا تھا اس لئے وہ بیٹھا ہی رہا۔ فریدی باہر جاچکا تھا۔

حمید نے اُس میز کی طرف نظر اٹھائی جہاں آرتھر اور اُس کے دونوں ساتھی بیٹھے تھے لیکن وہاں تین کے بجائے چار آدمی نظر آرہے تھے اور میز پر وہسکی کی دو بوتلیں بھی تھیں۔ سرو کرنے ویٹروں کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاروں مستقل گاہکوں میں سے ہیں۔

تمباکو کے دھوئیں اور شراب کی ملی جلی بو حمید کو پینے پر اکسا رہی تھی لیکن مشکل یہ تھی کہ اب کر چکا تھا کہ کبھی شراب نہ پئے گا۔

بیس منٹ گذر گئے لیکن فریدی واپس نہیں آیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اس حرکت کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ کیا وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ اکتاہٹ ہو کر کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جس کا ردعمل یقینی طور پر فریدی کیلئے سودمند ثابت ہو۔ اُسے ایسے کئی مواقع یاد تھے جب فریدی نے اُسے تذبذب میں ڈال دیا تھا اور اسی تذبذب کے عالم میں

حماقتیں سرزد ہوگئی تھیں لیکن اُن حماقتوں سے فریدی نے اس طرح فائدہ اٹھایا تھا جیسے اُسے حمید سے اس کی توقع رہی ہو۔

وہ سوچنے لگا اگر وہ کچھ کئے بغیر ہی یہاں سے اٹھ کر گھر کی راہ لے تو کیا ہو۔ لیکن اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ نہ تو کوئی حرکت کرے گا اور نہ یہاں سے اٹھے گا۔ خواہ آرتھر اور اُس کے ساتھی اٹھ ہی کیوں نہ جائیں۔

یہاں کا ماحول تھکا دینے والا تھا۔ اُسے حیرت تھی کہ آخر یہاں عورتیں کیوں نہیں دکھائی دیتیں جب کہ جزیرے کے دوسرے کیفے اور بار اُن سے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔

آرتھر اور اُس کے ساتھی بے تحاشہ پی رہے تھے اور اُن میں سے کوئی بھی حمید کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید نے پائپ سلگایا اور کرسی کی پشت سے ٹک کر ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ اُسے اس پر بھی حیرت تھی کہ ابھی تک کسی ویٹر نے اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔

دفعتاً وہ چونک پڑا۔ ایک آدمی نشے میں بہک رہا تھا۔ ''روڈل.... ڈوڈل.... ڈوڈلی.... ہی....!''

ایک تیز قسم کی کھرکھراہٹ سے ہال گونجنے لگا اور کاؤنٹر کے اوپر دیوار کے ایک بورڈ کے حروف روشن ہوگئے۔ ''براہِ کرم انسانیت کی حدود سے نہ گذریئے۔''

مگر شائد ''روڈل ڈوڈل'' کرنے والا اپنی کسی محبوبہ سے جھگڑا کرکے آیا تھا اُس پر اس روشن تحریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ ہوا میں مکا لہرا کر چیخا۔ ''انسانیت کی حد وہیں ختم ہوگئی تھی جہاں اُسے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔''

اس پیغمبرانہ جملے پر حمید کا دل چاہا کہ بیئر کے کسی بیرل میں چھلانگ لگا دے۔ مگر اب وہ بہکا ہوا شرابی کہہ رہا تھا۔ ''ڈوروتھی.... عورت نہیں کتیا ہے.... ہاہا.... کتیا کا بھی آفاقی اَدب میں ایک مقام ہے۔ اَدب میں آفاقیت نہ ہو تو کتیا.... زندہ باد....!''

اس ''زندہ باد'' پر دو چار ''زندہ بادیں'' اور بلند ہوئیں.... پھر ذرا ہی سی دیر میں مچھلی بازار بن گیا۔

اسی دوران میں حمید نے آرتھر اور اُس کے ساتھیوں کو اٹھتے دیکھا اور غیر ارادی طور پر وہ بھی اٹھ گیا۔ پھر خیال آیا کہ کچھ دیر پہلے اُس نے اس کے برعکس کچھ سوچا تھا۔ مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ اب تو اٹھ ہی چکا تھا۔

چاروں شائد بہت زیادہ پی گئے تھے۔ ان کی رفتار میں لغزش تھی۔ حمید اُن کے پیچھے چلتا رہا۔ اندھیرا پھیل چکا تھا اور سمندر کی بوجھل ہوا کے جھونکے اُسکے چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتا اور اُسے ہوا میں ملے ہوئے نمک کی شوریت محسوس ہوتی۔

وہ چلتے رہے.... گھاٹ کے قریب پہنچ کر حمید نے محسوس کیا کہ وہ دوستانہ انداز میں گفتگو نہیں کر رہے ہیں۔ اُن کی آوازیں آہستہ آہستہ بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اچانک اُن میں سے ایک نے دوسرے پر ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر تین آدمی بیک وقت ایک آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

حمید جہاں تھا وہیں رک گیا۔ گھاٹ ویران نہیں تھا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور انہیں الگ کر دیا گیا۔

حمید اُن میں دلچسپی لینے کی بجائے مجمع کو گھور رہا تھا اور اُسے فریدی کی تلاش تھی۔ وہ الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آخر فریدی کہاں گیا۔ اتنی دیر تک بار میں بیٹھنے کا کیا مقصد تھا۔ پھر اُسے کوئی ہدایت دیئے بغیر اس طرح اٹھ جانا۔

اچانک اُس نے آرتھر یا سنگرام کو مجمع سے الگ ہوتے دیکھا۔ یہاں کافی روشنی تھی اور حمید ہر ایک کو بہ آسانی دیکھ سکتا تھا۔ آرتھر شائد وہاں سے کھسک جانے کی فکر میں تھا۔

حمید نے بھی اُدھر ہی قدم اٹھائے جدھر آرتھر کا رخ تھا لیکن وہ جزیرے کے ایک ویران حصے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید چلتا رہا۔ آخر وہ بڑے ٹیلے کے قریب پہنچ کر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ یہاں بے شمار اونچے اونچے تودے بکھرے ہوئے تھے اور حمید اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تاروں کی چھاؤں میں وہ اُسے صاف دیکھ رہا تھا۔

لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ کسی خاص مقصد کے تحت اِدھر آیا ہے۔ اُس بھیڑ سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اِدھر کا رخ کیا تھا۔ آرتھر یا سنگرام پولیس سے دور ہی رہنے کی کوشش کرتا کیونکہ اُس کا پچھلا ریکارڈ اچھا نہیں تھا۔ لہٰذا ممکن ہے اس جھگڑے میں پولیس کی مداخلت کے خوف سے وہ اِدھر چلا آیا ہو۔

کچھ بھی ہو اُسے فریدی پر تاؤ آ رہا تھا اور یہ بھی کوئی نئی بات نہیں تھی اُسے دن میں متعدد بار فریدی پر تاؤ آتا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آرتھر پتھر پر لیٹ گیا اور حمید کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ ڈالے۔ آرتھر تو نشے میں

ٹھنڈی ہوا نے شائد نشہ اور زیادہ گہرا کر دیا تھا۔

مگر پھر حمید نے سوچا کہ اُس سے کہا کس نے تھا کہ وہ آرتھر کا تعاقب شروع کر دے۔

دفعتاً اُس کی نظر بڑے ٹیلے کی طرف اٹھ گئی اور اُسے جھپٹ کر دوسرے تودے کی اوٹ لینی پڑی ٹیلے پر ایک متحرک سایہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اُسے دیکھتا رہا۔ کوئی اوپر سے نیچے آ رہا تھا۔

نیچے پہنچ کر وہ رکا۔ چند لمحے کھڑا رہا۔ پھر ایک طرف چلنے لگا۔ حمید نے اپنے مخصوص انداز میں سیٹی اور سایہ رک گیا۔ اب حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ اندھیرے میں کسی آدمی کے چلنے کا انداز ریدی کا سا معلوم ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حقیقتاً فریدی ہی ہوگا۔ اُس نے سائے کو ایک ے کی اوٹ میں ہوتے دیکھا۔

حمید نے بھی اپنی پوزیشن تبدیل کی.... اور اب وہ کھسکتا ہوا اُس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر لیٹا ہوا تھا لیکن قبل اس کے کہ وہ اس تک پہنچ سکتا، سوئے ہوئے آرتھر کے چہرے پر روشنی کی ایک ی لکیر پڑی۔ سامنے والے تودے کے پیچھے کوئی موجود تھا۔ حمید جہاں تھا وہیں رہا۔ نہ تو اُس نے تودے کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جدھر سے روشنی آ رہی تھی اور نہ آرتھر کی طرف۔

روشنی آنی بند ہو گئی۔ آرتھر شائد بے خبر سو رہا تھا۔ آخر حمید اس آنکھ مچولی سے تنگ آ گیا۔ وہ سوچ ا کہ اب کچھ نہ کچھ ہو ہی جانا چاہئے ورنہ رات یونہی ختم ہو جائے گی۔

اُس نے جیب سے ریوالور نکال کر کہا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.... پولیس۔“

”ہائیں.... پپ.... پپ.... پولیس....!“ آرتھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر ہکلایا اور پتھر سے نیچے ک گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں ایک لمبی کراہ کے ساتھ اُس کے حلق سے گندی سی گالی نکلی۔

تودے کے پیچھے جو کوئی بھی تھا اب سامنے آ گیا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ حمید کڑک کر بولا۔

”اور اگر میں انکار کر دوں تو۔“ بہت ہی سرد لہجے میں جواب ملا اور حمید کی جان میں جان آئی۔ یہ ی ہی تھا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“ اُس نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا۔

”یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں۔“

”بکواس۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم اُن میں سے کسی کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک

چلئے آؤ۔ مگر اسے کیا ہوا۔"

"وہی جو زیادہ شراب پینے کے بعد ہوتا ہے۔" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔ اُس کا موڈ سوچ کر بہت زیادہ خراب ہوگیا کہ وہ فریدی کی دانست میں اتنی دیر سے جھک ہی مارتا رہا تھا۔

پھر پیو

آرتھر کو ہوش آنے پر محسوس ہوا کہ وہ کسی کمرے میں ہے۔ حالانکہ وہ فن آئی لینڈ کی ایک چٹان لیٹ کر سو گیا تھا۔ اُس نے پلنگ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور دروازے میں جو آدمی بھی اُسے نظر آیا وہ کم از کم اُس کے لئے کسی اچھے مستقبل کا پیغا نہیں ہوسکتا تھا۔ وہ اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا.... نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ ہمیشہ اُس سے دور ہی دور کی کوشش کیا کرتا تھا.... یہ کرنل فریدی تھا۔

"کیوں سنگرام.... کیا اب تم پوری طرح ہوش میں ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"آپ میرے خلاف کچھ ثابت نہیں کرسکیں گے۔" سنگران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اُوہو.... بڑی مصیبت ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "کیا میں ہر ایک کے پیچھے اس لئے پھرا کرتا کہ اُس کے خلاف کچھ نہ کچھ ثابت ہی کر ڈالوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ اُس کی نظر فریدی کے چہرے پر تھی لیکن فریدی کے چہرے پر اُسے بُرے نہیں دکھائی دیئے۔ وہ بہت ہی دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"تم وہاں بہت بُری حالت میں پڑے ہوئے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں سانپ ہی ڈ تو.... میں تمہیں یہاں اٹھا لایا۔ اب تم کہہ رہے ہو کہ میں تمہارے خلاف کچھ ثابت کردوں۔ ہاں اس سے تمہارا کوئی مرض دور ہوسکے تو میں یہ بھی کر گذروں گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ سعیدہ رحمان والے سلسلے میں مجھ پر شبہ کررہے ہیں۔"

"تم بڑے اچھے طالب علم ہو سنگرام۔ بیٹھ جاؤ۔ سوال کرنے سے پہلے ہی جواب تیار رکھتے ہو۔"

فریدی ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔

آرتھر بیٹھتا ہوا بولا۔ "آپ میرے خلاف کچھ نہیں ثابت کرسکتے۔ میرا پورا نام آرتھر سنگرام ہے۔"

"اور مونچھیں تمہاری اپنی ملکیت ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"قطعی.... مجھے پورا پورا حق حاصل ہے جب چاہوں رکھوں جب چاہوں صاف کرادوں۔"

"سنگرام تم بوکھلاہٹ میں بچوں کی سی اور مضحکہ خیز گفتگو کررہے ہو۔ اپنے حواس کو یکجا کرو۔ ہارے خلاف میں کچھ نہیں ثابت کرسکتا۔"

"تو پھر اس کا مطلب۔" سنگرام چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

اتنے میں ایک ملازم ہاتھوں پر ایک کشتی اٹھائے اندر داخل ہوا۔ کشتی میز پر رکھ دی گئی۔ اس میں سائیفن.... ایک گلاس اور اسکاچ کی بوتل تھی۔

ملازم باہر جاچکا تھا۔

"اپنی مدد آپ کرو۔" فریدی نے کشتی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ "حواس کو یکجا کرنے کے لئے ثابت ہوگی۔"

"آخر مقصد کیا ہے۔"

"اوہ.... سنگرام.... اچھی بات ہے۔ تم پھر اتنی ہی پیو۔ اتنے ہی مدہوش ہوجاؤ اور پھر میں تمہیں رے کی اُسی چٹان پر پھکوا دوں۔"

سنگرام کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ پلنگ ہی پر بیٹھا رہا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ شراب زہریلی ہے۔"

"نہیں....!"

"پھر.... تم پیتے کیوں نہیں۔"

"کرنل فریدی کا کوئی اقدام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"آپ مجھے اس کا مقصد بتا دیجئے۔"

"کیا واقعی تم اُس چٹان پر خودکشی ہی کی نیت سے لیٹے تھے۔"

"نہیں میں نشے میں تھا۔"

"چلو.... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کچھ اور پیو مگر اتنی نہیں کہ پھر ویسے ہی ہوجاؤ۔"

"اچھا پھر اس کے بعد آپ کیا کریں گے۔"

"تمہیں رخصت کردوں گا۔"

"میں کیسے یقین کرلوں۔" سنگرام نے کہا۔ مگر اب وہ میز کے قریب آ کر سائیفن سے سوڈا [illegible] رہا تھا۔ خالی سوڈے کا ایک گلاس چڑھا لینے کے بعد اس نے کہا۔ "میرے حواس یکجا نہیں ہو سکے۔"

"تھوڑی اسکاچ بھی لو۔ مجھے یقین ہے کہ تم اپنی حالت بہتر محسوس کرو گے۔"

"شکریہ۔" سنگرام نے تین انگل اسکاچ ناپ کر لی اور اس میں سوڈا ملانے لگا۔ تقریباً پانچ [illegible] تک کمرے پر بوجھل سکوت طاری رہا۔ سنگرام گلاس خالی کر کے ٹرے میں رکھ چکا تھا۔

فریدی نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "کیوں.... کیا.... اَب بھی تم بہتر محسوس کر رہے ہو۔"

"میں اب ٹھیک ہوں۔"

"لیکن زیادہ دنوں تک ٹھیک نہ رہ سکو گے۔ ابھی تک پولیس تمہارے خلاف کچھ نہیں ثابت [illegible] لیکن اب یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ حالات کیا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اگر اب تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔"

سنگرام کے چہرے پر ذہنی الجھن کے آثار نظر آنے لگے۔

"کیا آپ....!" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"کہو....!"

"کچھ نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔"

"مت کہو۔ یہ رعائت صرف رات بھر کے لئے ہے۔ آج کی رات میرے پاس تمہارے [illegible] کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن کل صبح کے لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔ صاف صاف کہئے۔"

"کچھ نہیں بھئی۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "اگر اس وقت نہ جانا [illegible] یہیں آرام کرنا۔"

"میں رات بھر میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"مگر پاگل ہونے سے پہلے مجھے یہ ضرور بتا دینا کہ تمہیں کہاں کے پاگل خانے میں رکھا جا[illegible]"

سنگرام نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ بند کر لئے۔ سچ مچ اُسکی آنکھوں سے دیوانگی جھانکنے لگی

فریدی نے اُسے غور سے دیکھا اور پھر بیٹھ گیا۔ لیکن وہ بڑے بے تعلقانہ انداز میں سگار سلگا رہا تھا۔

"آپ کل صبح میرے خلاف کیا ثابت کریں گے۔" سنگرام نے پوچھا۔

"اوہو.... تم ابھی تک اسی الجھن میں ہو۔ بیٹھو بیٹھو یہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر تم جیسا کوئی آدمی ہر وقت محتاط نہ رہے تو بڑی آسانی سے اس کی گردن پھنس سکتی ہے۔"

"خدارا مبہم قسم کی گفتگو نہ کیجئے۔"

"سنگرام! کیا یہ گفتگو تمہارے لئے مبہم ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تم ایسا کہہ رہے ہو۔ کیا تم آج کل غیر محتاط نہیں ہو۔"

سنگرام دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مختلف قسم کے خیالات نے اُس کے ذہن میں پراگندگی پیدا کر دی ہو۔

"کیا تم آج کل جس راستے پر چل رہے ہو ہمیشہ اُسی پر چلتے رہے ہو۔ آدمی کو اپنی لائن سے نہ ہٹنا چاہئے۔ یہ راستہ بلیک میلنگ سے زیادہ خطرناک ہے۔ تم تنہا رہ کر قانون کی گرفت سے بچے رہ سکتے ہو کیونکہ تم نے شروع سے اس کی مشق بہم پہنچائی ہے لیکن اس نئے راستے کے اناڑی مسافر۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تم اب اندھیرے میں نہیں رہے۔ کم از کم میرے لئے روشنی میں آ چکے ہو۔"

سنگرام کی ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکی ہوئی تھی اور وہ کسی خوفزدہ بچے کی طرح فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

فریدی کہتا رہا۔ "ان میں سے کون ہے جو میری نظر میں نہ ہو۔ صفدر، سعید، ماتھر، مورلی، رام سنگھ اور کتنے نام گنواؤں۔ میں ان سبھوں کو جس وقت چاہوں گرفت میں لے سکتا ہوں۔"

"م.... مجھے بھی.... کہنے دیجئے۔" سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"کہو! میں نے تمہیں روکا تو نہیں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"میں نادانستہ طور پر ان لوگوں کے چکر میں پھنس گیا ہوں۔ اور اب میری گردن اچھی طرح پھنس چکی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ مجھ سے بھی بڑا بلیک میلر ہے۔ اسکے پاس میرے خلاف واضح ترین ثبوت ہیں۔"

"تو اس نے تمہیں بلیک میل کیا ہے۔"

"جی ہاں.... میں اُس کے احکامات کی تعمیل پر مجبور ہوں۔"

"تم کب سے اُس کے لئے کام کر رہے ہو۔"

''چار ماہ سے۔''

''جیمس اینڈ بارٹلے کے یہاں کب سے ملازم ہو۔''

''ایک سال سے۔''

''سعیدہ سے دوستی کتنی پرانی ہے۔''

''ظاہر ہے کہ ہم دونوں ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے اس لئے وہاں جتنا پرانا میں ہوں اتنی ہی پرانی دوستی بھی ہوسکتی ہے۔''

''اس کے اغواء کا تمہیں علم ہے۔''

''نہیں....!''

''پھر تم ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کیا کام کرتے رہے ہو۔''

''مختلف قسم کے کام۔لیکن میں نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے....!''

''ارے چھوڑو....گردن پھنسانے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ڈاکٹر ڈریڈ کیلئے کام کرتے رہے ہو۔''

''میں یہ کب کہتا ہوں کہ آپ مجھے جہنم میں نہیں پہنچا سکتے۔لیکن اگر سعیدہ کا اغواء ڈریڈ ہی کی ذات سے تعلق رکھتا ہے تو مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے۔''

''ڈریڈ کے لئے تم سے کون کام لیتا ہے۔''

''ماتھر....!''

''اُس نے تم سے سعیدہ کے متعلق کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔''

''گفتگو....ٹھہریئے۔'' سنگرام نے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔''یوں تو ہم ہر وقت ہی اُس کے متعلق کچھ نہ کچھ گفتگو کرتے رہتے تھے۔میں دراصل آج کل ماتھر ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔''

''مجھے علم ہے....ہاں تو وہ گفتگو کس قسم کی ہوتی تھی۔''

''ماتھر کا خیال تھا کہ میں سعیدہ کو پھانس کر اُس سے شادی کرسکتا ہوں اور بھی ایسی ہی بہتیری باتیں جو سعیدہ سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی سوچتا ہوگا کیونکہ وہ اچانک اتنی مالدار ہوگئی تھی....اور غیر شادی شدہ تھی۔''

سنگرام خاموش ہوگیا۔فریدی اُسے اس انداز سے گھور رہا تھا جیسے اُس کی آنکھوں سے اُس کے بیان کی تصدیق کرنا چاہتا ہو....اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔''کیا تم بتا سکو گے کہ یہاں کے بڑے

دل میں سے کون کون اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔''

''میں صرف دو یا تین کو جانتا ہوں لیکن ویسے میرا خیال ہے کہ شہر کے سارے بڑے آدمی اُس لچپی لے رہے تھے۔سرمایہ دار طبقہ کے ہر جوان آدمی کی خواہش تھی کہ کسی طرح وہ سعیدہ کو حاصل نے میں کامیاب ہوجائے۔''

ریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔''کیا تم نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ ملاقاتیوں کے بہت احتیاط سے رکھا کرے۔''

''میرے خدا۔'' سنگرام یک بیک اچھل پڑا۔''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ہاں میں نے ہی اُسے یہ ہ دیا تھا۔''

''اور تمہیں اس کا مشورہ ماتھر نے دیا تھا....کیوں؟''

''یہ بھی صحیح ہے۔'' سنگرام نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔اُسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''اُس نے تمہیں یہ مشورہ کیوں دیا تھا؟''

''میری ہی لائن کی ایک اسکیم تھی۔'' سنگرام طویل سانس لے کر بولا۔''اُس کا خیال تھا کہ میں کے امیر طلب گاروں کی فہرست مرتب کروں اور ان کے متعلق چھان بین کرتا رہوں۔پھر جب سے کسی کی بات سعیدہ کے ساتھ پکی ہوجائے تو میں اُسے بلیک میل کروں۔سرمایہ داروں میں شائد ئی ایسا ہو جس میں کمزوریاں نہ ہوں۔ہوسکتا ہے کہ اُس کا ہونے والا شوہر بھی کسی ایسے جرم کا ب ثابت ہو جو اُسے سعیدہ کی نظروں سے گرا سکے۔لہٰذا ایسی صورت میں بلیک میلنگ کے بہترین ہاتھ آسکتے ہیں....ماتھر کی یہ تجویز بڑی شاندار تھی لیکن آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔سنگرام اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا لیکن فریدی نے اُسے نظر انداز کر کے ا۔''تو تم نے فہرست مرتب کرلی ہے۔''

''جی ہاں....!''

''کتنے آدمی ہوں گے۔''

''تین....!''

''مگر ابھی تم نے کہا تھا کہ تم دو یا تین آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتے۔''

''جی ہاں....یہ وہ تین آدمی ہیں جن کے متعلق میں چھان بین کرتا رہا ہوں۔''

"انہیں تین تک چھان بین کیوں محدود رکھی۔"

"کیونکہ انہیں سعیدہ پسند کرتی تھی۔"

"مجھے پوری فہرست چاہیئے۔" فریدی نے کہا۔

"دیکھئے! میرا ابھی یہی خیال ہے کہ انہیں لوگوں میں سے کسی کا ہاتھ اس اغواء میں ہے۔"

"ہاتھ تو تمہارا بھی ہوسکتا ہے سنگرام۔ تم اُسے اغواء کر کے کسی بڑے گاہک کے ہاتھ فروخ کر سکتے ہو کسی بہت بڑی قیمت پر۔"

"اگر آپ مجھ پر شبہ ہی کر رہے ہیں تو میں آپ کو ایک مشورہ دوں گا۔"

"کیا....؟"

"مجھے گرفتار کر کے اُس وقت تک بند رکھئے جب تک کہ سعیدہ کا سراغ نہ مل جائے۔"

"تم مجھ سے بھاگ کر جاؤ گے کہاں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "البتہ دوسری دنیا تک میری پہنچ ہو سکے گی۔"

"پھر آپ کا شبہ رفع کرنے کی دوسری صورت کیا ہوسکتی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ مجھے اُن لوگوں کی فہرست چاہیئے لیکن تم اس کا تذکرہ ماتھر سے نہیں کرو گے"

"میں وہی کروں گا جو آپ فرمائیں گے۔ فہرست کل شام تک آپ کو مل جائے گی.....لیکن فی الحال ڈریڈ سے روگردانی بھی میرے لئے مشکل ہوگی۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تم اُسے چھوڑ دو۔"

"مگر مجھے حیرت ہے جناب کہ آپ نے ڈریڈ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا۔"

"تم اس کے متعلق جانتے ہی کیا ہوگے۔ تمہارے فرشتوں کو بھی علم نہ ہوگا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

کمرے پر بوجھل سا سکوت طاری ہوگیا۔



حمید بہت دیر سے اُچھل کود رہا تھا۔ آخر فریدی کو کہنا ہی پڑا۔ "پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔!"

"پرویز اور قاسم کو لڑانے کی کوشش کیوں کی تھی۔"

"حقیقت معلوم کرنے کے لئے۔"

"کیسی حقیقت۔!"

"یہی کہ ان دونوں کا تعلق اس اغواء سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اگر یہ حرکت خود پرویز ہی کی ہوتی تو وہ بھی اس طرح چڑھ کر عاصم پر نہ جاتا اور اگر حقیقتاً عاصم کا ہاتھ اس میں ہوتا تو وہ رائفل لے کر پرویز پر نہ دوڑتا۔ چور کا دل ہی کتنا۔"

"مگر پرویز نشے میں تھا۔"

"اتنا زیادہ بھی نہیں کہ بُرے بھلے کی تمیز نہ رہ جاتی۔"

"مگر اُس نے اپنے بیان میں یہ نہیں لکھوایا کہ اس کا مشورہ کرنل فریدی نے دیا تھا۔"

"وہ احمق نہیں ہے۔ اتنا سمجھتا ہے کہ اس بیان پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے خود اس کی کہانی پر تمہیں یقین نہیں آیا۔"

"آپ کو آ گیا ہے۔"

"ہاں مجھے یقین ہے کسی نے اُسے آلہ کار بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"مگر کس طرح۔ ارے اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے کہ اُسے اس کے گھر سے پکڑ لے گئے۔ اُس کی خاطر مدارت کی۔ دولڑکیاں اس کی مرمت بھی کرتی رہیں اور سر بھی سہلاتی رہیں۔ یہ پرویز کا پٹھا مجھے ایبونی معلوم ہوتا ہے۔"

"سب کچھ جلد ہی روشنی میں آ جائے گا گھبراتے کیوں ہو۔"

"اچھا....! پچھلی رات آپ مجھے بار میں چھوڑ کر اُس ٹیلے پر کیوں جا چڑھے تھے۔ کیا مریخ میں پہنچنے کا ارادہ تھا۔"

"پچھلی رات بھی ڈریڈ ہی کا چکر تھا۔ مجھے باہر سے اشارہ ملا تھا کہ ایک تیز رفتار سفید کشتی جزیرے کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ بہرحال مجھے اتنی جلدی میں اٹھنا پڑا تھا کہ تم سے کچھ نہ کہہ سکا۔"

"پھر اُس کشتی کا کیا ہوا۔"

"وہ شائد اطلاع دینے والے کا واہمہ تھا۔ کشتی دراصل بحری فوج کی تھی۔ کچھ بھی ہو پچھلی رات کچھ نہ کچھ کام تو ہوا ہی تھا۔ سنگرام کے متعلق پہلے سے کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا تھا لیکن اُس سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ اس معاملے میں وہ کتنا اہم رول ادا کر رہا ہے۔ وہ وزیٹنگ کارڈ میرے ذہن میں بُری طرح کھٹک رہے ہیں جو ایک نامعلوم آدمی سعیدہ کے گھر سے

اڑا لے گیا تھا۔ وہ اتنے ہی اہم تھے حمید صاحب کہ اُس آدمی کو ایک پولیس انسپکٹر بن کر آنا پڑا تھا۔"

"ارے تو ان کی فہرست آپ کو مل ہی جائے گی۔"

"لیکن اس کے باوجود بھی شائد حقیقت تک پہنچنے میں دشواری ہو۔"

دوسری پلیٹ

سنگرام چار بجے اپنے آفس سے نکلا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا ریکسٹین اسٹریٹ پر مڑ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جلدی میں اُسے کہیں پہنچنا ہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر ایک پتلی سی گلی میں مڑا۔ اس کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔ لیکن اب اس کی رفتار سست ہو گئی تھی۔

یہاں دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں تھیں اور ان میں چھوٹے بڑے نئے پرانے منقش اور بدوضع دروازے نصب تھے۔ سنگرام ایک دروازے پر رک گیا۔ وہ مقفل تھا اُس نے قفل کھولا اور دروازے کو دھکا دے کر اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی تنگ قسم کے زینے تھے جن کا سلسلہ اوپر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے زینے طے کرنے لگا۔

زینے اُسے ایک کمرے میں لے گئے جہاں کے سامان سے کمرے کے مالک کی شکستہ حالی ظاہر تھی۔ ایک طرف ایک جھولدار پلنگ موجود تھا اور دیوار سے لگا ہوا ایک شلف رکھا تھا جس میں دو تین کتابوں کے علاوہ شیونگ کا سامان چائے کی چھوٹی پیالیاں سگرٹوں کے خالی پیکٹ اور دوسری چیزیں بھری ہوئی تھیں۔

ایک طرف ٹین کا ایک پرانا صندوق پڑا ہوا تھا اور گرد کی تہیں کہہ رہی تھیں کہ کمرے کو بہت دنوں سے استعمال نہیں کیا گیا۔

وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ کسی نے نیچے سے دروازے پر دستک دی۔ سنگرام سناٹے میں آ گیا کیونکہ شائد اس مکان میں اُس کے لئے پہلا موقع تھا جب اُس نے کوئی دستک سنی تھی۔ شائد اُس کا مستقل قیام یہاں نہیں رہتا تھا۔

دستک برابر جاری رہی۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اُسے اس طرح ہلا رہا تھا جیسے توڑ ہی ڈالے گا۔

سنگرام کو غصہ آ گیا۔ وہ دانت پیستا ہوا نیچے پہنچا اور ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک شکستہ حال آدمی کھڑا تھا جس کی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور گرم کوٹ چیتھڑوں کی شکل میں اُس کے جسم

پر جھول رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے اپنے بائیں ہاتھ سے دائیں جیب کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا داہنا ہاتھ جیب میں تھا اور جیب سے ریوالور کی نال جھانک رہی تھی۔

سنگرام آنکھیں پھاڑے اُسے گھور رہا تھا۔ یہ ایک متوسط قد کا آدمی تھا اور اُس کے چہرے پر ڈاڑھی اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے کسی ویران زمین پر جھاڑیاں اُگ آئی ہوں۔ بے ترتیب اور الجھی ہوئی اُس نے سنگرام کو اوپر چلنے کا اشارہ کیا۔

سنگرام کی نظر پھر جیب سے جھانکتی ہوئی نال پر پڑی اور وہ زینوں کی طرف مڑ گیا۔ پھر اُس نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی لیکن دیکھنے کے لئے مڑا نہیں۔

اوپر پہنچ کر اُس نے اجنبی کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"مقصد کیا ہے.... دوست....!"

لیکن اُسے جواب میں غیر متوقع طور پر غیر ملکی لہجے میں انگریزی سننی پڑی۔ اجنبی کہہ رہا تھا۔ "ہم انگریزی ہی میں گفتگو کریں گے۔ تم انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہو۔"

"ہاں.... چلو انگریزی ہی سہی۔ مگر اس کا مقصد"

"میں فنچ ہوں۔" اجنبی نے کہا۔

"تب تم بھوت ہو۔" سنگرام نے ہنس کر کہا۔ "ڈریڈ کے مرنے والے آدمیوں میں سے ایک نے تمہاری بہت زیادہ لمبائی کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکن تم اس وقت متوسط قد کے ہو۔ لیکن عام حالات میں تمہارا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔"

"تم اس کی پرواہ مت کرو۔" اجنبی نے کہا۔ "اس صندوق کو کھول کر سفری ٹرانسمیٹر نکالو۔"

"کیا مطلب....!" سنگرام اُسے گھورنے لگا۔

"تمہیں مطلب سے غرض نہ ہونی چاہئے۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ ورنہ نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"سنو! اگر تم واقعی فنچ ہو تو مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ پھر میں ٹرانسمیٹر بھی نکال لوں گا۔"

"چہرہ.... اچھا دیکھو....!" اجنبی نے اپنے بکھرے ہوئے بالوں میں انگلیاں دوڑائیں اور دوسرے ہی لمحے میں ڈاڑھی سر کے بالوں سمیت کسی پھل کے چھلکے کی طرح چہرے سے الگ ہو گئی۔

سنگرام ایک بار پھر سناٹے میں آ گیا۔ فنچ کے حلیے کے متعلق اُس نے جو کچھ بھی سنا تھا اُس میں کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی جھریایا ہوا چھوٹا سا چہرہ۔ ننھی ننھی چمکدار آنکھیں اور بندروں کی سی پیشانی۔"

''لیکن فنچ کا یہاں کیا کام۔''

''ہاہا....!'' فنچ نے قہقہہ لگایا۔ ''اگر یہاں کوئی کام نہیں ہے تو تم فنچ میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔''

سنگرام کچھ نہ بولا۔ وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''فضول ہے۔'' فنچ نے کہا۔ ''صندوق کھولو۔''

سنگرام جھک کر صندوق کھولنے لگا۔ فنچ کی چمکیلی آنکھیں اُس پر سے ایک لحظہ کے لئے بھی نہ ہٹیں۔ سنگرام نے ٹرانسمیٹر نکال کر صندوق پر رکھ دیا۔

''ڈاکٹر ڈریڈ سے کہو کہ سعیدہ رحمان والا معاملہ فنچ کو معلوم ہے اور وہ اس سلسلے میں اپنا بھلا بھی چاہتا ہے۔ ورنہ اس دور دراز ملک میں وہ بیچارا اپنے جسم اور روح میں رابطہ کس طرح قائم رکھے گا۔''

''اوہ.... تو کیا یہ حقیقت ہے کہ ڈریڈ اس کا ذمہ دار ہے۔''

''چلو....!'' فنچ نے آگے بڑھ کر ریوالور کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھ دی اور پھر بولا۔ ''اُس سے کہہ دینا کہ تم ماتھر کے یہاں سے بول رہے ہو۔''

سنگرام نے ٹرانسمیٹر میں کہنا شروع کیا۔ ''ہلو.... ہلو.... ڈی ڈی پلیز.... سکس تھری.... اسپیکنگ....!''

''ہلاؤ....!'' ایک بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

''میری کنپٹی پر فنچ کا ریوالور رکھا ہوا ہے۔ میں ماتھر کے یہاں سے بول رہا ہوں۔''

''ماتھر کہاں ہے۔''

''وہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ فنچ کہتا ہے کہ سعیدہ رحمان والے معاملے میں اس کا بھی بھلا ہونا چاہئے۔''

''وہ خود کیوں نہیں بولتا۔''

''ہٹ جاؤ۔'' فنچ نے سنگرام کو ایک طرف دھکا دیا لیکن ریوالور کی نال بدستور اُسکی کنپٹی سے لگی رہی۔

''فنچ اسپیکنگ۔''

دوسری طرف کسی درندے کی سی غراہٹ سنائی دی۔ ''کیا بک رہے تھے تم۔''

''دنیا کا یہ حقیر ترین چیونٹا تمہیں تیسری بار آگاہ کرتا ہے کہ تمہاری موت اُسی کے ہاتھوں واقع ہوگی۔''

دوسری طرف سے ایک تضحیک آمیز سی ہنسی کی آواز آئی۔

''اور.... سعیدہ رحمان والے قصے میں مجھے معقول حصہ ملنا چاہئے ورنہ میں سارا طلسم توڑ دوں گا۔''

''فنچ....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''ابھی تک میں تجھے صرف ایک سرکس کا مسخرہ سمجھ کر معاف کرتا رہا مگر اب....!''

''میں زیادہ باتیں کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' فنچ نے بندروں کی طرح دانت نکالے۔ ''اگر تم نے اس معاملے میں میرے حصے کا خیال نہ رکھا تو بھگتو گے۔ تمہارا ایک ایک آدمی میری نظروں میں ہے.... اُوور....!''

فنچ ٹرانسمیٹر کے پاس سے ہٹ آیا۔ دوسری طرف سے بھی کوئی آواز نہیں آئی۔

''اب کیا ارادہ ہے۔'' سنگرام نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر پوچھا۔

''کچھ نہیں.... اب تم آرام کرو۔'' فنچ کے غیر متوقع طور پر اُسکے سر پر ریوالور کا کندہ رسید کر دیا۔

سنگرام نے لڑکھڑا کر سنبھلنا چاہا لیکن دوسرا ہاتھ پڑا اور وہ چکرا کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پہلے تو اُس کمرے میں کالے کالے گنجان دائرے سے چکراتے معلوم ہوئے اور پھر گہرا اندھیرا چھا گیا۔



کیپٹن حمید ہائی سرکل نائٹ کلب میں بیٹھا سارجنٹ رمیش سے دنیا کی بدترین عورتوں کے متعلق گفتگو کر رہا تھا۔ مقصد شام کی تفریح نہیں تھا بلکہ وہ ڈریڈ کے ایک ساتھی صفدر کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ ہوسکتا ہے فریدی کے علاوہ فنچ بھی اُس کی اصلیت سے واقف رہا ہو ورنہ عام آدمی تو اُسے کسی بڑی فرم کا کوئی کمیشن ایجنٹ سمجھتے تھے۔ وہ ایک خوش پوش اور بظاہر شائستہ آدمی تھا لیکن نہ خوش پوشی شرافت کا معیار ہے اور نہ شائستگی۔ بہرحال وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے تھا اور آج فریدی نے حمید کو اس کے پیچھے لگا دیا تھا۔ لیکن حمید کو مقصد کا علم نہیں تھا۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ ڈریڈ کے ساتھیوں میں سے ہے۔

صفدر شہر کے ایک بڑے آدمی کے ساتھ تھا اور اُن کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دوستوں کی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہوں۔ حمید ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا کیونکہ وہ اُس کے پیچھے والی میز پر تھے۔

کچھ دیر بعد اُسے لیڈی انسپکٹر ریکھا اور قاسم نظر آئے۔ وہ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ ریکھا کو قاسم کے ساتھ دیکھ کر حمید کو بڑی حیرت ہوئی اور رمیش نے بھی تعجب ظاہر کیا۔ لیکن وہ دونوں خاموش

بیٹھے رہے۔ قاسم اور ریکھا نے انہیں دیکھ تو لیا تھا لیکن ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے۔

حمید کھٹک گیا۔ وہ اس کی میز کے قریب ہی کی ایک میز پر آ بیٹھے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے ا طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ریکھا عموماً اُسے زک دی تاک میں رہا کرتی ہے۔

قاسم نے شائد کھانے کا آرڈر دیا تھا کیونکہ اُس کی میز سے ایک میز اور ملائی جا رہی تھی۔ اُس کھانے کا آرڈر عموماً اتنا ہی لمبا ہوا کرتا تھا کہ کم از کم دو میزیں یقینی طور پر بھر جاتی تھیں۔

ریکھا اور وہ دونوں آہستہ آہستہ گفتگو کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف حمید اور رمیش ا آوازوں میں بول رہے تھے۔ لیکن اب بھی اُن میں سے کوئی بھی ریکھا یا قاسم سے مخاطب نہیں ہوا یہی حالت اُن دونوں کی بھی تھی۔

مگر حمید غافل نہیں تھا وہ سمجھتا تھا کہ ریکھا کی موجودگی یقینی طور پر کسی نہ کسی فتنے کا پیش خیمہ ہے قاسم کی میزوں پر پلیٹیں لگائی جانے لگی تھیں اور ریکھا اُس سے ہنس ہنس کر گفتگو کر رہی تھی۔ ت بچھا جا رہا تھا۔ اُس کے ہر انداز سے مترشح تھا کہ یہیں اسی جگہ "قربان" ہو جائے گا۔

دونوں نے کھانا شروع کیا۔ لیکن حمید کی نظریں برابر قاسم کی طرف لگی رہیں۔

اچانک وہ بے تحاشہ اپنی میز پر اوندھا ہو گیا اور چاول کی ایک بڑی پلیٹ اُس کے اوپر سے گذ ہوئی صفدر کے منہ پر پڑی۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ میز تو الٹ ہی گئی جس پر صفدر تھا۔ لوگ چاروں طرف سے اٹھ اب حمید نے دیکھا تو ریکھا رفو چکر ہو چکی تھی اور قاسم حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور منہ میں ٹھنسے ہوئے چاول اُس کی گود میں گر رہے تھے۔

"اب کیا سچ مچ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" صفدر کا ساتھی گرج رہا تھا۔ "اُس دن پرویز پلیٹ پھینکی تھی..... اور آج.....!"

"قاسم بدستور بیٹھا رہا اور اُس کے کھلے ہوئے منہ سے چاول گرتے رہے۔ حمید اور رمیش درمیا کی میز سے اٹھ گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا۔" رمیش نے آہستہ سے پوچھا۔

"گول رہو۔" حمید نے جواب دیا اور رمیش کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے نکالتا ہوا سہوں کے

پیچھے آ گیا۔

"پولیس.....!" صفدر کا ساتھی دہاڑا۔ "پولیس کو فون کرو۔"

پولیس کا نام سن کر قاسم جلدی جلدی منہ چلانے لگا اور پھر بچے کھچے چاولوں کو حلق سے اُتار کر ہکلایا۔ "پپ..... پولیس ہی نے پلیٹ..... پھکوائی تھی۔"

"پاگل خانے بھجواؤ۔" بیک وقت کئی آوازیں آئیں۔

"قون سالا..... بھجوائے غا۔" قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا اور اسطرح اچھلتے وقت دونوں میزیں الٹ گئیں۔ قریب کے دو چار لوگ اگر بڑی پھرتی سے پیچھے نہ ہٹ گئے ہوتے تو انکا زخمی ہو جانا لازمی تھا۔

اتنے میں دو تین کانسٹیبل ہال میں گھس آئے۔ شائد منیجر نے سڑک پر سے ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو بلوا لیا تھا۔

"کھسک چلو اب یہاں سے ورنہ بدنامی ہو گی۔" حمید آہستہ سے بولا۔

اور وہ دونوں چپ چاپ باہر نکلے آئے۔

"یہ ریکھا کی بچی بڑی چالاک بنتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"کیا اُسی نے اُس کو اکسایا تھا۔" رمیش نے پوچھا۔

"قطعی..... وہ پلیٹ دراصل مجھ پر پھینکی گئی تھی۔"

"آہا.....!" رمیش ہنس پڑا۔ "اسی لئے وہ کھسک بھی گئی۔"



دوسری صبح کے اخبارات نے قاسم کو سچ مچ پاگل قرار دے دیا۔ کیونکہ اُس کی سنائی ہوئی کہانی پر کسی کو یقین نہیں آیا تھا۔ کون باور کر لیتا کہ لیڈی انسپکٹر ریکھا نے کیپٹن حمید پر چاول کی پلیٹ پھکوائی ہوگی۔ بعض اخبارات نے قیاس آرائی بھی کی تھی کہ سعیدہ رحمان کے اغواء میں حقیقتاً قاسم ہی کا ہاتھ رہا ہے۔ اسی لئے اب وہ دوسروں پر بھی پلیٹیں پھینک پھینک کر خود کو پاگل ثابت کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اُسی شام کے ایک اخبار نے پرویز کا بیان شائع کر دیا۔ جو اپنی نوعیت کا ایک ہی تھا۔ پرویز نے کہا تھا۔

"نہ قاسم پاگل ہے اور نہ میں ہی دیوانہ ہوں۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ محکمہ سراغ رسانی کے سب سے مشہور آفیسر کرنل فریدی کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کیا میری اس کہانی پر کسی کو یقین آئے گا کہ اُسی آفیسر نے مجھے شراب

بلا کر خان بہادر عاصم کی کوٹھی پر بھیجا تھا اور ہدایت کی تھی کہ میں عاصم صاحب کی جتنی بے عزتی کر سکتا ہوں کروں۔ کوئی نہیں یقین کرے گا.....اخبارات اس بیان پر بھی شبہ ظاہر کریں گے اور ہو سکتا ہے کہ کوئی جیالا یہ بھی لکھ ڈالے کہ اس طرح میں اور قاسم سعیدہ رحمان کو بانٹ کھانا چاہتے ہیں۔ مگر میں محکمہ سراغ رسانی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس دیوانگی کا مطلب سمجھایا جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ مجھے آگے کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے۔''

کرنل فریدی نے اس بیان کو پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ ''ریکھا نے سچ مچ پچھلی رات ایک بڑا شاندار کارنامہ انجام دیا۔''

''اس پر حمید کے تلوؤں سے لگی اور سر پر بجھی۔'' اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''اگر یہی حرکت مجھ سے سرزد ہوتی تو میں پرلے سرے کا گاؤدی اور گھامڑ قرار دیا جاتا۔ ریکھا.....ریکھا ہی ٹھہری۔ میں اس کی طرح لچک کر نہیں چل سکتا۔ نگاہوں سے بجلیاں نہیں گرا سکتا۔ اس طرح نہیں مسکرا سکتا کہ بہاریں لہلہا اٹھیں۔''

''بہاریں نہیں کھیتیاں لہلہایا کرتی ہیں فرزند.....!''

''سند ہے۔ اردو کے عظیم شاعر فراق نے کہا ہے ۔بہار جیسے لہلہائے.....ویسے لہلہانا بجائے خود ایک مضحکہ خیز لفظ ہے۔''

''میں الفاظ پر بحث کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''تو میں ریکھا کی شان میں قصیدے ہی پڑھتا رہوں۔ اچھا تو سنئے۔''

''بس.....!'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''بکواس نہیں۔''

''کیا مصیبت ہے۔ شاعری پیش کردوں تو لکھواس ہے۔ نثر میں کچھ کہنا چاہوں تو بکواس ہے آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔ کتوں کی طرح بھونکا کروں یا گدھوں کی طرح رینکا کروں۔''

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کے سامنے سنگرام سے ملی ہوئی فہرست پڑی تھی۔

''تو یہ آدمی تھا پچھلی رات صفدر کے ساتھ۔'' اُس نے ایک نام پر پنسل سے نشان لگاتے ہوئے کہا۔ ''اس بُری طرح ماروں گا کہ ڈاکٹر ڈریڈ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''ہائیں تو کیا سچ۔ اس اغواء میں اُسی کا ہاتھ ہے۔ مگر وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے؟''

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں۔ بہت بڑا فائدہ۔''

لڑکی اور لاش

لیڈی انسپکٹر ریکھا نے قاسم کا بیان جھٹلا دیا اور فریدی نے پرویز کا۔ کئی دن تک اخباری بحثیں چلتی رہیں اور پھر سناٹا ہو گیا۔ فریدی نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے ذمہ دار قاسم اور پرویز دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے ان دونوں نے مل کر کوئی اسکیم بنائی ہو۔

لیکن صفدر نے قاسم کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی تھی۔ حمید کیلئے یہ چیز باعث حیرت تھی۔ ویسے وہ جانتا تھا کہ جب تک فریدی کی زبان نہیں کھلے گی اُس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے ہی رہیں گے۔

اور اب تو اُسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی اپنا زیادہ تر وقت کہاں گذارتا ہے وہ صبح آفس جاتا آفس سے جو غائب ہوتا تو پھر کافی رات گئے گھر پر ملاقات ہوتی۔ آج کل نہ وہ حمید کو کسی بات پر ٹوکتا تھا اور نہ اس سے کوئی کام ہی لیتا تھا۔ غالباً اُسے اُس کو ٹوکنے کی فرصت ہی نہیں تھی۔

حمید چین کر رہا تھا۔ راوی عیش لکھتا تھا ان دنوں۔

اور انہیں دنوں کی بات ہے کہ شہر میں فیشن ایبل بکروں کی بہتات ہو گئی تھی۔ کالجوں کے طلباء نے بکرے پالنے شروع کر دیئے تھے اور انہیں ان کے جدید ترین لوازمات سمیت ساتھ لئے پھرا کرتے تھے۔ یہ بکرے کبھی کبھی سڑکوں پر لڑ پڑتے اور ٹریفک بند ہو جاتا۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ یہ بکرے آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتے اور اُن کے مالکوں کو خوانچہ فروشوں اور حلوائیوں کو تاوان بھی ادا کرنا پڑتا۔ مگر فیشن ایبل بکروں کی تعداد میں کمی نہیں ہوتی تھی۔

بہتیرے شرفا نے فلٹ ہیٹ پہننا اور ٹائی لگانا چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ایسی حالت میں بکروں سے آنکھیں نہیں چار کر سکتے تھے۔ ان بیچاروں کے پاس اتنے عمدہ فلٹ اور ٹائیاں نہیں تھیں کہ وہ بکروں کی سج دھج کا مقابلہ کر سکتے۔

وہ صرف اتنا ہی کر سکتے تھے کہ کیپٹن حمید کو بددعائیں دیتے رہیں جس سے یہ چلن نکالا تھا۔ سینما ہال اور دوسری تفریح گاہوں کے منتظمین تو اُسے اٹھتے بیٹھتے گالیاں دیا کرتے تھے کیونکہ فیشن ایبل بکروں کی وجہ سے بعض اوقات انہیں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ طلباء مصر ہوتے کہ اُن کے ساتھ اُن کے بکرے بھی راجکپور کی بے ہنگم اچھل کود سے محظوظ ہونے کا پورا پورا حق رکھتے ہیں وہ بھی

فلموں میں پیش کئے جانے والے سماجی مسائل پر سنجیدگی سے جگالی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی اُس غزا
آنسو بہانا چاہتے ہیں جو ہر فلم کی ہیروئن محبوب سے بچھڑ جانے پر سیاہ کپڑے پہن کر سناتی ہے۔

انہیں دنوں کی ایک شام کا ذکر ہے کہ حمید اپنے بکرے سمیت فریدی کی ایئر کنڈیشنڈ لنکن میں
کر رہا تھا۔ بکرا پچھلی نشست کی کھڑکی سے سر نکالے ان بکروں پر حقارت بھری نظریں ڈالتا جا رہا
اُس کی طرح ایئر کنڈیشنڈ گاڑیوں میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اچانک ایک خونخوار قسم کا السیشن کا
پیچھے دوڑنے لگا۔ چونکہ یہ شہر کی ایک بھری پُری سڑک کا واقعہ تھا اس لئے حمید کار کی رفتار تیز نہ کر سکا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کتے نے بکرے پر جھپٹا مارا۔ بکرے نے بوکھلا کر سر اندر کرنا چاہا لیکن اس
سینگیں کھڑکی کے اوپری حصے سے لگ کر رکاوٹ بن گئیں۔ وہ بڑی کربناک آواز میں چیخا اور حمید
کار سڑک کے کنارے لگا کر روک دی۔ کتا آدھے دھڑ سے کار میں گھس آیا اور بکرے نے کسی سہمی
محبوبہ کی طرح حمید کے بائیں شانے پر تھوتھنی رکھ دی۔

حمید نے کتے کے سر پر ایک زوردار گھونسہ رسید کر دیا اور کھڑکیوں کے شیشے چڑھا کر کار سے
اتر آیا۔ کتا اب بھی اچھل اچھل کر کار پر حملے کر رہا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ کئی راہ گی
رک گئے تھے۔ ان میں ایک آدھ بکروں کے ہمدرد بھی تھے۔ انہوں نے حمید سے کہا بھی کہ اُسے
فاشی کتے کے خلاف کوئی سخت کاروائی کرنی چاہئے لیکن حمید شائد کتے کے مالک کا منتظر تھا۔

یہ ایک اونچا السیشن کتا تھا اور اُس کے گلے میں پڑے ہوئے پٹے اور پیتل کے میونسپل پاس
ظاہر تھا کہ وہ کسی بڑے گھرانے کا فرد ہے۔

دفعتاً ایک چھوٹی سی کار وہاں آ کر رکی اور ایک ادھیڑ عمر کی سفید فام عورت کتے کو آواز دیتی
کار سے اُتر آئی۔

''معاف کیجئے گا۔'' عورت نے حمید سے کہا۔ ''یہ کتا کار سے کود کر بھاگا تھا۔''

لیکن جیسے ہی اُس کی نظر حمید کی گاڑی میں بیٹھے ہوئے بکرے پر پڑی وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی۔
حمید کو اب بکرے کتے اور اُس بوڑھی عورت سے کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی کیونکہ عورت کی کار کی پچھلی نش
پر اُسے سنگرام نظر آ گیا تھا اور اُس کے برابر بیٹھی ہوئی لڑکی بلاشبہ بے حد حسین تھی لیکن وہ بھی غیر مل
تھی۔ سنگرام حمید کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا اس طرح دیکھ لیا جانا اُسے پسند نہ آیا ہو۔
بوڑھی عورت کتے کا پٹہ پکڑے ہوئے اُسے اپنی کار کیطرف لے جا رہی تھی۔ اُسکی کار روانہ ہو

کی کے پاس ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ حمید نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کی اور اسی کے پیچھے چل پڑا۔
کچھ دیر کے بعد وہ کار آرلکچو کی کمپاؤنڈ میں رکی۔ سنگرام کے ساتھ وہ لڑکی بھی اُتری۔ وہ تینوں
میں داخل ہوئے۔ کتے کو کار میں بند کر دیا گیا تھا۔ حمید نے اپنی کار اُسی کے قریب کھڑی کر دی اور
تر کر کار کو مقفل کر دیا۔ کتا دوسری کار میں بے بسی سے اچھل کود رہا تھا اور بکرے نے کچھ اس انداز
سنجیدگی سے جگالی شروع کر دی تھی جیسے ''بچوں کی باتوں کا بُرا نہیں مانا کرتے۔''

حمید نے ہال میں قدم رکھتے ہی چاروں طرف دیکھا لیکن اُن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ریکریئشن ہال سے
قی کی مدہم سی آواز آ رہی تھی۔ حمید کے قدم اُدھر ہی اٹھ گئے۔ ممکن ہے وہ ریکریئشن ہال ہی میں ہوں۔
اس کا خیال صحیح نکلا۔ وہ وہیں تھے۔ حمید نے انہیں بائیں جانب والی گیلری میں بیٹھے دیکھا اور خود
اُسی طرف چل پڑا۔ ان کے قریب ہی کی ایک میز خالی تھی۔ حمید نے سنگرام پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی
سی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ سنگرام کی پشت اس کی طرف ہو گئی تھی مگر وہ لڑکی سامنے ہی تھی۔ حمید پائپ میں
بھرنے لگا۔ مگر لڑکی بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ وہاں بیٹھنا نہیں
تی۔ اُس کے برخلاف بوڑھی عورت کا چہرہ بہت پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظر ایک بار حمید کی
اٹھی۔ اس کے ہونٹ خفیف سے کھلے اور پھر وہ بے اختیار مسکرا پڑی۔ حمید نے اُسے آگے جھک
ہنہ سے کچھ کہتے دیکھا اور لڑکی اُسے غور سے دیکھنے لگی لیکن سنگرام اُس کی طرف نہیں مڑا۔

بوڑھی عورت حمید میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اُس سے گفتگو
نے کے لئے بے چین ہو۔ ان کی میزوں میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

دفعتاً بوڑھی عورت نے کہا۔ ''اگر آپ تنہا ہوں تو اس میز پر آ جائیے۔''

''اوہ شکریہ.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔ اس کی دانست میں اس کی ٹیلی پیتھی کام آ گئی تھی۔

وہ بوڑھی عورت کے قریب بیٹھ گیا۔ سنگرام کچھ نروس سا نظر آنے لگا تھا جس کی وجہ کم از کم حمید کی
سمجھ میں آ گئی کیونکہ سنگرام اس سے پہلے ہی فریدی کی لسٹ پر آ چکا تھا اور اسے اس کا علم بھی تھا۔

''آپ کی کار میں بکرا دیکھ کر مجھے بڑی ہنسی آئی تھی۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''لیکن آپ کی کار میں کتا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔'' حمید بولا۔ ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ لوگ کتا
پالتے ہیں۔''

''اچھا مجھے فی الحال اجازت دیجئے۔'' سنگرام بول پڑا۔ ''میں طبیعت میں کچھ گرانی محسوس کر رہا ہوں۔''

"اوہ بیٹھئے نا۔" بوڑھی عورت بولی۔

"کچھ دیر کے لئے کھلی ہوا چاہتا ہوں۔ پھر میں واپس آ جاؤں گا۔" سنگرام نے کہا اور جواب انتظار کئے بغیر اٹھ گیا۔ حمید اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ اب اُس چہرے پر اضطراب کے آثار نہیں تھے۔

"یہ واقعی ایک دلچسپ جدت ہے۔" بوڑھی عورت نے حمید کو مخاطب کیا۔

"آپ کیا کرتے ہیں۔"

"میں ایک طالب علم ہوں۔"

"یہ میری بھتیجی سارہ ٹرگس ہے۔" بوڑھی نے لڑکی طرف دیکھ کر کہا۔

"اور میں حمید ہوں۔" حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ دونوں نے رسمی جملے ک سیدھے بیٹھ گئے۔

حمید نے بوڑھی سے کہا۔ "اب پڑھے لکھے لوگ عام طور پر بکرے پالنے لگے ہیں اور بکر قیمتیں اونچی ہوگئی ہیں۔"

"میں نے اکثر نوجوان کے ساتھ بکرے دیکھے ہیں۔ مگر میں کسی نہ کسی سے اس کا مقصد کرنے کے لئے بیتاب تھی۔"

"بکرا پالنے سے دراصل بچت ہوتی ہے۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کیونکہ گوشت مقابلے میں گھاس بہت سستی ملتی ہے۔ کتا پالئے تو گوشت کا مسئلہ۔ پھر اُسے روزانہ نہلایئے دھلا بکرے کو کبھی نہ نہلایئے۔ اُسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کہیں سفر میں ہوں اور کھانے کو کچھ بکرے کو ذبح کیجئے اور نہایت اطمینان سے کباب لگایئے۔ آپ روزانہ کتے کا پیٹ بھرتی ہیں وہ آپ کے لئے ایک وقت کا بھی کھانا مہیا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں.... اور پھر بکرے کی صحبت آ اور بردبار بناتی ہے۔"

لڑکی بھی ہنس پڑی اور حمید دل ہی دل میں اپنے بکرے کو دعائیں دیتا رہا۔

"آپ بہت دلچسپ نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔"

"بس نوجوان معلوم ہی ہوتا ہوں ورنہ بکرے کی صحبت نے مجھے سقراط بنا دیا ہے۔"

"آپ واقعی بے حد دلچسپ ہیں۔" لڑکی نے ہنستے ہوئے پہلو بدلا۔

"مجھے آج تک اس کا احساس نہیں ہوسکا۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مگر مجھے افسوس ہے کہ میرے آتے ہی آپ کے ایک ساتھی یہاں سے اٹھ گئے۔"

"اوہ... اس کی فکر نہ کیجئے۔" لڑکی مسکرائی۔ "مجھے دراصل نئے دوست بنانے کا بے حد شوق ہے۔"

"اگر آپ ایک بکرا پال لیں تو روزانہ نئے دوستوں کی تلاش میں زحمت نہ اٹھانی پڑے۔"

"وہ کیسے.... آپ تو مدلل گفتگو کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔"

"جی... لیکن اس کے لئے میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ویسے میں محسوس یہی کرتا ہوں۔ جب سے بکرا ہاتھ آیا ہے میں نے دوست بنانا ترک کر دیا ہے۔ گھر سے بہت کم نکلتا ہوں۔ جب میں اداس ہوتا ہوں تو مجھے اس کی آنکھوں میں اپنا مستقبل نظر آتا ہے۔ ان میں بہاریں رقص کرتی ہیں.... دراصل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی سرگوشیوں میں کہہ رہا ہو یہی تمہاری منزل ہے واپس آ جاؤ.... واپس آ جاؤ۔ پھر میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجتی ہیں۔ ہلکی ہلکی مترنم گھنٹیاں.... جو کبھی لوریاں بھی معلوم ہوتی ہیں اور میں اس کی سینگوں پر سر رکھ کر سو جاتا ہوں۔"

حمید بڑے رومانی انداز میں بک رہا تھا اور وہ دونوں ہنس رہی تھیں۔

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوگئی۔ حمید نے لڑکی سے رقص کی درخواست کی۔

"پہلے جا کر بکرے سے پوچھ آیئے۔" لڑکی کہتے کہتے ہنس پڑی۔

"چونکہ میں اس کے ساتھ رقص نہیں کر پاتا اس لئے اُس نے اجازت دے رکھی ہے۔ کئی بار میں نے کوشش کی ہے کہ اُسے اس ڈھب پر بھی لے آؤں لیکن وہ سیدھا کھڑا ہونے سے انکار کر دیتا ہے۔"

لڑکی ہنستی ہوئی کھڑی ہوگئی اور وہ رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ گئے۔ حمید کا دماغ چوتھے آسمان پر تھا۔

کچھ دیر تک وہ خاموشی سے ناچتے رہے پھر لڑکی نے کہا۔ "ہمارے ساتھ جو یہ آدمی تھا کیا آپ اُسے جانتے ہیں۔"

"نہیں تو.... میں کیا جانوں۔ اگر ہم دونوں ایک دوسرے کو جانتے تو وہ کبھی اس طرح اٹھ کر نہ جاتا۔" حمید نے جواب دیا۔

"معاف کیجئے گا۔ آپ بھی بار بار اُسے گھور رہے تھے۔ ویسے وہ بھی آپ کو دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔"

"کبھی مجھے اس کا احساس نہیں ہوسکا۔ ممکن ہے آپ درست کہہ رہی ہوں۔"

"آپ مجھے نہیں بتانا چاہتے۔" لڑکی نے مغموم آواز میں کہا۔

"آپ بھی تو اُس کی موجودگی میں کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آرہی تھیں لیکن اُس کے جاتے ہی آپ کے چہرے پر اطمینان بکھر گیا تھا۔ بولئے اب آپ خاموش کیوں ہیں۔" حمید نے سوال کیا۔

لڑکی نے فوراً ہی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد بولی۔ "میں اُس سے ڈرتی ہوں اور وہ آپ سے ڈرتا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے خائف ہو کر اُٹھ گیا تھا۔ تو پھر آپ کون ہیں۔"

"بکرے کا مالک اور ایک اُداس طالب علم.... آہا.... کہیں وہ میرے بکرے کو اڑا دینے کی تاک میں نہ ہو۔"

"اب آپ بات اڑا رہے ہیں۔ آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔ وہ آپ سے کیوں ڈر گیا تھا۔"

"لیکن آپ اُس سے کیوں ڈرتی ہیں۔"

"وجہ ہے۔"

"تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی ضرور ہوگی۔"

"میں اُسے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔"

"یہی جملہ میری طرف سے بھی اپنے لئے کہہ لیجئے۔"

"کیا آپ کوئی پولیس آفیسر ہیں۔" لڑکی نے اچانک سوال کیا۔

"کیوں؟ کیا وہ کوئی بُرا آدمی تھا جو پولیس آفیسروں سے خائف ہو سکے۔"

"یقیناً وہ ایک بُرا آدمی ہے۔"

"اور آپ کو بلیک میل کرنے کے چکر میں ہے.... کیوں؟"

"تو آپ اُسے جانتے ہیں۔" لڑکی نے ایک طویل سانس لی۔ "اور وہ آپ سے خائف تھا اس لئے میں آپ کو کوئی بڑا پولیس آفیسر ہی سمجھ سکتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ پر اعتماد کرلوں۔ کیا آپ مجھے اُس کی دستبرد سے بچا سکتے ہیں۔"

"یہ بکرے کی موجودگی ہی میں ممکن ہے ورنہ وہ مجھ سے شکوہ کرے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" لڑکی اپنا اوپری ہونٹ بھینچ کر بولی۔ "اگر میں ناچتے ناچتے آپ کو پرے دھکیل کر چیخنے لگوں تو کیسی رہے۔"

"اوہو....!" حمید مسکرایا۔ "آپ تو اس بلیک میلر کی بھی چچی معلوم ہوتی ہیں۔ خیر آپ بتائیے کہ

وہ آپ کو کیوں بلیک میل کر رہا ہے۔"

"پہلے آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں۔"

"اگر میں یہی کہہ دوں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں تو اس کیلئے میرے پاس دلیل کیا ہوگی۔ میری پیشانی پر تو اس قسم کی کوئی تحریر ہے نہیں جو میرے بیان کی تصدیق کر سکے۔ آپ کیسے یقین کرلیں گی۔"

"میں یقین کرلوں گی کیونکہ میرا دل بہت دیر سے یہی کہہ رہا ہے۔"

"اچھا تو میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور وہ بلیک میلر مجھے اچھی طرح پہچانتا ہے۔"

"شکریہ! اب میں آپ کو اپنی کہانی سنا سکتی ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ کی شرافت سے یہ توقع بھی رکھوں گی کہ آپ اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کریں گے۔ میری پھوپھی کو اگر اس کا علم ہو گیا تو میرا مستقبل برباد ہو جائے گا۔"

"آپ مطمئن رہئے ایسا نہیں ہو سکے گا۔"

"میری پھوپھی... مسز بلفرائی ایک دولت مند خاتون ہیں۔ ممکن ہے آپ نے انکا نام پہلے بھی سنا ہو۔"

"میں نے سنا ہے۔ یہاں ان کے کئی کاروبار ہیں۔ اُوہ تو یہ مسز بلفرائی ہیں۔"

"جی ہاں.... میں اُن کی تنہا وارث ہوں.... وہ میری شادی لندن کے ایک متمول گھرانے میں کرنا چاہتی ہیں اور مجھے بھی یہ رشتہ برا نہیں لگتا کیونکہ نکی مجھے بہت پسند ہے۔ ہم ایک دوسرے کے گہرے دوست بھی ہیں اور نکی بھی مجھ سے شادی کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔"

"ہاں تو خاموش کیوں ہو گئیں۔"

"اس آدمی کے ہاتھ میرے کچھ خطوط لگ گئے ہیں۔ جن سے غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں حالانکہ کسی بُرے ارادے سے نہیں لکھے گئے تھے۔ نکی سے پہلے بھی میرا ایک دوست تھا لیکن ہم دونوں میں صرف ذہنی رشتہ تھا۔ میں نے وہ خطوط اُسی کو لکھے تھے۔ بہرحال وہ کسی طرح اس آدمی کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ اگر وہ خطوط منظر عام پر آ گئے تو نکی سے میری شادی نہ ہو سکے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ میں پھوپھی کے ترکے سے بھی محروم ہو جاؤں کیونکہ وہ بھی اسے پسند نہ کریں گی۔ وہ ایک ضدی طبیعت کی عورت ہیں جو کچھ اُن کے ذہن میں بیٹھ جائے اس کا نکلنا قریب قریب ناممکن ہو جاتا ہے۔"

"وہ آپ کو کب سے بلیک میل کر رہا ہے۔"

"تقریباً چھ ماہ سے۔"

"کافی رقم اب تک وصول کر چکا ہوگا۔"

"کافی سے بھی زیادہ۔"

"خیر! اَب نہ کر سکے گا۔ اُسے جلد ہی آپ کی راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ لیکن آپ کی پھوپھی اُسے کس حیثیت سے جانتی ہیں۔"

"میرے ایک ملنے والے کی حیثیت سے۔ اور وہ اسی طرح میرے سر پر سوار رہتا ہے۔"

"بہت جلد.... آپ فکر نہ کیجئے۔"

"میں ہمیشہ آپ کی احسان مند رہوں گی۔"

"احسان مند رہنے سے مجھے کیا فائدہ ہوگا۔" حمید نے مایوسی سے کہا۔

"پھر.... پھر.... آپ کیا چاہتے ہیں۔" لڑکی ہکلائی۔

"ایک قربانی....!"

"کیا میں نہیں سمجھی۔" لڑکی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

"کتا فروخت کر کے ایک بکرا خرید لیجئے۔ اس طرح آپ مجھے لندن میں بھی یاد رکھ سکیں گی اور میری اس "بکرا پسند" تحریک کی اشاعت بھی ہوتی رہے گی۔"

لڑکی ہنسنے لگی.... اس نے کہا۔ "میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

"مگر بکرا نہیں رکھیں گی.... کیوں؟" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اچانک آرکسٹرا خاموش ہوگیا اور ہال کے ایک حصے میں بدنظمی سی نظر آنے لگی۔ پھر یہ بدنظمی ایک خاصے ہنگامے میں تبدیل ہوگئی۔

"قتل ہوگیا۔" ایک آدمی نے کہا اور دوڑتا ہوا حمید سے ٹکرایا تھا۔

"کیا؟" لڑکی نے حیرت سے کہا۔

"قتل ہوگیا۔" حمید نے جواب دیا۔

اچانک لاؤڈ سپیکر سے کسی کی آواز آئی۔ "خواتین و حضرات! آپ جہاں بھی ہیں وہیں تشریف رکھیں سارے دروازے پولیس نے بند کرا دیئے ہیں۔ آپ باہر نہ جا سکیں گے۔"

"کیوں نہ جا سکیں گے۔" بہت سی آوازیں بیک وقت ہال میں گونجیں۔

"اوپری منزل کے ایک غسل خانے سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔" لاؤڈ سپیکر سے آواز آئی۔

"میرے خدا قتل....!" لڑکی کانپنے لگی۔

"اب باہر جانا مشکل ہوگا۔ آپ وہیں اپنی میز پر بیٹھئے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ابھی آیا.... چلئے.... بیٹھئے۔"

حمید اُس کو بوڑھی کے پاس چھوڑ کر ڈائیننگ ہال میں پہنچ گیا۔ یہاں سچ مچ پولیس موجود تھی۔

"انچارج کون ہے۔" حمید نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا جو اُسے پہچانتا تھا۔

"جگدیش صاحب۔" اُس نے اُسے سیلوٹ کر کے جواب دیا۔ "وہ اوپر ہی ہیں جناب۔"

حمید زینے طے کر کے اوپر پہنچا۔ پہلی ہی منزل کی راہداری میں بھیڑ نظر آئی۔ وہیں ایک غسل خانے میں لاش اوندھی پڑی ہوئی تھی اور ایک خنجر دل کے مقام پر دستے تک پیوست تھا۔ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں کیونکہ یہ سنگرام کی لاش تھی۔

وہ جگدیش کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر نیچے واپس آیا اور منیجر کے کمرے میں جا کر اُن مقامات کے نمبر ڈائیل کرنے کا ارادہ کیا جہاں فریدی سے ملاقات ہو سکتی تھی لیکن وہ خلاف توقع گھر ہی پر مل گیا۔

"سنگرام یہاں آرلیکچو میں ابھی ابھی قتل کر دیا گیا۔" حمید نے کہا۔

"اوہ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی قتل کیا گیا ہے۔"

"کچھ دیر پہلے وہ اُسی میز سے اٹھا تھا جس پر میں تھا۔"

"کیا مطلب! تم اُس کے ساتھ تھے۔" فریدی کی آواز میں حیرت تھی۔

"نہیں وہ جس لڑکی کے ساتھ تھا میں اُس لڑکی....!"

"لڑکی کے بچے۔" فریدی غرایا۔ "تم میرا کام چوپٹ کرتے رہتے ہو۔ اُس کی موت کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہے۔ وہیں ٹھہرو.... میں آرہا ہوں۔"

حمید بوکھلا کر منیجر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ وہ لڑکی آ ٹکرائی شائد وہ اُسے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔

"آپ کہاں ہیں۔ مجھے ڈر معلوم ہو رہا ہے۔"

"اب تم زندگی بھر کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔ وہ مار ڈالا گیا۔ وہی جو تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔"

"نہیں....!" لڑکی سناٹے میں آ گئی۔

"ہاں....وہی....لیکن اب تم خدا کے لئے اپنی میز پر جاؤ۔ میرا ظالم فادر آ رہا ہے۔ اگر وہ نہ آئے تب بھی اگر کسی نے اشارہ بھی کر دیا کہ وہ تمہاری میز سے اٹھا ہے تو تم لوگ بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گی....جاؤ....جب دروازے کھلیں تو چپ چاپ نکل جانا۔"

لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں چلی گئی۔

حمید فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ وہ پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ لاش دیکھی اور پھر نیچے آ گیا۔

حمید نے خود ہی پوری داستان دہرائی۔ فریدی کا موڈ بہت زیادہ خراب نظر آ رہا تھا۔

"وہ دونوں کہاں ہیں۔"

"چلئے دکھاؤں۔" حمید اُسے ریکریئیشن ہال کے دروازے تک لے گیا اور اشارے سے ان دونوں کو دکھا کر کہا۔ "وہ رہیں....میں نہیں کہہ سکتا کہ لڑکی کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔"

"ہاں....یہ مسز بلفرائی ہی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر میں انہیں پھر دیکھوں گا۔ تم بالکل گدھے ہو۔ تمہیں علم تھا کہ میں سنگرام سے کام لے رہا ہوں۔"

"میں سنگرام کے چکر میں نہیں تھا۔"

"میں تم سے سمجھوں گا حمید۔ ایسی سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

فریدی نے کہا اور اُسے وہیں چھوڑ کر پھر اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔

حمید ایک میز سے ٹکا کھڑا اپنی پیشانی رگڑتا رہا۔

اور پھر کیا ہوا

حمید نے وہ رات نہ جانے کس طرح گذاری۔ فریدی رات بھر گھر سے غائب رہا۔ صبح واپس آیا اس کا موڈ پچھلی رات سے بھی زیادہ خراب تھا۔ نہ اُس نے حمید سے بات کی اور نہ اُسکی طرف متوجہ ہوا حمید نے بھی چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ اُسے بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ جب اُسے معلوم تھا کہ فریدی اور سنگرام کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ہوا ہے تو اُسے اُس سے دور ہی رہنا چاہئے تھا۔ مگر بُرا ہو اس حسن پرستی کا۔ اُس نے اُسے دو کوڑی کا آدمی بنا دیا تھا۔ ایسے ہی مواقع پر وہ تھوڑی دیر کے لئے عورتوں کے سلسلے میں فریدی کو ایک دانش مند ترین آدمی تسلیم کر لیتا تھا۔

فریدی اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور حمید کٹے ہوئے پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر ڈولتا رہا۔

کچھ دیر بعد اُسے ایک نوکر نے اطلاع دی کہ کوئی لڑکی جس کا نام سارہ نرگیس ہے اُسے فون پر بلا رہا ہے۔

"سارہ نرگیس۔" حمید نے ایک جھرجھری سی لی اور بولا۔ "اُس سے کہہ دو....کیپٹن حمید کو گولی ماری گئی۔"

"جی صاحب۔"

"ابے بھاگ....جی صاحب کا بچہ۔ جب بھی کسی عورت کا فون آئے کہہ دو کپتان صاحب مر گئے....ہاں....گٹ آؤٹ۔"

نوکر چپ چاپ چلا گیا۔ غالباً آج یہ اس کے لئے ایک بالکل ہی نئی بات تھی۔

حمید اب اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کون جانے سنگرام کے قتل میں اُسی کا ہاتھ ہو۔ وہ اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔ ممکن ہے اُس سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پانے کے لئے وہ یہ بھی کر گذری ہو۔ جو لڑکی مالی اعتبار سے اتنی مضبوط ہو کہ چھ ماہ تک کسی بلیک میلر کے مطالبات پورے کر سکے وہ اُسے قتل کرا دینے کے لئے بھی معقول رقم خرچ کر سکتی ہے۔ لہٰذا فریدی کا یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈی اس قتل کا ذمہ دار ہے۔ اس نے فریدی کو سارہ کے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا لیکن اُس نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ حمید کو اس کا علم نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اپنی خواب گاہ میں آ گھسا۔ لیکن ابھی اُسے آفس جانا تھا۔ ہمت نہیں پڑی کہ فریدی سے اُس کے پروگرام کے متعلق پوچھتا۔

دس بجے وہ آفس چلا گیا لیکن ایک گھنٹے بعد فریدی کا فون آیا۔ اُس نے اُسے گھر واپس بلایا تھا۔

گھر پہنچتے ہی فریدی سے مڈبھیڑ ہو گئی لیکن وہ اچھے موڈ میں تھا۔ حمید کو پہلے تو اس پر حیرت ہوئی مگر پھر اس کا وہ جملہ یاد آ گیا جو اُس نے پچھلی رات آرلیچو میں کہا تھا یعنی وہ اسے کوئی سخت ترین سزا دے گا۔ ایسی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

"تمہیں فن آئی لینڈ جانا ہے۔" فریدی نے اُس سے کہا۔

"چلا جاؤں گا۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ "آپ نے سارہ نرگس کو چیک کیا یا نہیں۔ وہ سنگرام کو قتل کرا دینے کی بڑی اہم وجہ رکھتی ہے۔"

"اسے چیک کیا جا رہا ہے۔ لیکن اُس کے قتل کا باعث ڈریڈ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ میری ہی طرح
نے بھی اُسے ایک کام کے لئے ڈریڈ کے خلاف استعمال کیا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ سنگرام ڈریڈ کے
دوسرے ساتھیوں کی طرح کٹھ پتلی نہیں تھا بلکہ ڈریڈ سے اپنا پیچھا بھی چھڑانا چاہتا تھا۔ اُس کے لئے اُس
نے ڈریڈ کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش بھی کی تھی اور کیا تمہیں علم ہے کہ اس کی لاش کے
نیچے سے ایک پنسل اور کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی برآمد ہوا تھا۔

"نہیں.... میں نہیں جانتا۔"

"وہ تمہارے لئے ایک چٹ لکھ رہا تھا۔"

"میرے لئے....!" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

فریدی نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے حمید کی طرف بڑھا دیا۔
پنسل سے تین لائنیں گھسیٹی گئی تھیں اور تیسری نامکمل تھی۔

"کپتان صاحب۔ آخر آپ کیوں میری
زندگی کے گاہک ہوئے ہیں۔ کیا کرنل صاحب کی
طرف سے آپ کو ہدایت ملی.....

وہ غالباً "ہدایت" کے بعد "ملی...." لکھ رہا تھا اُسی وقت اس پر حملہ ہوا اور "ملی" کی "ی" دائرہ
بنا سکی۔ دفعتاً حمید کے ذہن پر ہتھوڑے سے چلنے لگے اور وہ سچ مچ خود کو مجرم تصور کرنے لگا۔ سنگرام اک
بُرا آدمی سہی لیکن اُس نے ڈریڈ کے خلاف قانون کی مدد کرنے کا تہیہ کر لیا تھا حمید نے اس کے
ہمدردی کے جذبات محسوس کئے اور اُس کے چہرے پر اضمحلال نظر آنے لگا۔

"ڈریڈ اُسے قتل نہ کراتا۔" فریدی کہہ رہا تھا۔ "مگر وہ سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف
ہو گیا تھا اس کی اطلاع اُسے فنچ سے ملی تھی۔"

"تو یہ فنچ حقیقتاً اب بھی یہاں موجود ہے۔"

"ہاں اُن دونوں کے درمیان کسی قسم کا جھگڑا چل رہا ہے۔"

کچھ دیر حمید خاموش رہا پھر بولا۔ "جزیرے میں مجھے کیا کرنا ہوگا۔"

"انتظار.... ایک اشارے کا منتظر رہنا پڑے گا تمہیں..... جو بڑے ٹیلے پر سے رات کو کسی وقت
تمہیں ملے گا اور تم ٹیلے کے قریب پہنچنے کی کوشش کرو گے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈریڈ کا ہیڈ کوارٹر جزیرے

یہیں ہے اور شہر سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے وہی سفید کشتی استعمال کی جاتی ہے۔"

"میں آج آپ سے بحث نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا۔ "لیکن وہ اشارہ کس قسم کا ہوگا۔"

"سرخ روشنی۔" فریدی مسکرایا۔ "نہیں تم شوق سے بحث کرو۔ مجھے پچھلی رات تم پر بہت شدت
غصہ آ گیا تھا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ وہ اس لئے نہیں مارا گیا کہ تم اُس کے ساتھ تھے۔ اگر یہ
ہوتی تو قاتل یہ دیکھنے کی کوشش ضرور کرتا کہ وہ کاغذ پر کیا لکھ رہا تھا اور شائد کاغذ کا یہ ٹکڑا میرے
نہ لگ سکتا۔ وہ دراصل سعیدہ رحمان کے اغواء کے راز سے واقف ہو جانے کی بناء پر مارا گیا۔"

"شکر ہے۔" حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "میری گردن تو چھوٹی۔"

"تمہیں میک اپ میں فن آئی لینڈ جانا ہوگا۔" فریدی خلاء میں گھورتا ہوا بولا۔



رات تاریک تھی۔ حمید کی کلائی کی گھڑی نے دس بجائے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطربانہ انداز
بڑے ٹیلے کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ فرائی فش ریستوران کی ایک ایسی کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا جہاں
بڑا ٹیلہ صاف نظر آتا تھا۔ چلتے وقت فریدی نے بھی اُس سے یہی کہا تھا کہ وہ فرائی فش ریستوران
بڑے ٹیلے پر نظر رکھ سکے گا۔

ریستوران میں صرف تین میزیں بھری ہوئی تھیں بقیہ خالی ہو چکی تھیں نو بجے تک جزیرے میں
چہل پہل رہا کرتی تھی اس کے بعد ہی سے وہ ویران ہونے لگتا تھا۔ لیکن یہاں بھی اکثر ایسے
ستوران تھے جو رات بھر کھلے رہتے تھے۔ حمید شام سے یہیں بیٹھا رہا تھا اور اب اکتا گیا تھا۔ اُسے
ک بھی علم نہیں تھا کہ اشارہ کس سے ملے گا اور پھر ٹیلے کے قریب پہنچ کر اُسے کیا کرنا پڑے گا۔ وہ
رہا تھا.... پھر ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر اُسے ٹیلے پر سرخ روشنی نظر آئی اور وہ اٹھ کر ریستوران
ے ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُسے وہ رات یاد آ رہی تھی جب اُس نے سنگرام کا تعاقب کیا تھا اور یہ
حقیقت ہی تھی کہ آپس میں جھگڑا ہو جانے پر وہ بقیہ ساتھیوں سے اسی لئے کٹ گیا تھا کہ کہیں پولیس
سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ فریدی کو اس نے یہی بتایا تھا۔

حمید ٹیلے کے قریب پہنچ کر اوپر دیکھنے لگا۔ لیکن پھر یک بیک اچھل پڑا۔ کسی نے اس کے شانے پر
رکھ دیا تھا۔

"ادھر آیئے۔!" اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی نے ایک طرف چلتے ہوئے کہا۔

حمید آواز سے پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دفعتاً اُسے فریدی کی بلیک فورس کا خیال آیا۔ کیا اس سلسلے میں بھی اپنی پُر اسرار بلیک فورس ہی استعمال کر رہا ہے۔ وہ اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ ٹیلے نیچے ہی نیچے چل کر وہ اُس مقام پر پہنچے جہاں سے پانی کی طرف ڈھلان شروع ہوئی تھی۔

حمید کو نیچے اترنے میں دشواری پیش آ رہی تھی کیونکہ اندھیرا تھا اور کہیں کہیں اُگی ہوئی گھنی جھاڑیاں تاریکی میں غاروں کے دہانے معلوم ہو رہی تھیں۔ پھر پانی کی سطح اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہ گئی۔ سمندر پرسکون تھا۔ لیکن پانی کی بساندھ سے حمید کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ بائیں جانب مڑے اور کنارے کنارے چلنے لگے۔ یہاں زمین ریتلی تھی اور حمید کو اپنے پیر دھنستے معلوم ہو رہے تھے۔

رہبر آگے چل رہا تھا۔ ایک جگہ وہ رکا۔ حمید بھی رک گیا۔ اُسے تھوڑے فاصلے پر پانی میں ایک لانچ نظر آئی اور رہبر آہستہ سے بولا۔ ”بیٹھ جایئے۔“

لانچ میں شائد کچھ آدمی اور بھی تھے۔ حمید لانچ پر بیٹھتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

”میں عرض کر رہا ہوں لانچ میں بیٹھ جایئے۔“ اس نے پھر کہا۔

حمید نے آگے قدم بڑھائے اور لانچ سے آواز آئی۔ ”کیوں دیر کر رہے ہو۔“

آواز فریدی کی تھی۔ حمید چپ چاپ لانچ میں اُتر گیا لیکن رہبر کنارے ہی کھڑا رہا اور لانچ چل پڑی۔ حمید کنارے کھڑے ہوئے تاریک سائے کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ یک بیک نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو۔ حمید نے سوچا ممکن ہے وہ لیٹ گیا ہو۔

اب اُس نے لانچ کے اندر کا جائزہ لیا۔ ایک آدمی مشین کے سامنے تھا اور اس کے پیچھے حمید کی نشست پر ایک آدمی اور تھا۔ لانچ میں کل چار آدمی تھے لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے حمید اپنے بیٹھے ہوئے آدمی کے متعلق بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہوگا۔ ویسے ان میں فریدی ہی تھا کیونکہ حمید نے اُس کی آواز صاف پہچانی تھی۔

لانچ چلتی رہی اور دفعتاً حمید نے محسوس کیا جیسے یک بیک گہرا اندھیرا ہو گیا ہو۔ وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن کچھ سجھائی نہ دیا۔ پھر اُس نے اوپر دیکھا اور اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ لانچ اونچی اونچی دیواروں کے درمیان چل رہی ہو۔

حمید اوپر ہی کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی دونوں دیواروں کا درمیانی فاصلہ تنگ ہوتا ہوا معلوم ہونے لگتا۔ یہ لانچ بے آواز تھی۔

”آگے راستہ بند ہے جناب۔“ اگلی سیٹ سے آواز آئی۔

”روک دو۔“ حمید کے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ یہ فریدی ہی تھا۔

لانچ کی اگلی روشنی جاگ اٹھی اور اس کا دائرہ سامنے کی جھاڑیوں پر پڑا۔ بڑی بڑی کانٹے دار جھاڑیاں اوپر سے اس طرح پانی پر جھک آئی تھیں کہ راستہ بند ہو گیا تھا۔

”ناممکن....!“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ ”واپس لے چلو۔ ممکن ہے ہم اُسے پیچھے ہی چھوڑ آئے ہوں۔“

لانچ پھر واپس ہوئی۔ فریدی نے اپنی ٹارچ نکال لی تھی اور حمید سے اس کے لئے کہا۔ اس طرح دو ٹارچوں کی روشنیاں دراڑ کے دونوں اطراف میں پڑنے لگیں اس بار لانچ کی رفتار نسبتاً سست تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد دفعتاً فریدی نے پھر لانچ رکوا دی۔ یہاں اس دراڑ میں سڑے ہوئے پانی کی بدبو ناقابل برداشت تھی۔ حمید ناک پر رومال رکھے رک رک کر سانسیں لے رہا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان گندگیوں کا عادی ہو۔

”آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”ایک ایسی جگہ جہاں کوئی بڑی کشتی چھپائی جا سکے۔“ اس نے جواب دیا لیکن اُس کی ٹارچ کی روشنی کا دائرہ اِدھر اُدھر گردش کرتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے ٹارچ بجھا دی۔

ٹھیک اسی وقت ایک ہلکی سی آواز آئی۔ حمید نے گھبرا کر اپنے پیر سکوڑ لئے کیونکہ آواز پیروں کے پاس ہی سے آئی تھی۔ مگر دوسری بار اُس نے محسوس کیا کہ وہاں ایک ٹرانسمیٹر موجود ہے جس نے کہیں سے نشر ہونے والا کوئی اشارہ ریسیور کیا تھا۔

”ہیلو....!“ فریدی بولا۔ ”ایف پلیز....!“

حمید دوسری طرف سے آنے والی آواز نہ سن سکا۔

”اوہ....!“ فریدی کہہ رہا تھا۔ ”تمہیں دھوکا تو نہیں ہوا.... اچھا.... اچھا.... اُدھر بھی دیکھتے ہیں۔ اُدھر تو آگے جانے کا راستہ نہیں ہے۔“

حمید سمجھ گیا کہ فریدی کافی انتظام کے ساتھ اس مہم پر آیا ہے۔ فریدی کے کہنے پر لانچ پھر چل پڑی۔ اگلی روشنی گل کر دی گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس دراڑ سے کھلے پانی میں آ گئے اور لانچ داہنی جانب مڑ گئی۔ اب اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ فریدی ٹرانسمیٹر سے نامعلوم آدمیوں کے لئے ہدایات نشر

کزر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد لانچ پھر ایک دراڑ میں داخل ہوئی لیکن حمید کو اپنے سر کے بال کسی چیز سے الجھے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ جیسے اُس نے سر پر ہاتھ لے جانا چاہا "سی" کر کے رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے بیک وقت سیکڑوں کانٹے ہاتھ میں چبھ گئے ہوں۔

"جھک جاؤ.... جھک جاؤ.... جھاڑیاں ہیں۔" فریدی بولا۔ "رفتار بہت کم کر دو۔"

"اُس نے بھی ٹارچ روشن کر لی تھی۔ لیکن پھر وہ جلد ہی سیدھے بیٹھنے کے قابل ہو گئے۔

فریدی نے کہا۔ "روک دو۔" وہ ٹارچ کی روشنی میں پیچھے رہ جانے والی جھاڑیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ یہ پانی کی سطح سے بمشکل تمام پانچ فٹ اونچی رہی ہوں گی۔ ان کے سلسلے دراڑ کے دونوں کناروں سے شروع ہو کر درمیان میں مل گئے تھے اور کسی سائبان کی طرح پانی پر چھا گئی تھیں۔ یہ سخت ڈنٹھلوں والی کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں۔

"وہ کشتی اس کے نیچے سے گذر تو سکتی ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ "خیر چلو۔ آگے بڑھاؤ۔"

لانچ پھر چل پڑی۔ لیکن اب فریدی ہی کی ہدایت پر اس کی ہیڈ لائٹ روشن کر دی گئی تھی۔ اچانک حمید نے پشت پر ایک گونجیلا قہقہہ سنا اور وہ سب ایک تیز قسم کی روشنی میں نہا گئے۔

اُن سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بڑی کشتی نظر آئی۔ یہ اسی کی ہیڈ لائٹ تھی۔

"تم سب اسٹین گنوں کی زد پر ہو۔ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔" انگریزی میں کہا گیا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔ حمید نے فریدی کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ روشنی اتنی تیز تھی کہ حمید کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں اور اُسے اس روشنی کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

"روکنا مت" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جس رفتار سے چل رہی ہے چلنے دو۔ حمید تم ٹرانسمیٹر کو پیر سے بائیں جانب کھسکا دو۔" حمید نے بڑی پھرتی دکھائی۔

پھر فریدی نے گرج کر کہا۔ "تم لوگ کون ہو۔"

"ہم لوگ ہتھکڑیوں کے لئے اپنے ہاتھ پیش کرنے آئے ہیں پیارے کرنل۔" کشتی سے آواز آئی۔ "لہٰذا لانچ روک دو۔"

حمید نیچے جھکا لیکن اس کی اس حرکت کے متعلق کشتی سے کچھ بھی نہ کیا گیا۔

شائد فریدی نے بھی اُسے جھکتے نہیں دیکھا۔ اب وہ پچھلی نشست کی اوٹ میں تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا۔ نال پچھلی نشست کی پشت گاہ پر رکھی اور ہیڈ لائٹ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ شیشہ

ٹوٹنے کی آواز آئی اور اب پھر وہی پہلے کا سا اندھیرا تھا۔

"کیا کام کیا ہے فرزند.... جیو۔" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا پھر جلدی سے بولا۔ "لیٹو.... سب لیٹ جاؤ.... رفتار بڑھاؤ.... چلتے رہو۔"

پھر شائد وہ اسٹین گن ہی کی آواز تھی جس سے فضا میں ہیجان سا برپا ہو گیا۔

بڑی کشتی سے ایک ٹارچ روشن ہوئی اور ساتھ ہی فریدی کے ریوالور سے ایک شعلہ بھی نکلا اور ٹارچ شائد ہمیشہ کے لئے بجھ گئی۔ کیونکہ اُس کے بجھنے اور کسی کے چیخنے میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

اسٹین گن بھی خاموش ہو گئی۔ لیکن یہ سناٹا دیر تک قائم نہیں رہ سکا اور حمید کی باچھیں بھی کھل گئیں کیونکہ بحری پولیس کی لانچوں کے ہوٹروں کی کرخت آوازیں تھیں جنہوں نے سناٹے کا سینہ چھلنی کر دیا تھا۔

پھر قریب ہی سے کچھ ایسی آوازیں آئیں جیسے پانی میں وزنی چیزیں پھینکی گئی ہوں۔

"یہ بُرا ہوا" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "وہ کود گئے۔ کچھ بھی نہ ہوا۔"

اس نے ٹارچ روشن کی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سفید کشتی ٹھہری ہوئی تھی۔

"لانچ موڑو.... جلدی کرو" فریدی نے کہا۔ "یہ ہوٹر اب بھی چیخ رہے تھے۔ لیکن شائد بحری پولیس کی کشتیاں دراڑ سے باہر ہی تھیں۔

لانچ کشتی کے قریب آ گئی اور فریدی نے لانچ پر سے کشتی پر چھلانگ لگا دی حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔ لیکن کشتی خالی پڑی تھی۔ وہ پھر لانچ پر جانے کے لئے واپس ہو رہے تھے کہ کچھ اس قسم کی آوازیں آئیں جیسے پانی میں دو چار کتے لڑ پڑے ہوں۔ ٹارچ کی روشنی کا دائرہ آوازوں کی طرف گھوم گیا۔ تین آدمی اس طرح بار بار پانی سے سر اُبھار رہے تھے جیسے غرقابی سے بچنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہوں۔

وہ کشتی کے قریب آ گئے اور اُن کے ہاتھ سہارا لینے کے لئے اٹھے۔ فریدی خاموشی سے کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر وہ کشتی پر چڑھ آئے۔ فریدی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اُن کی حالت ابتر تھی۔ وہ کھڑے نہ رہ سکے۔ اُن میں سے ایک تو شائد گرتے ہی ختم ہو گیا تھا اور دو چت پڑے ہوئے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے مردہ آدمی پر روشنی ڈالی۔

بحری پولیس کی لانچیں دراڑ میں داخل ہو رہی تھیں۔



کچھ دیر بعد سفید کشتی کھلے پانی میں آئی۔ لیکن اب اُسے بحری پولیس کا ایک پائیلٹ اسٹیئر کر رہا تھا۔ دونوں مجرم اب ہوش میں آچکے تھے اور ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش فریدی کے پیروں کے قریب پڑی ہوئی تھی۔

فریدی، حمید سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ شائد ہماری اسکیم سے واقف ہوگیا تھا۔ لیکن اسے اس کا علم نہیں تھا کہ میرے آدمی جزیرے کے چپہ چپہ پر موجود ہیں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش دیکھ رہا تھا.... وہ میک اپ میں نہیں تھا کیونکہ شکل انہیں تصاویر سے مشابہ تھی جنہیں وہ بار بار دیکھ چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اتنا بڑا مجرم جس سے پورا براعظم امریکہ کانپتا تھا ایک حقیر سے چوہے کی طرح ڈوب کر مر گیا۔

''مجھے افسوس ہے کہ یہ میرے ہاتھوں سے نہیں مرا۔'' فریدی بولا۔ ''میری چھ ماہ کی محنت برباد ہوگئی۔''

کشتی بحری پولیس کے گھاٹ سے آ لگی اور لاش اٹھانے کے لئے اسٹریچر لایا گیا۔ ڈریڈ کے دونوں ساتھیوں کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں بھی غیر ملکی ہی تھے اور شائد ڈریڈ کے ہمراز بھی تھے ورنہ وہ اس کے ساتھ نہ ہوتے۔

لاش اسٹریچر پر رکھی گئی اور چار قلی اُسے اٹھائے ہوئے کشتی سے اترے۔ فریدی سب سے آخر میں اترا۔ قلی آگے بڑھ گئے تھے اور اب یہ لوگ گرفتار شدگان کے ساتھ چل رہے تھے.... دفعتاً سامنے میں ایک وحشت ناک قسم کا قہقہہ گونجا اور ساتھ ہی کئی چیخیں سنائی دیں۔

''ارے.... مار ڈالا.... دوڑو بچاؤ۔''

اور پھر دو قلی بے تحاشہ بھاگتے ہوئے ان لوگوں سے آٹکرائے۔ اُن پر کچھ اس قسم کی بدحواسی طاری تھی کہ وہ سنبھالنے کے باوجود بھی اپنے پیروں پر نہ کھڑے رہ سکے اور گرتے ہی بیہوش ہوگئے۔

فریدی اس طرف دوڑا جدھر سے وہ آئے تھے اور اس کے پیچھے بھی دوڑنے لگے.... کچھ دور جا کر وہ رکا۔ یہاں بھی ایک قلی پر دوسرا ڈھیر تھا اور اسٹریچر اُن سے دور پڑا گویا انہیں منہ چڑھا رہا تھا۔

پھر ذرا سی ہی دیر میں پورے علاقے میں بھگدڑ مچ گئی کیونکہ قلیوں کا بیان جنگل کی آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ لاش یک بیک اچھل کر قہقہے لگانے لگی تھی اور پھر انہیں ہوش نہیں کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

فریدی اس طرح مضمحل نظر آنے لگا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔

''آپ خواہ مخواہ فکر کرتے ہیں۔'' حمید بولا۔ ''وہ جتنے حیرت انگیز طور پر ہمارے ہاتھ آیا تھا اتنے ہی پراسرار طور پر نکل بھی گیا۔''

''لیکن میں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے اُسے اسکے حال پر کیوں چھوڑ دیا تھا۔''

''تو کیا آپ بھی اسی اسٹریچر پر لیٹ کر سفر کرتے۔ قبر میں بھی اس کے ساتھ جاتے.... جہنم میں جھونکئے۔''

''وہ کمبخت حبس دم کا بھی ماہر معلوم ہوتا ہے۔''

تقریباً تین چار گھنٹے تک ڈاکٹر ڈریڈ کی تلاش جاری رہی مگر اُس کا سایہ تک نہ مل سکا۔



اور پھر وہ دونوں بولنے پر مجبور ہوگئے۔ وہ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ کے راز دار ہی ثابت ہوئے۔ انہوں نے اعتراف کرلیا کہ سعیدہ رحمان ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے قبضے میں تھی۔ اُن کے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچنے کے لئے ایک بار پھر انہیں فن آئی لینڈ کا سفر کرنا پڑا۔ لیکن اس بار اُن کے ساتھ اُن کے محکمے کا آئی جی بھی تھا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی تھا اور بھی چند بڑے پولیس آفیسرز کی معیت میں وہ وہاں پہنچے.... سعیدہ رحمان برآمد کرلی گئی۔

وہ بہت اچھی حالت میں تھی اُس نے انہیں بتایا کہ اُسے کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی تھی۔

''کرنل! تمہارا یہ کارنامہ بھی ہمیشہ یاد رہے گا۔'' آئی جی نے فریدی کا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔

''مجھے شرمندہ نہ کیجئے۔ ڈریڈ تو نکل ہی گیا۔'' فریدی نے جواب دیا۔

''یہی کیا کم ہے کہ تم نے شہر کی ایک معزز خاتون کو اُس کے پنجے سے رہائی دلوائی۔''

''معزز....!'' فریدی مسکرا کر رہ گیا۔ لیکن اس کے لہجے نے آئی جی کو اُسے گھورنے پر مجبور کردیا۔

''کیا مطلب....!''

''جناب والا۔ ذرا یہ تو خیال فرمائیے کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو اس اغواء سے کیا فائدہ پہنچتا۔''

''جو کچھ ایک مالدار خاتون کے اغواء سے کسی کو پہنچ سکتا ہے۔''

''مالدار....!'' فریدی پھر اُسی انداز میں مسکرایا۔ ''اس بیچاری کی آمدنی تین ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی ڈھائی سو روپے ماہوار جو یہ اپنی ملازمت سے حاصل کرتی ہے۔''

''نہیں....!'' آئی جی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ''پھر وہ جمیکا والا قصہ۔''

''اسکینڈل.....فراڈ.....'' فریدی آہستہ سے بولا۔ ''ڈاکٹر ڈریڈ نے تیس ہزار کا خون کر کے لاکھوں بنانے کی اسکیم تیار کی تھی.....لیکن چوٹ کھا گیا۔''

''میں نہیں سمجھا۔'' آئی جی کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔

''اس نے پہلے سعیدہ کے متعلق ساری معلومات بہم پہنچائی اور پھر جمیکا کے فراڈ سے رابطہ قائم کر کے اُس سے اُس کے نام یہاں کے ایک بینک میں تیس ہزار منتقل کرائے اور اُسی فراڈ نے جمیکا کے وکیل کی معرفت اُسے ایک بڑے آدمی کے وارث ہونے کی خوشخبری پہنچائی۔ بیرسٹر کیلاش ورما ایک اچھے آدمی ہیں انہوں نے سعیدہ کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا لہٰذا وہ بھی دھوکہ کھا گئے.....اور شہر کیا سارے ملک میں سعیدہ کے اچانک مالدار ہو جانے کی پبلسٹی ہو گئی۔ شہر کے بڑے آدمی اس کے گرد منڈلانے لگے۔ ڈاکٹر ڈریڈ یہی چاہتا تھا۔ جب اُس خواستگاروں کی فہرست خاصی طویل ہو گئی تو ڈاکٹر ڈریڈ نے اُسے آرلکچنو سے اٹھوالیا۔ اگر اُس دن قاسم کی ذات سے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہوتا تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے اٹھوالی جاتی۔''

''لیکن مقصد.....!'' آئی جی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا.....اور فریدی اس سلسلے کے بعض واقعات کو دہراتا ہوا بولا۔ ''میں اُسی وقت کھٹک گیا تھا جب مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک آدمی پولیس آفیسر کے بھیس میں سعیدہ کے مکان سے وہ وزیٹنگ کارڈ جھٹک لے گیا جو اُس نے اکٹھا کئے تھے۔ اگر اس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوتی تو شائد میں ابھی تک اندھیرے ہی میں بھٹکتا ہوتا۔ بہر حال وہ کارڈ اسی لئے اڑا لئے گئے تھے کہ پولیس اس کے ملنے جلنے والوں کی شخصیتوں سے لاعلم رہے۔''

''مگر کیوں.....!'' آئی جی نے بے چینی سے کہا۔ ''اصل بات بتاؤ۔''

''اصل بات یہ ہے کہ وہ اس کے خواستگاروں سے لمبی لمبی رقمیں وصول کرنا چاہتا تھا۔ یقین کیجئے کہ اُس نے اس معصوم لڑکی پر جو تیس ہزار روپے خرچ کئے تھے ان سے کم از کم کروڑ پتی ضرور ہو جاتا۔ اس کی لسٹ پر تیس آدمی تھے۔ آج میں نے اُس کے جو دو عدد خطوط شہر کے دو بڑے آدمیوں سے حاصل کئے ان میں اس نے ہر ایک سے چار چار لاکھ کا مطالبہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سعیدہ کو صرف آپ ہی کی ذات سے اس کی توقع ہے کہ اُس کی رہائی کے لئے چار لاکھ خرچ کر دیں گے۔ لیکن اگر اس کی اطلاع پولیس کو دی گئی تو آپ چالیس لاکھ میں بھی سعیدہ کو نہ حاصل کر سکیں گے اور وہ مار ڈالی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ اُن تیسوں آدمیوں کو اسی قسم کے خطوط لکھے گئے ہوں گے۔ اب آپ خیال

رہائیے۔ ان میں سے ہر ایک یہی سوچ رہا ہوگا کہ وہ سعیدہ کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تبھی تو اس نے خصوصیت سے اُسی کی ذات سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ اُس کے لئے چار لاکھ خرچ کر دے گا.....پھر چار کیا.....وہ ایک ارب پتی لڑکی کے لئے چالیس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔''

''میرے خدا.....!'' آئی جی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ ''تم ٹھیک کہتے ہو۔''

سعیدہ وہاں موجود تھی اور بہت بُرا سا منہ بنائے ہوئے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی فریدی خاموش ہوا اُس نے کہا۔ ''مگر میرے چچا کا کرم رحمان ہی نام تھا.....اور وہ بچپن ہی سے.....!''

''ننھی بچی.....!'' فریدی مغموم لہجے میں بولا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ تمہارے ہوائی قلعے مسمار ہو گئے۔ پچھلے سو سال سے جمیکا میں کرم رحمان نام کا کوئی بڑا آدمی نہیں گزرا۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے یہ تیس ہزار روپے اسی لئے صرف کئے تھے کہ پولیس بھی دھوکا کھا جائے اور جمیکا سے تحقیقات کرنے کی زحمت گوارا کرے۔ میں بھی قطعی نہ کرتا.....مگر.....وہ وزیٹنگ کارڈز.....اسی جگہ ڈاکٹر ڈریڈ جیسا چالاک آدمی چوک گیا تھا.....اگر اُسے وزیٹنگ کارڈ حاصل ہی کرنے تھے تو کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتا.....لیکن وہ پولیس آفیسر والا فراڈ.....فراڈ نہیں بلکہ ایک بچکانہ حرکت تھی۔''

''مگر پھر.....یہ قاسم اور پرویز کا کیا جھگڑا تھا۔'' آئی جی نے پوچھا۔

''وہ میری ہی ذات سے بڑھا تھا اور اس لئے بڑھا تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو دھوکے میں رکھنا مقصود تھا۔ وہ یہی سمجھتا رہا کہ پولیس انہیں دونوں میں سے کسی پر شک کر رہی ہے۔ اس طرح وہ بے احتیاط بھی ہو گیا اور میں اس کے گرد اپنا جال بنتا رہا۔ ڈریڈ نے اُن دونوں بڑے آدمیوں کو بھی لکھا تھا کہ وہ قاسم اور پرویز کے معاملے سے تذبذب میں نہ پڑیں۔ وہ معاملہ تو محض پولیس کا دھیان اُدھر بٹا دینے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔''

آئی جی سعیدہ کو بہت حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ اب شائد وہ شہر کی ایک معزز خاتون نہیں رہی تھی۔ اب شائد وہ اس قابل بھی نہیں تھی کہ کوئی اس سے اتنا ہی پوچھ لیتا کہ تمہیں گھر تک پیدل تو نہ جانا پڑے گا۔ لیکن اب سے ایک گھنٹہ قبل اس کے لئے تجوریوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔

اس وقت وہ بھی ایک لاش ہی معلوم ہو رہی تھی لیکن اُس لاش میں قہقہہ لگانے کی سکت نہیں تھی۔

جاسوسی دنیا نمبر 63

ڈاکٹر ڈریڈ

(چوتھا حصہ)

پُر اسرار آواز

گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ پہیوں کے نیچے روڑیاں کڑکڑائی تھیں اور شاید گھوڑا زمین پر ٹاپیں مارنے لگا تھا۔ شاہینہ نے کھڑکی کھول دی لیکن باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں اُسے کچھ نہیں دکھائی دیا۔ اُس نے نوکروں کو تاکید کردی تھی کہ پورچ کی روشنی رات بھر گل نہ کی جائے۔ شاہینہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی۔ اُس نے تہیہ کرلیا تھا کہ آج وہ اپنی ماں سے لڑ جائے گی۔

کئی راتوں سے وہ محسوس کررہی تھی کہ بیگم ارشاد کافی رات گئے تک گھر سے باہر رہتی ہے اور کار کی بجائے گھوڑا گاڑی استعمال کی جاتی ہے۔ رات گئے تک گھر سے باہر رہنا بھی بیگم ارشاد کے لئے خلاف معمول تھا لیکن کار کی بجائے گھوڑا استعمال کرنا خاص طور پر حیرت انگیز تھا کیونکہ اُسا سے پہلے انہیں کبھی گھوڑا گاڑی استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا تھا۔ گھوڑا گاڑی دراصل شاہینہ ہی کو پسند تھی اور اکثر اس کی شام کی تفریح کے لئے استعمال میں رہا کرتی تھی۔

شاہینہ اپنے کمرے سے نکلی اور طویل راہداری سے گذرتی ہوئی بیرونی برآمدے میں آگئی۔ کوئی پورچ سے برآمدے میں داخل ہورہا تھا۔ آسمان کے پس منظر میں اُس کی پرچھائیں ہی نظر آرہی تھی۔

"کون ہے؟" شاہینہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں پوچھا اور سایہ رک گیا۔

"کون ہے۔ جواب دو۔ ورنہ میں فائر کر دوں گی۔"

"شاہینہ۔" اُس نے اپنی ماں کی بھرائی ہوئی سی آواز سنی۔

"کون.... ممی.... آپ....!"

پرچھائیں اُس کے قریب سے گذرتی ہوئی راہداری کے اندھیرے میں گم ہو گئی۔ شاہینہ اُس کے پیچھے بڑھی اور پھر اُن کی ملاقات ایک روشن کمرے میں ہوئی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی لیکن اُس نے شاہینہ سے آنکھیں نہیں ملائیں۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے اور چہرہ زرد نظر آ رہا تھا۔

"ممی مجھے حیرت ہے۔" شاہینہ بڑبڑائی۔

"اوہ.... میں دراصل۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں ایک ضروری کام سے باہر گئی تھی۔"

"مگر آپ نے کبھی گھوڑا گاڑی نہیں استعمال کی۔"

"بس یونہی....!"

"میں کئی راتوں سے محسوس کر رہی ہوں کہ آپ کافی رات گئے گھر واپس آتی ہیں۔"

"جاؤ.... سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے جھلا کر کہا۔ "تمہیں ان باتوں سے سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"اور آپ کو سروکار ہونا چاہئے۔ اگر میں نو بجے رات کو بھی گھر واپس آؤں۔"

"جاؤ.... لڑکی خدا کیلئے مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"میں آپ کو کئی دنوں سے پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"شاہینہ جاؤ.... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیٹی۔"

"ممی آپ مجھ سے کیا چھپا رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے آج تک مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔"

"میں.... کچھ نہیں چھپا رہی ہوں بیٹی! میں دراصل آج کل دل کی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔" دفعتاً اُس کا چہرہ اس طرح معمول پر آ گیا جیسے اُسے کوئی اچھا سا بہانہ ہاتھ آ گیا ہو۔ پھر اُس نے طویل سانس لے کر کہا۔ "مجھے اکثر گھر سے وحشت سی ہونے لگتی ہے۔ میں گاڑی لے کر نکل جاتی ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش رہ کر ہنسی اور بولی۔ "تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ گاڑی بھی میں خود ہی ہانکتی ہوں۔"

"لیکن آپ کسی ڈاکٹر سے کیوں نہیں رجوع کرتیں؟"

"یہ ایک وقتی ذہنی تبدیلی ہے۔ ویسے میں اچھی خاصی ہوں۔ مجھے ہوا کیا ہے۔"

ینہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئی اور اب اُسکی تشویش پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

اؤ سو جاؤ۔" بیگم ارشاد نے پھر کہا اور شاہینہ اُس کی پیشانی چوم کر کمرے سے نکل آئی۔ وہ ی روشنیاں گل کرتی ہوئی اپنی خوابگاہ کی طرف جا رہی تھی کہ اُس نے پھر کچھ آہٹیں چلتے چلتے رک گئی۔

ے پھر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی صدر دروازے والی راہداری میں چل رہا ہو۔ شاہینہ میں خاموشی سے کھڑی رہی۔

موں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ شاہینہ بھی صدر دروازے کی طرف بڑھی لیکن اس بار اہداریاں نہیں روشن کیں۔ پورچ میں پھر اُسے ایک تاریک سایہ نظر آیا اور بیگم ارشاد ور کوئی نہیں ہو سکتا تھا شاید وہ اب بھی اُسی سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی تھی۔

نہ دیوار سے لگی کھڑی رہی۔ سایہ پورچ سے نکل کر لان پر آ گیا۔

پھر شاہینہ نے اُسے کمپاؤنڈ کے اُس حصے کی طرف مڑتے دیکھا جہاں پالتو جانوروں کے ے۔ وہ بھی پورچ سے نکل آئی اور دیوار سے لگ کر چلنے لگی۔ بار بار اُس کا لباس مالتی کی ے الجھتا اور وہ رک جاتی۔

نے اُس راستے کو اس لئے ترجیح دی تھی کہ بیگم ارشاد کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔ قدِ آدم کے دوسری طرف وہ بیگم ارشاد کو صاف دیکھ رہی تھی لیکن اگر بیگم ارشاد خاص طور پر کی کوشش کرتی تو اسے اُس کے سر کے علاوہ اور کچھ نہ نظر آتا کیونکہ وہ مالتی کی باڑھ ا تھی۔

یوں کا سلسلہ جانوروں کے کٹہرے کے قریب ختم ہو گیا۔ دوسری طرف بیگم ارشاد ئی تھی۔

دیر کر دی" شاہینہ نے کسی مرد کی آواز سنی۔ جملہ انگریزی میں کہا گیا تھا۔ تھوڑی دیر واز نہیں آئی۔ شاہینہ کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔

مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔

اس پر مجبور ہو۔" مرد نے کہا۔

بیگم ارشاد کی آواز نہیں سنائی دی۔

..... خاموش کیوں ہو گئیں۔ کیا آج بھی کچھ نہیں ہو سکا؟"

....!" بیگم ارشاد کی آواز آئی۔

"تب تو تمہارے بُرے دن قریب آگئے ہیں۔"

"دیکھو۔ خدا کے لئے مجھے برباد نہ کرو۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ اپنی بربادی کا باعث تم خود بنو گی۔"

"میرے خدا میں کیا کروں!"

"وہی جو کہا جارہا ہے۔" مرد نے کہا۔ "ورنہ تم دیکھ رہی ہو میری قوت.... تم جیسی عورت شہر کی متعفن گلیوں میں ٹھوکریں کھاتی پھر رہی ہے۔"

"رحم کرو۔" بیگم ارشاد گڑگڑائی۔

"میں رحم بھی کر سکتا ہوں مگر اُسی صورت میں جب میرے کہنے پر عمل کیا جائے۔ اُسے کبھی نہ پاسکو گی۔ اس خیال میں نہ رہو کہ وہ مرچکا ہے۔"

پھر سکوت طاری ہو گیا۔ شاہینہ کو اپنے دل کی دھڑکنیں سر میں دھمکتی محسوس ہو رہی وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتی رہی لیکن اُسے اپنی ماں کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر اُس نے اُسے بھی عمارت کی طرف واپس جاتے دیکھا۔ وہ چلی گئی اور شاہینہ نے بعد صدر دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

وہ وہیں کھڑی رہی۔ اُسے سخت حیرت تھی کہ وہ آدمی کون ہے۔ گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی اور اُس کا لہجہ غیر ملکیوں کا سا تھا۔

آخر وہ اُس کی ماں کو اس طرح خوفزدہ کیوں کر رہا تھا اور وہ کس لئے اُسے شہر کی متعفن گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ بیگم ارشاد ایک مالدار بیوہ تھی۔ شہر کی ذی عزت میں اُس کا شمار ہوتا تھا۔ وہ پارلیمنٹ کی ممبر بھی تھی۔ بیگم ارشاد ایم۔ پی سے شہر کا بچہ بچہ کیونکہ سماجی بہبود کے سارے کاموں کے سلسلے میں اُس کا نام سر فہرست ہوا کرتا تھا۔

شاہینہ خیالات میں کھوئی کھڑی رہی۔ اُسے اس کا احساس بھی نہیں تھا کہ صدر دروازہ سے بند ہو جانے کے بعد اپنی خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اُس میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ اُس جگہ جاتی جہاں اُس کی ماں نے کھڑی ہو کر اُس آدمی سے گفتگو کی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ عمارت کی طرف واپس ہوئی۔

خواب گاہ تک پہنچنے کے لئے اُسے کافی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ کھڑکی زمین سے فٹ اونچی تھی اور یہی غنیمت تھا کہ وہ اُسے کھلا چھوڑ آئی تھی۔ ورنہ یا تو اُسے رات بسر کرنی پڑتی، یا پھر بیگم ارشاد کو معلوم ہو جاتا کہ اُس نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

ات بھر ٹھیک سے نہ سو سکی۔ بار بار اُسے وہی واقعات یاد آتے اور ایک انجانا سا خوف اُس پر مسلط ہوتا جاتا۔ وہ جانتی تھی کہ بیگم ارشاد اُسے کچھ نہیں بتائے گی۔ اس لئے اُس کی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ری صبح اُس نے کرائم رپورٹر انور کو فون کیا جس کی اُس سے اچھی خاصی جان پہچان بھی جانتی تھی کہ انور اکثر لوگوں کے لئے کام کرتا رہتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی طرح محض ایک نظر دیکھ لینے کی فیس بھی وصول کر لیتا رہا ہو۔

نے اُس سے درخواست کی کہ وہ صرف پندرہ منٹ کے لئے ارشاد منزل آجائے لیکن اف انکار کردیا۔ اُس نے کہا کہ وہ چار بجے شام کو اپنے فلیٹ میں مل سکتا ہے۔

کو اُس پر بڑا غصہ آیا لیکن خاموش ہی رہ گئی کیونکہ اُسے اُس سے ایک کام لینا تھا۔ الٹرا موڈرن قسم کی لڑکی تھی۔ سوسائٹی کی روح رواں۔ شاید ہی کبھی کوئی اُس کی استدعا د۔

بجے وہ انور کے فلیٹ میں جا پہنچی۔ وہ موجود تھا۔ اُس نے واقعات سنے اور بُرا سا منہ بنا کر میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ جوانی کے رومان عموماً بڑھاپے ہی میں آدمی کو شاعری مجبور کرتے ہیں۔"

مطلب....؟"

مطلب صاف ہے۔ بیگم ارشاد جیسی ارب پتی عورتوں کے لئے کس قسم کے مسائل پیدا کر سکتے ہیں۔ کس قسم کے لوگ انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر لتے ہیں۔ کیا وہ آدمی کوئی بلیک میلر نہیں ہو سکتا....؟"

تو تمہیں معلوم کرنا ہے۔"

اس کے بعد؟"

کے خلاف قانونی کارروائی۔"

بیگم ارشاد خود ہی کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتیں؟"

نہیں۔"

ان حسین گھونگھریالے بالوں کے نیچے مغز نہیں ہے؟" انور نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ک جس قدر اپنے جسم کو سنوارتی ہو اُسی طرح ذہن کو بھی نکھارو تو کیا بُرائی ہے۔"

کی اسکول ماسٹر سے میٹرک پاس کرنے کا نسخہ معلوم کرنے کے لئے نہیں آئی۔"

شاہینہ بھی جھلا گئی۔

"تو جاؤ.... تمہیں روکا ہے کسی نے۔"

"تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"ہاں.... پہلے ہی سے تھا۔ میں اُس وقت بھی مغرور تھا جب اسی شہر میں اکثر میری راتیں فٹ پاتھوں پر گذری ہیں۔ ویسے مجھے خوش رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پہلے کچھ نکال کر سامنے والی میز پر رکھ دو پھر مجھ سے گفتگو کرو۔"

شاہینہ چند لمحے اُسے تنفر آمیز نظروں سے گھورتی رہی پھر بیگ سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر میز پر پھینکتی ہوئی بولی۔ "یہ ایک ہزار ہیں۔"

انور نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک لڑکا کمرے میں داخل ہوا اور انور نے اُس سے کہا۔ "چائے۔" پھر شاہینہ سے پوچھا۔ "محترمہ آپ چائے مناسب سمجھیں گی یا کافی؟"

"کچھ بھی نہیں۔ مجھے زیادہ نہ چڑھاؤ۔ کام کی بات کرو۔"

انور نے لڑکے کو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں یہ عرض کر رہا تھا محترمہ کہ اگر بیگم ارشاد اُس کے خلاف کوئی قانونی کاروائی کر سکتیں تو انہیں شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"پھر کیا ہو سکے گا۔"

"یہ ممکن ہے کہ اُس بلیک میلر کو اُن کے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ لیکن.... یہ ایک کام ہے۔ اخراجات.... بے تحاشہ ہوں گے۔"

"پھر وہی اخراجات....!" شاہینہ اُسے گھورنے لگی۔

"اوہو.... مجھے اطمینان ہے۔ شاہینہ ارشاد مجھ سے گفتگو کر رہی ہیں۔ ہاں تو آپ کا خیال ہے کہ وہ کوئی غیر ملکی تھا؟"

"لہجے سے یہی معلوم ہوتا تھا۔"

"انگریز؟"

"مجھے اس کا سلیقہ نہیں ہے۔ بس ملکی اور غیر ملکی لہجے میں فرق کر سکتی ہوں۔"

"خیر! بیگم ارشاد کے ملنے جلنے والوں میں کسی غیر ملکی سے واقف ہیں آپ؟"

"بہتیرے ہیں.... لیکن....!" شاہینہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ "لیکن وہ دونوں۔"

"کون دونوں؟"

"میرا خیال ہے کہ اُن دونوں پر شبہہ کیا جا سکتا ہے۔ ممی انہیں پسند نہیں کرتیں لیکن پھر بھی وہ کبھی کبھی ہمارے گھر آتے رہتے ہیں۔"

"میں اب نہیں پوچھوں گا وہ کون ہیں۔" انور جھنجھلا گیا۔

"دو انگریز باپ بیٹے۔ راجر ڈنکی ٹیل اور ہنٹر ڈنکی ٹیل۔ یہ دونوں ابھی حال ہی میں انگلینڈ سے آئے ہیں اور ممی سے یہاں کی صنعتوں میں اشتراک کرنا چاہتے ہیں۔"

"بیگم ارشاد انہیں ناپسند کیوں کرتی ہیں؟"

"وہ سچ مچ ڈنکی ٹیل ہیں پرلے سرے کے گدھے۔"

"آپ اُن کی آوازیں تو پہچانتی ہی ہوں گی؟"

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی۔"

"کیا پچھلی رات بولنے والا اُن میں سے کوئی تھا؟"

"میں اندازہ نہیں کر سکی۔ مجھے دراصل ہوش ہی نہیں تھا۔"

"اگر بیگم ارشاد کو معلوم ہو گیا کہ میں اُن کی ٹوہ میں ہوں تو وہ کیا کریں گی۔"

"کچھ بھی کریں لیکن اس سلسلے میں میرا نام نہ لیا جائے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ وہ مجھے ان حالات سے لاعلم رکھنا چاہتی ہیں۔"

"اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔"

"پرسوں میری سالگرہ ہے۔" شاہینہ نے کہا۔ "میں تمہیں مدعو کروں گی۔ اُس بھیڑ میں تمہیں کام کرنے کا بہترین موقع مل سکے گا۔"

انور چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ معاوضہ کیا لو گے؟"

"یہ ایک ہزار خرچ ہو جانے کے بعد ہی اندازہ کر سکوں گا۔" انور نے میز پر پڑی ہوئی گڈی کی طرف اشارہ کیا۔

"تم آخر پیسوں پر اس بُری طرح کیوں جان دیتے ہو؟"

"پیسے....!" انور ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "کیونکہ یہ مجھ تک غیر متوقع طور پر پہنچتے ہیں۔ آج صبح ہی میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے مالک مکان کی بیوی سے عشق کرنا ہی پڑے گا کیونکہ چار ماہ سے فلیٹ کا کرایہ نہیں ادا ہو سکا تھا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں آپ سے اس پر بحث نہیں کروں گا کیونکہ ابھی آپ سے مزید آمدنی کی توقع ہے۔"

"تو تم آج سے کام شروع کر رہے ہو؟"

"اسی وقت سے.... اور یہ کام چند سوالات سے شروع ہو جائے گا۔ پہلا سوال۔ کیا بیگم ارشاد کے کسی ایسے دوست کو آپ جانتی ہیں جو اُن کے طبقے سے تعلق نہ رکھتا ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ ایسا دوست جس کی تلاش میں وہ شہر کی گندی گلیوں میں ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں تمہارا مطلب!" شاہینہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم ہمارا مذاق اڑانا چاہتے ہو۔"

"میں صرف معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔"

"لیکن میرا یہ سوال تمہارے شبہات سے بہت قریب ہے کیوں؟"

"تم نے فرض کرلی ہے یہ بات؟"

"نہیں یہ حقیقت ہے۔ تم بھی وہی سوچتی ہو جو میرے ذہن میں ہے۔ ورنہ تم یہاں آنے کی بجائے محکمۂ سراغ رسانی کے آفیسر سے ملتیں۔"

شاہینہ کچھ نہ بولی۔ انور نے چند لمحے خاموش رہ کر کہا۔ "جوانی کی لغزشیں اکثر بڑھاپے میں پھانسی کا پھندہ بن جاتی ہیں۔"

"تم بدتمیز ہو۔"

"یقیناً! چونکہ تم سے مزید رقم ملنے کی توقع ہے اسلئے میں اس خیال کی تردید نہیں کروں گا۔"

"نہیں۔ میں کوئی اور ذریعہ تلاش کروں گی ورنہ تم اسی طرح ہماری توہین کرتے رہو گے۔"

"شوق سے۔ روپے اٹھاؤ اور راستے سے تو واقف ہی ہو۔ اسی لئے میں نے انہیں ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ورنہ شاید میں وعدہ کرلیتا کہ توہین نہیں کروں گا۔"

"تم سچ مچ کریک ہو۔"

"بات ختم ہو گئی۔ اس لئے اس خیال سے متفق نہیں ہو سکوں گا۔ تم جا سکتی ہو۔"

"میں کہتی ہوں تمہیں یہ کام کرنا ہی ہوگا۔ ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔"

"چلتے چلاتے اتنی نصیحت ضرور کروں گا کہ آئندہ کسی مرد سے اس انداز میں گفتگو نہ کرنا،

نہارے طبقے میں مرد ہوتے ہی کہاں ہیں۔"

"انور....!"

"میں سن رہا ہوں۔"

"خدا کے لئے میری مدد کرو۔ ممی خطرے میں ہیں۔ میں استدعا کرتی ہوں۔"

انور نے نوٹوں کی گڈی اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔ چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر ا کر بولا۔ "جاؤ.... کام شروع ہو چکا ہے۔ جلد ہی نتیجے سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ ہاں مجھے اپنی ڑہ کے موقع پر مدعو کرنا مت بھولنا۔"

شاہینہ خاموش رہی وہ کچھ سوچنے لگی تھی۔

وحشت

کیپٹن حمید نے اپنی رفتار تیز کر دی مگر شاید وہ لڑکی چھلاوہ تھی۔ اگلے ہی موڑ پر وہ اس طرح ب ہوئی جیسے اُس کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس پر بڑا ظلم ہوا ہو۔ وہ چند لمحے چوراہے پر کھڑا رہا پھر مخالف سمت میں چل پڑا۔

لڑکی کا تعاقب اُس کی اُفتادِ طبع کا نتیجہ تھا۔ بلکہ یہ اُس کی ڈیوٹی تھی۔ وہ آج تقریباً ایک ہفتے اُس لڑکی کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا۔ لیکن اسطرح نہیں کہ اُس سے مل بیٹھتا۔ اُس آج تک اُس سے گفتگو بھی نہیں کی تھی۔ اس سلسلے میں فریدی کے سخت ترین آرڈر تھے۔

شاید حمید اب تک سینکڑوں بار اُسکے ساتھ شہر کی بہترین تفریح گاہوں میں رقص کر چکا ہوتا۔

لڑکی بڑی دلکش تھی لیکن حمید اب تک اندازہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ کس ملک یا نسل سے تعلق ی ہے۔ ویسے اُس کی رنگت گوری تھی۔ آنکھیں سبز اور وہ یوروپینوں کی طرح اسکرٹ پہنتی حمید کا خیال تھا کہ اُس کی چال بھی بڑی دلکش ہے۔

ایک بات اور بھی پسند تھی وہ یہ کہ وہ لڑکی عام عورتوں کی طرح نہ تو لپ اسٹک استعمال تھی اور نہ اُس کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی رخساروں پر ہلکا سا روژ نظر آتا تھا۔

حمید اُس کے متعلق سوچتا ہوا چلتا رہا۔ فریدی نے اس "نگرانی" کی غرض و غایت نہیں بتائی

تھی اور حمید کی معلومات ابھی تک اتنی ہی تھیں کہ وہ دلشاد بلڈنگ کے ایک فلیٹ میں رہتی ہے ایک مقامی فرم میں کام کرتی ہے اور اُس کا نام میری سنگلٹن تھا۔ حلقہ احباب کے متعلق حمید کا یہی اندازہ تھا کہ وہ زیادہ وسیع نہیں ہے۔

ان چند باتوں کے علاوہ ابھی تک کچھ بھی نہیں معلوم کر سکا تھا۔ لیکن وہ لڑکی اُسے حقیقتاً پُر اسرار معلوم ہوتی تھی۔

اور آج تو اُس نے کمال ہی کر دیا تھا۔ پتہ نہیں اُسے زمین نگل گئی تھی یا وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔ حمید نے اُسے کسی عمارت میں بھی داخل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اُسے علم ہو گیا ہے کہ اُس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

آج کل فریدی پر "نگرانیوں" کا بھوت سوار تھا۔ وہ شہر کے تقریباً ڈیڑھ درجن افراد کی نگرانی کرا رہا تھا۔ مگر حمید اُس کا شکر گذار تھا کہ وہ لڑکی اُس کے حصے میں آئی تھی ورنہ نگرانی سے زیادہ اکتا دینے والا کام شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور پھر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف بڑھا۔

کچھ دیر بعد وہ لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ گھر ہی پر ہو گی۔ اُس کا خیال غلط نہیں تھا۔ ریکھا مل گئی۔ اُس نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے ریکھا سے کہا کہ وہ پندرہ منٹ کے اندر اندر آرلکچو میں پہنچ جائے۔ ریکھا نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ وہ اُسے کیوں طلب کر رہا ہے۔

ٹیلی فون بوتھ سے نکل کر حمید نے ایک ٹیکسی کی اور آرلکچو آ پہنچا مگر حقیقت تو یہ تھی کہ اب ان ہوٹلوں والی تفریحات سے اکتا گیا تھا۔ مگر کرتا بھی کیا۔ کہاں جاتا۔

تفریح اور لیڈی انسپکٹر ریکھا کے ساتھ؟ یہ بھی ایک سوال تھا کیونکہ وہ آج کل حمید سے بُری طرح خار کھائے ہوئے تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فون کرتے وقت حمید کو فریدی کا رول ادا کرنا پڑا تھا.... وہ ایک ایسے گوشے میں بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا جہاں داخل ہوتے ہی ریکھا کی نظر اُس پر نہ پڑ سکے۔

کچھ دیر بعد ریکھا صدر دروازے میں دکھائی دی۔ ہال کے وسط میں پہنچ کر وہ پھر رکی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی نظر حمید پر پڑی اور حمید نے کچھ اس طرح منہ پھیر لیا جیسے وہاں اُس کی موجودگی اُسے کھل گئی ہو۔

ریکھا ریکریئیشن ہال کی طرف بڑھ گئی۔ حمید جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر ڈائیننگ

ہال میں واپس آئی۔ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی میز کے قریب آ کر بولی۔ "کرنل صاحب کہاں ہیں؟"

"پتہ نہیں۔" حمید نے خلاف توقع بڑی سنجیدگی اور شرافت سے جواب دیا۔ "میں آدھے گھنٹے سے اُن کا منتظر ہوں۔ انہوں نے فون پر کہا تھا کہ آرلکچو میں ملو۔"

"مجھ سے بھی یہی کہا تھا۔" وہ چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ غالباً سوچ رہی تھی کہ اُسی میز پر بیٹھ جائے یا کوئی دوسری جگہ منتخب کرے۔

"بیٹھو....!" حمید نے کہا اور وہ غیر ارادی طور پر بیٹھ گئی۔

حمید خاموش ہی رہا اور اُس کے اس رویے کو ریکھا حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کب فون کیا تھا؟"

"شاید آدھ گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"کیا حماقت ہے.... میں تو تنگ آ گیا ہوں اس ملازمت سے۔"

"ممکن ہے کسی وجہ سے ہماری موجودگی یہاں ضروری ہو۔"

"ان ممکنات اور ناممکنات نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔"

"تو پھر تم استعفٰی کیوں نہیں دے دیتے؟"

"کیا اُس کے بعد جان بچ سکے گی۔ فادر ہارڈاسٹون مجھے زندہ رہنے دے گا؟"

"آج کل کیا چکر ہے؟"

"وہی پرانا چکر۔ کوئی ایسی لڑکی نہیں ملتی جو شادی کے لئے تیار نہ ہو۔"

"اب مجھے اٹھ جانا چاہئے۔" ریکھا بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"پھر تم نے چکر کے متعلق کیا پوچھا تھا؟"

"میرا مقصد تھا کہ آج کل کون سا کیس ہے تم لوگوں کے پاس؟"

"سوٹ کیس....!" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اور اُس میں بچھو بھرے ہوئے ہیں۔ ریکھا یا تم کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"ہوتی ہوں۔ جب تم اوٹ پٹانگ باتیں کرنے لگتے ہو۔"

حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

ریکھا نے کچھ دیر بعد کہا۔ "لیکن آج کل تم بہت بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہو؟"

"تمہیں کیا.... میں جہنم میں جاؤں۔"

"کچھ بھی نہیں.... ضرور جاؤ۔"

"وہاں بھی تمہارے لئے ٹھنڈی آہیں بھرتا رہوں گا۔"

"ضرور ضرور....!" ریکھا مسکرائی۔ "کیا تم بھی ٹھنڈی آہیں بھرنا چاہتے ہو؟"

"اتنی زیادہ کہ اگر کبھی تمہاری سائیکل کی ہوا نکل جائے تو میرے پاس لانا۔"

"تم کب تک یہاں بیٹھو گے؟"

"جب تک کہ فادر ہارڈاسٹون نہ آجائے۔"

"مگر میرے لئے یہ پہلا اتفاق ہے۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تم دونوں روزانہ یہاں ملا کرتے ہو۔"

"پھر بکنے لگے۔ میں یہ کہہ رہی تھی کہ فریدی صاحب نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ مجھے بلا کر خود غائب ہو جائیں۔"

"تمہیں فون کرنے کے بعد کوئی دوسری مل گئی ہو گی۔"

"تم حد درجہ بدتمیز ہو۔" ریکھا بگڑ گئی۔

"ذرا آہستہ بولو ورنہ آس پاس والے تمہیں کوئی بد مزاج بیوی سمجھ لیں گے اور میرا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ ابھی تو شہر کی لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ کنوارا ہے جائے گا کہاں۔"

"میں اب یہاں نہیں بیٹھوں گی۔"

"اس ضد پر جہاں بھی بیٹھو گی میرا جلوہ ہر حال میں قریب سے نظر آئے گا۔ لہٰذا مناسب ہے کہ یہیں بیٹھی رہو۔"

"تم گدھے ہو۔"

"بالکل....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "میں نے آج تک اس کی تردید نہیں کی لیکن پھر بھی کوئی لڑکی مجھے اپنا شوہر بنانا پسند نہیں کرتی۔"

"اس تذکرے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"ہے کیوں نہیں۔ بینک بیلنس بھی ہے لیکن پھر بھی کوئی متوجہ نہیں ہوتی۔"

"اپنی شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں؟"

"صبح شام دیکھتا ہوں لیکن اپنی پیشانی پر تمہارا نام لکھا ہوا آج تک نہیں دیکھا۔"

"میرا نام میری چپلوں کے تلووں سے سروں پر چھپتا ہے۔"

"سبحان اللہ! تو آج کل تم چھاپہ خانہ ہو رہی ہو۔"

"اور آج کل تم ذہنی دیوالیہ پن کا شکار ہو رہے ہو۔"

"یہ بھی درست ہے۔ اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ آج تم دو ایک راؤنڈ میرے ساتھ ناچ ڈالو۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ میری ذہنی موت آج ہی واقع ہو جائے۔"

"مجھے ان لغویات سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ ہنسی آتی ہے اُن گدھوں پر جو ناچتے ہیں۔"

"اس کے باوجود بھی کرنل ہارڈاسٹون کو تمہاری پرواہ نہیں ہو گی.... ارر.... ہمپ....!"

حمید چونک کر ایک طرف دیکھنے لگا۔ ریکھا بھی مڑی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ حمید چونکا کیوں تھا۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

"یہ لڑکی انور کے ساتھ کیوں نظر آرہی ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"کون لڑکی.... ہاں ہے تو.... مگر وہ کون ہے؟"

"ایک جوان اور خوبصورت لڑکی۔ ویسے بعض لڑکیاں بوڑھی بھی ہوتی ہیں اور بدصورت بھی۔"

"تم کوئی غصہ دلانے والی بات کہہ رہے تھے پھر پلٹ گئے۔"

"ہائے غصہ دلانے والی۔ تو وہی تذکرہ چھیڑوں۔ کرنل ہارڈاسٹون والا۔"

"تم بیہودے ہو۔"

"آخر مجھ میں کیا خرابی ہے؟"

"شٹ اَپ...!"

"ارے اگر وہ اس صدی کا سب سے عجیب آدمی ہے تو میں آنے والی صدیوں کا عجیب ترین آدمی بھی ہو سکتا ہوں۔ مگر فی الحال اس تذکرے کو یہیں رہنے دو۔ آخر یہ شاہینہ انور کے ساتھ کیوں ہے۔"

"تمہارے ساتھ ہونا چاہئے اسے؟"

"لاحول ولا قوۃ تمہاری موجودگی میں مجھے کوئی بوڑھی بکری بھی پسند نہیں آسکتی۔"

"اگر میں نے تمہیں یہیں مردانہ لہجے میں گالیاں دینی شروع کیں تو کیا ہو گا۔"

"بڑے مردانہ انداز میں میرے ہاتھ چلیں گے۔ شروع ہو جاؤ۔"

ریکھا انور اور شاہینہ کی طرف دیکھتی رہی۔ انور سیاہ سوٹ اور بے داغ سفید قمیض میں بڑا شاندار لگ رہا تھا اور شاہینہ اگر مرد ہوتی تو یقینی طور پر اُسے نمونیہ ہو گیا ہوتا۔ پتہ نہیں کیوں؟ حمید بھی سوچ رہا تھا۔ اُس نے ریکھا سے کہا۔ "کیا یہ عورتیں انگارے کھاتی ہیں؟"

"کیوں؟"

"کتنی شدید سردی ہے اور یہ شاہینہ ایک بالشت کے بلاؤز میں ہے۔ آدھا پیٹ کھلا ہوا ہے۔"

"تو کیا یہ یونہی آئی ہوگی۔" ریکھا نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسکا کوٹ کلوک روم میں ہوگا۔"

"ارے تو کیا یہاں سردی نہیں ہے؟"

ریکھا کچھ نہ بولی۔ حمید نے کچھ دیر بعد اُس سے کہا۔ "اگر آج تم میری ہم رقص نہ بنیں تو انتقام بڑا بھیانک ہوگا۔"

ریکھا نے اس طرح گردن جھٹک دی جیسے کوئی مچھر اُس کے کانوں کے قریب شیام کلیان الاپ رہا ہو۔

"تم نہیں سمجھتیں وہ انور کا پٹھا مجھے بہت حقیر سمجھے گا۔ اگر ایک راؤنڈ بھی اُس کبوتری کے ساتھ ناچ لیا۔"

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے میں تمہیں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی زبردستی ہے۔" ریکھا جھنجھلا گئی۔ "تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

حمید وہاں سے اٹھا اور تیزی سے چلتا ہوا ریکریئیشن ہال میں آگیا۔ لیکن ابھی یہاں سناٹا تھا۔

سچ مچ اُسے ریکھا پر تاؤ آگیا تھا لہٰذا وہ اُسے جتا دینا چاہتا تھا کہ آرلکچنو میں اُس کا وقت برباد کرانے والا وہ خود ہی تھا ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہونے پر ریکھا بُری طرح چراغ پا ہوتی۔

وہ پھر ڈائیننگ ہال میں واپس آیا۔ ریکھا بھی شاید اٹھنے ہی کا ارادہ کر رہی تھی۔

"تو تم میری ہم رقص نہیں بنو گی۔؟"

ریکھا کوئی جواب دیئے بغیر جانے کے لئے اٹھی۔

"پھر میں نے تمہیں کس لئے بلایا تھا؟"

"کیا مطلب....؟" ریکھا اُسے گھورنے لگی۔

"کیا میں کرنل کے لہجے کی نقل نہیں اُتار سکتا۔"

"خدا تمہیں غارت کرے۔" ریکھا ایک طویل سانس لے کر بیٹھ گئی۔

"اگر تم اسی لہجے میں بھی ہمیشہ مجھ سے گفتگو کرتی رہو تب بھی غنیمت ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ جب تم غصے کی حالت میں اپنا اوپری ہونٹ سکوڑتی ہو تو میرے دل کی دنیا کس طرح سکڑنے اور پھیلنے لگتی ہے۔"

"اُلو ہو تم....!" ریکھا غصے کی زیادتی میں رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

"اُلو ہی سمجھ کر مجھے زندہ رہنے دو۔" حمید نے غم ناک لہجے میں کہا۔

ریکھا اپنا نچلا ہونٹ چباتی رہی۔ حمید پھر بولا۔ "آخر اس میں تمہارا نقصان کیا ہے۔ اگر کبھی مسکرا کر میری طرف بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تم نے میرا وقت برباد کرایا ہے۔" ریکھا دانت پیس کر بولی۔

"اور تم میری زندگی برباد کردینے پر تلی ہوئی ہو۔" حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔

"بکے جاؤ۔"

"مگر تم اٹھو گی نہیں۔"

"نہیں۔ آج یہاں کچھ ہو کر رہے گا۔"

"یعنی....!"

"بس دیکھ لینا۔ میں تمہارے ساتھ رقص کروں گی۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ریکھا کہیں ویسی ہی کوئی حرکت نہ کر بیٹھے جیسی ایک بار رکل نائٹ کلب میں کر ڈالی تھی۔

"کیوں....دم نکل گیا نا۔" دفعتاً ریکھا ہنس پڑی۔

"اگر تم اسی طرح ہمیشہ ہنستے رہنے کا وعدہ کرو تو میں اپنی گردن کاٹ کر نیشنل میوزیم میں رکھ دوں۔"

"یہ لڑکی کون ہے؟" ریکھا نے شاہینہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"شاہینہ....ارشاد بیگم کی لڑکی....!"

"اوہ....اچھا یہ وہی شاہینہ ہے جس نے پچھلے سال بیڈمنٹن کی ٹرافی جیتی تھی۔"

"ہاں یہ وہی شاہینہ ہے۔"

"اسے انور کے ساتھ دیکھ کر تم متحیر کیوں ہوئے تھے؟"

"کچھ نہیں۔ انور اُس طبقے کا آدمی نہیں ہے جس سے وہ تعلق رکھتی ہے۔"

"تم بھی تو اُس طبقے کے آدمی نہیں ہو جس سے کرنل فریدی تعلق رکھتے ہیں۔"

"کرنل فریدی کسی طبقے کے آدمی نہیں ہیں۔ ویسے اگر تم انہیں کسی طبقے ہی میں رکھنا چاہتی ہو تو ابھی تک اُس طبقے نے جنم ہی نہیں لیا۔"

حمید گفتگو تو ریکھا سے کر رہا تھا لیکن اُس کی نظر شاہینہ کی طرف تھی۔ انور کئی بار کنکھیوں اُس کی طرف دیکھ چکا تھا لیکن پوری طرح متوجہ ہونے کی کوشش نہیں کی اور نہ حمید ہی نے

اُس کی پرواہ کی۔

"تم اُسے بُری طرح گھور رہے ہو۔" ریکھا نے کہا۔

"ہاں مجھے اُس پر غصہ آرہا ہے۔ آخر یہ اپنا پیٹ کیوں دکھاتی پھر رہی ہے۔ کیا بدمذاقی ہے مجھے بڑی نفرت معلوم ہوتی ہے ایسی عورتوں سے جو اس قسم کے بلاؤز استعمال کرتی ہیں۔ اگر یہاں لنگوٹی لگا کر گھس آؤں تو سارے شہر میں شور ہو جائے گا۔ خیر مذاق چھوڑو سنجیدگی دیکھو۔ میرا خیال ہے کہ جسم کا سب سے بھدا حصہ پیٹ ہی ہے۔"

"اب تم بے تکی بکواس پر اُتر آئے۔ تمہاری کھوپڑی ہے یا سڑک کوٹنے کا انجن؟"

حمید اب بھی شاہینہ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُن کی میز پر کھانے پینے کی کچھ چیزیں تھیں اس وقت وہ دونوں کافی پی رہے تھے۔ شاہینہ کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بات جھنجھلا گئی ہو لیکن چونکہ اُن کی میزوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا اس لئے حمید اُن کی آواز نہیں سن سکتا تھا۔ ویسے شاہینہ کے ہونٹ بہت تیزی سے ہل رہے تھے۔ ساتھ ہی آنکھیں سکڑتی تھیں اور کبھی پھیل جاتی تھیں۔ انور اس طرح اُس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے اُس کی با اُس کے لئے حیرت انگیز اور غیر متوقع رہی ہوں۔

پھر اچانک "چٹاخ" کی آواز آئی اور حمید کی پلکیں ایک لحظہ کے لئے جھپک گئیں کیونکہ آواز اُس تھپڑ کی تھی جو انور کے گال پر پڑا تھا۔

انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن وہ اتنا متحیر تھا کہ پھر وہاں سے ہٹ بھی نہ سکا۔

شاہینہ حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہی تھی۔ "ہاں سور کے بچے۔ میرے پانچ سو پچپن شوہر ہیں تجھ سے مطلب۔ میں پانچ سو پچپن شوہروں کی بیوی ہوں.... کتے.... پھر تجھے کیا۔" پھر وہ کپڑے نوچنے لگی۔ خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ کرسیاں خالی ہونے لگیں۔ اُن دونوں کے گرد بھیڑ جا رہی تھی۔ شاہینہ اب بھی چیخ چیخ کر اپنے پانچ سو پچپن شوہروں کا پروپیگنڈہ کر رہی تھی۔

دفعتاً حمید نے انور کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بھیڑ سے باہر کھینچ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"پتہ نہیں مجھے خود بھی حیرت ہے۔" انور نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔ اُس کے ا سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اس واقعہ ہی سے بے تعلق ہو اور ایک تماشائی سے زیادہ حیثیت رکھتا ہو۔

شاہینہ نے میز الٹ دی۔ مجمع پیچھے ہٹا۔ نہ صرف پیچھے ہٹا بلکہ کائی کی طرح پھٹنے لگا کیو

ہینہ ہاتھ میں آئی ہوئی ہر چیز مجمع پر پھینک رہی تھی۔

"دیکھو....!" حمید نے انور سے کہا۔ "یہ ہوش میں نہیں معلوم ہوتی۔ کیا تم نے اسے کہیں ...ائی تھی؟"

"نہیں....!" انور تشویش کن لہجے میں بولا۔ "کیا یہ کپڑے بھی اُتار پھینکے گی؟"

شاہینہ وحشیوں کی طرح اچھل کود رہی تھی۔ اُس کے بال بکھر گئے تھے اور جسم پر صرف پیٹی اور محرم رہ گئے تھے۔

حمید اور ریکھا

آرلکچو کا منیجر بوکھلایا ہوا چاروں طرف دوڑتا پھر رہا تھا۔ حمید نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر روکتے ئے کہا۔

"اس پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ پھر بتائیے میں کیا کروں؟"

"ایک کمرہ خالی کرا دیجئے۔" انور بولا۔ "ورنہ دیکھئے آپ کا بزنس....!"

"جی ہاں.... جی ہاں۔" وہ پاگلوں کی طرح بولا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

شاہینہ چنگھاڑتی ہوئی فرش پر بیٹھ گئی اور اب دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔

"ہٹ جائیے۔ براہِ کرم۔ ہٹ جائیے۔" حمید مجمع کو ہٹانے لگا۔

لیکن بھلا اُس کی کون سنتا۔ لوگ الٹے اُس پر پھبتیاں کسنے لگے اور پھر اُس کی پیشانی پر تو ...ر نہیں تھا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کا کوئی آفیسر ہے۔ ہو سکتا ہے اُس مجمع میں دو ایک اُس کی ...ن پہچان کے بھی رہے ہوں۔ مجبوراً حمید کو ہوٹل کا لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا پڑا۔

"خواتین و حضرات! براہِ کرم آپ مریضہ کے پاس سے ہٹ جائیے۔" اس کی آواز ہال میں ...گونجی۔ "ان خاتون پر اعصابی دورے پڑتے ہیں.... بہت بہت شکریہ.... مگر بائیں جانب ابھی ...بھیڑ ہے براہِ کرم آپ لوگ بھی ہٹ جائیے۔"

بدقت تمام وہ مجمع ہٹانے میں کامیاب ہوا۔ اتنی دیر میں تین ڈیوٹی کانسٹیبل بھی سڑک پر سے ...آگئے تھے اور شاہینہ اب فرش پر بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ ریکھا نے اُس کا جسم اُس کی

ساڑھی سے ڈھانک دیا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُسے ایک اسٹریچر پر اٹھا کہ منیجر کے خالی کرائے ہوئے کمرے میں لے گئے۔ شاہینہ اب بھی بے ہوش تھی۔ حمید نے ڈاکٹر کے لئے رنگ کیا اور پھر کمرے میں ریکھا اور حمید کے علاوہ کوئی نہ رہ گیا۔ حمید انور کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

"پانچ سو پچپن شوہروں کا کیا قصہ تھا؟" اُس نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔"

"تھپڑ مارنے سے قبل وہ کیا کہہ رہی تھی؟"

"یاد نہیں لیکن وہ گفتگو قطعی ہذیانی قسم کی تھی۔"

"کیا تم دونوں میں عرصہ سے دوستی ہے؟"

"مجھے یاد نہیں۔"

"تم زمین ہی پر ہو نا؟" حمید غرایا۔

"ہاں....!" انور نے لاپروائی سے جواب دیا اور شاہینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"ریکھا....!" حمید بولا۔ "ڈائریکٹری میں بیگم ارشاد کے نمبر دیکھ کر انہیں فون کر دو۔"

"تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔" انور نے حمید کی طرف مڑے بغیر کہا۔

"میں ایک ذمہ دار آفیسر ہوں.... ریکھا.... جلدی کرو۔"

"خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔" انور بڑبڑایا۔

"گٹ آؤٹ!" حمید نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یہ حوصلے ہیں۔" انور اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

"میں تمہیں حراست میں لیتا ہوں۔" حمید غرایا۔ "تم منشیات کی ناجائز تجارت کرتے ہو تم نے اُس لڑکی کو چرس پلائی تھی۔"

"بھنگ....!" انور نے مسکرا کر تصحیح کی۔

"ڈیوٹی کانسٹیبلوں کو اندر بلا لو۔" حمید نے ریکھا سے کہا۔ ریکھا باہر چلی گئی۔

"کیوں شامت آئی ہے۔" انور حمید کو گھورنے لگا۔

"شٹ اپ....!"

"اچھا....!" انور ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "میں شاید حوالات تک بھی نہ پہنچ سکوں لیکن اس کے بعد....!"

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور ڈیوٹی کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے حمید کو سیلوٹ کیا۔

"اس آدمی کو اپنی نگرانی میں رکھو۔" حمید نے انور کی طرف اشارہ کیا۔

"چلئے صاحب۔" ایک کانسٹیبل نے انور کو مخاطب کر کے کہا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت کمرے کا دروازہ اس انداز میں کھلا جیسے کوئی سرکش بیل اندر گھسنے کی کوشش کر رہا ہو۔ مگر آنے والی بیگم ارشاد تھی۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میری بچی۔" اُس نے چیخ مار کر بے ہوش شاہینہ پر گرنا چاہا۔

"ٹھہریئے محترمہ....!" حمید نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ جھلائے ہوئے انداز میں حمید کی طرف مڑی۔

"تم کرائم رپورٹر انور ہو؟" اس نے تقریباً چیخ کر پوچھا۔

"نہیں.... کیپٹن حمید فرام انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ....!" بیگم ارشاد خوفزدہ نظر آنے لگی۔ حمید نے انور کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ کرائم رپورٹر انور ہے۔"

"تم میری بچی کو برباد کر رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے دانت پیس کر کہا۔

"یہ میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے بیگم ارشاد۔ لیکن آپ مجھے پہچانتی بھی نہیں ہیں۔" انور مسکرا کر بولا۔

"تم اسے منشیات کا عادی بنا رہے ہو۔"

"مگر آپ کو اس واقعہ کی اطلاع کیسے ہوئی بیگم ارشاد۔" انور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہو گئی کسی طرح۔ اگر تم نے شاہینہ کا پیچھا نہ چھوڑا تو میں تمہارے خلاف کوئی سخت ترین کارروائی کروں گی۔"

انور نے لاپروائی کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور حمید بول پڑا۔

"یقیناً.... یقیناً بیگم ارشاد۔ میں اس شخص کو منشیات کی ناجائز تجارت کے سلسلے میں گرفتار کر رہا ہوں۔ ابھی ابھی اس کی جیب سے کوکین کا ایک پیکٹ برآمد کیا گیا ہے۔" پھر اُس نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "لے جاؤ۔"

انور چپ چاپ اُن کے ساتھ چلا گیا۔

"میں آپ کی مشکور ہوں جناب۔" بیگم ارشاد حمید سے کہہ رہی تھی۔

"اب میں اسے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ کیا آپ اس سلسلے میں بھی میری مدد کریں گے؟"

"ضرور.... ضرور....!"

"میں ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔"

"انور کے خلاف اور کیا کاروائی کی جائے؟"

"اوہ.... بس میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ میری بچی سے نہ ملا کرے۔"

"میں اُسے اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ آپ مطمئن رہئے۔ لیکن میں نے ڈاکٹر کو بلوایا ہے۔"

"بیکار ہے کیپٹن حمید" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔ "یہ کسی قسم کا مرض نہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُس سور نے اسے کسی نشے کا عادی بنا لیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ اچھی بات ہے۔ بیگم ارشاد کیا آپ اپنی گاڑی لائی ہیں؟"

"جی ہاں.... میری گاڑی کمپاؤنڈ میں موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید نے کہا اور پھر ریکھا سے بولا۔ "بیگم ارشاد کا ہاتھ بٹائیے مس ریکھا۔"

ریکھا اور بیگم ارشاد نے بیہوش لڑکی کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا اور دو کانسٹیبلوں کی مدد سے وہ بیگم ارشاد کی کار تک پہنچا دی گئی۔

حمید اور ریکھا پھر اندر واپس آئے۔ بیگم ارشاد انہیں ڈاکٹر کے لئے فیس دے گئی تھی۔

"اب تم لوگ جا سکتے ہو۔" حمید نے کانسٹیبلوں سے کہا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

انہوں نے انور کی طرف دیکھا اور حمید پھر بولا۔ "میں دیکھ لوں گا۔ تم لوگ جاؤ۔" کانسٹیبل چلے گئے۔

"کیوں دم نکل گیا نا۔" انور کے ہونٹوں پر ایک زہریلی سی مسکراہٹ تھی۔

"ہاں نکل گیا۔ اب تم بھی دفع ہو جاؤ۔"

"میرا نام انور ہے.... آنریری کیپٹن حمید۔"

"میں کب کہتا ہوں کہ تمہارا نام چنچلا دیوی ہے.... دوغلے لینڈی ڈاگ۔"

"بوٹیاں نوچو اپنی۔" انور اٹھتا ہوا بولا۔ ریکھا اس دوران میں انہیں حیرت سے دیکھتی رہی تھی۔ انور کے چلے جانے کے بعد اُس نے کہا۔ "تمہارا رویہ اس سلسلے میں شروع ہی سے غیر متوقع رہا تھا۔"

"اوہ.... چھوڑو.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ....!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی آرلکچو کا منیجر آدھمکا۔

"یہ سب کیا ہو گیا.... کپتان صاحب۔"

"بیٹھئے.... یہ بتانا تو مشکل ہے.... لیکن....!"

"میرا خیال ہے کہ وہ بھنگ پیئے ہوئے تھی۔"

"ممکن ہے۔"

"آرلکچو کا ریپوٹیشن بُری طرح خراب ہو رہا ہے۔" منیجر متفکرانہ لہجے میں بولا۔ "یہاں آئے دن اونچے طبقے کے لوگ بالکل لوفروں کے سے انداز میں ہڑبونگ مچاتے ہیں۔ ابھی کچھ ہی پہلے یہاں ایک بڑے آدمی نے دوسرے بڑے آدمی پر شوربے کی پلیٹ کھینچ ماری تھی۔ اور لڑکی کا اغواء ہو گیا تھا۔"

"ہاں واقعی یہ بہت بُری بات ہے۔"

"پھر بتائیے میں کیا کروں۔ اگر یہی حالت رہی تو کچھ دنوں بعد یہاں اُلو بولنے لگیں گے۔"

"آپ باہر ایک بورڈ لگوا دیجئے جس پر تحریر ہو۔ براہِ کرم خواتین بھنگ پی کر تشریف نہ لائیں۔"

منیجر ہنسنے لگا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "اوپری طبقہ اخلاقی حیثیت سے بالکل دیوالیہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"تب تو پھر آپ اسی عمارت میں اخلاقیات کا ایک اسکول قائم کر دیجئے۔"

"کپتان صاحب! میں سنجیدگی سے آپ کا مشورہ چاہتا ہوں۔"

"سنجیدگی سے مشورہ یہ ہے کہ آپ یہاں شراب کے ساتھ ہی ساتھ بھنگ بھی فروخت کیا کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اُس صورت میں اس قسم کے ہنگامے کوئی وقعت نہ رکھیں گے ورنہ آپ عورتوں کو تو روک ہی نہ سکیں گے جو باہر سے بھنگ پی کر یہاں آتی ہیں۔"

منیجر کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھا رہا پھر اٹھ کر چلا گیا۔

"تم آج سچ مچ عجیب لگ رہے ہو۔" ریکھا مسکرا کر بولی۔

"اور عجیب آدمیوں پر لڑکیاں بُری طرح مرتی ہیں.... ہاہا.... یہ بھی عجیب لطیفہ ہے۔ اُن سے پوچھو کہ تم اُس پر کیوں مرتی ہو تو جواب ملے گا وہ کچھ کھویا کھویا سا رہتا ہے۔ انتہائی رومینٹک لیکن اگر اتفاق سے انہیں کوئی کھویا کھویا سا رہنے والا شوہر مل گیا تو وہ سو فیصدی اُلو کا پٹھا اور گاؤدی ہوگا۔ نہ وہ انہیں عجیب لگے گا اور نہ رومینٹک۔ اُسے وہ سنکی اور جھکی کہیں گی۔"

"تم سے اتنی بکواس کرنے کو کس نے کہا تھا؟"

"ہا.... ریکھا! بس ختم کرو۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹ ہر وقت میرے ذہن میں چکراتے رہتے ہیں جب تم اپنی گھنیری پلکیں....!"

"شٹ اپ"

"ریکھا.... اٹھو..... رقص کے لئے موسیقی شروع ہو گئی ہے ایسے لمحات بار بار نہیں آتے۔ باہر یقینی طور پر چاندنی کھیت کر رہی ہو گی۔ ہوائیں خوشگوار ہوں گی اور چاند بادلوں کے ٹکڑوں میں اپنے ابا جان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا ہو گا۔ اٹھو ورنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں اب گھر جاؤں گی۔ مگر ٹھہرو۔ یہ شاہینہ کا کیا قصہ تھا۔ تم انور بُری طرح تاؤ کھا گئے تھے پھر اُسے اتنی آسانی سے کیوں چلے جانے دیا۔"

"کچھ نہیں یونہی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "ان سب باتوں کا انحصار میرے موڈ پر ہے۔"

"مگر بیگم ارشاد سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ انور کی جیب سے کوکین کا پیکٹ برآمد ہوا ہے۔"

"زبان ہی تو ہلانی پڑی تھی۔ میرا کیا نقصان ہوا۔"

"لیکن اُس نے تو اُسے حقیقت ہی سمجھا تھا۔"

"مگر اس کے باوجود بھی وہ صرف اتنا ہی چاہتی ہے کہ انور اُس کی لڑکی سے نہ ملا کرے۔ ا نے اُس کے خلاف کسی قانونی کاروائی کا ارادہ نہیں ظاہر کیا تھا۔"

"ہاں یہ بات بھی عجیب ہے۔"

"پتہ نہیں عجیب ہے بھی یا نہیں۔ بہر حال میں اس سلسلے میں مغز کھپانے کے لئے تیار نہ ہوں۔ تم بھی خواہ مخواہ خود کو بور نہ کرو۔"

ریکھا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک ویٹر میز کے قریب آ کر حمید سے بولا۔ "آپکا فون ہے جناب۔"

"اوہ.... اچھا!" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ منیجر کے کمرے میں چلا گیا۔ منیجر موجود نہیں تھا۔ شاید حمید کو اطلاع دلوانے کے بعد وہا سے اٹھ گیا تھا۔

"ہیلو.....!"

"حمید.....!" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"جی ہاں.... فرمائیے۔"

"تمہارا رول اس سلسلے میں تسلی بخش رہا۔"

"آپ کیا جانیں۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"تم اس قسم کے فضول سوال مجھ سے نہ کیا کرو۔"

"تو کیا آج کل پھر آپ نے اپنا جال سارے شہر میں پھیلا رکھا ہے۔"

"سنو.....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ریکھا کا پیچھا چھوڑ دو۔ اس وقت وہ لڑکی مئے پول ماایک آسٹرین کے ساتھ ناچ رہی ہے۔ اس وقت جو آدمی اُس کی نگرانی کر رہا ہے اُس کے لئے زوں نہیں ہے۔"

"لہذا میں سر کے بل دوڑتا ہوا وہاں پہنچ جاؤں؟" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔

"نہیں ایسی حرکت نہ کرنا۔ وہاں پہنچنے کے لئے تم ٹیکسی استعمال کر سکتے ہو۔"

"ویسے بھی میں ہیلی کوپٹر نہ استعمال کرتا لیکن ریکھا کا کیا کروں؟"

"کیا وہ تمہاری دم سے بندھی ہوئی ہے؟" فریدی نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"اچھا تو مئے پول میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"نگرانی.....!"

"میرے خدا.....!" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں کسی بھینسے کی نگرانی کر سکتا ہوں رکی لڑکی کی نگرانی دور سے نہیں ہو سکتی۔ آپ خود سوچئے کہ کیسی دشواری ہوتی ہو گی۔ دل کو ں طرح سمجھاتا رہوں گا۔ مگر میرا دل آج کل اردو میں تو کچھ سمجھتا ہی نہیں۔"

"بکواس بند۔ مئے پول جاؤ۔ اب دور سے نگرانی ضروری نہیں۔ تم اس سے قطعی مل سکتے ہو ریہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم اُسے اپنا نام اور پتہ غلط بتاؤ۔"

"خدا آپ کو اس سے زیادہ ترقی عطا فرمائے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر اُسے لمبی لمبی عائیں دینی شروع کر دیں لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔

حمید پھر ہال میں واپس آ گیا۔ ریکھا اب بھی اُسی میز پر موجود تھی۔

حمید نے اُس سے کہا۔ "میرے بھتیجے کی بیوی کے سالے کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے مجھے ہال دس منٹ کے اندر اندر ہی پہنچ جانا چاہئے۔"

"ارے.... وہ..... وہی تو نہیں جو..... وہاں رہتے تھے۔"

"ہاں وہی.....!"

"تب تو میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ کیونکہ مرحوم سے میری بھی جان پہچان تھی۔"

"وہ دوسرے تھے تم انہیں نہیں پہچانتیں۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ پچھلے ہی سال ہم دونوں ساتھ کام کرتے تھے۔"

"انہوں نے آج تک کوئی کام ہی نہیں کیا۔"

"تمہیں نہ بتایا ہو گا۔ میں بھی چلوں گی۔"

حمید سوچنے لگا۔ یہ کیا مصیبت آئی۔ ریکھا نے کہا۔ "میں آج تمہیں تنہا کہیں نہ جانے دوں گی۔ تمہارے ستارے اچھے نہیں ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم مجھ سے زیادہ جیوتش نہیں جانتیں۔"

"جیوتش کی ایسی کی تیسی میں تو چلوں گی۔ ورنہ تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ میں سچ کہتی ہوں یہیں کوئی دوسرا طوفان کھڑا ہو جائے گا اور تم اپنی گردن نہ چھڑا سکو گے۔"

"ارے باپ رے۔" حمید کراہ کر کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ پھر چند لمحے بعد بولا۔ "فری... فریدی صاحب کا فون تھا۔ وہ مجھے ایک جگہ کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ میں چلوں گی۔"

"چلو گی؟"

"ہاں ضرور چلوں گی۔"

"اچھا تو دو منٹ ٹھہرو۔" حمید نے اٹھنا چاہا لیکن ریکھا نے اُس کے کوٹ کا دامن پکڑ کر آہستہ سے کہا۔ "کیا فائدہ میں سب کے سامنے گریبان میں ہاتھ ڈال دوں۔"

"مر گئے۔" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ پھر تیزی سے بولا۔ "اگر مجھے دیر ہوئی تو اس کے لئے تمہیں جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

"میں کروں گی۔ تم فکر نہ کرو۔"

"اچھی بات ہے چلو۔" حمید ایک طویل سانس لے کر بولا۔

اُس کے ساتھ ریکھا بھی اٹھ گئی۔ وہ دونوں باہر آئے۔

"میری گاڑی موجود ہے۔" ریکھا نے کہا۔

"ہائیں! تمہارے پاس بھی گاڑی ہے؟"

"میری نہیں۔ میرے بھائی کی ہے۔"

"میں تو سمجھتا تھا کہ تم اس دنیا میں تنہا ہو اسی لئے مجھے تم سے اتنی ہمدردی تھی۔ اب تمہارا راستہ الگ ہے اور میرا الگ۔"

"کل سے۔ اس وقت تو دونوں ایک ہی راستے پر چلیں گے۔"

"فادر ہارڈاسٹون میرے سر کے ہزار ٹکڑے کر دے گا۔ اُس نے کہا تھا کہ ریکھا کو ساتھ نہ لے جانا۔"

"بکتے رہو۔ مجھے کچھ نہیں سنائی دیتا۔"

ریکھا اگلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "آؤ۔"

"نہیں میں پیچھے ہی ٹھیک رہوں گا۔" حمید پچھلی نشست پر ڈھیر ہو گیا۔

"کہاں چلوں؟"

"ارجن پورہ۔" حمید نے ہانپتے ہوئے کہا۔

چبھن

جیسے ہی کار پارک لین میں گھسی حمید نکل بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ یہاں بھیڑ بہت زیادہ تھی۔ رفتار کم ہو گئی اور ریکھا کی توجہ بھی سڑک پر تھی۔ حمید نے باآہستگی دروازہ کھولا اور اُتر کر سامنے والی گلی میں ہو لیا۔ کچھ دور تک اُسے اتنی تیزی سے چلنا پڑا کہ کلیجہ حلق میں آ گیا۔

وہ ویسے بھی اب ریکھا سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا کیونکہ فریدی سے اُس لڑکی سے ربط و ضبط پیدا کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ پھر کسی نئی لڑکی کے مقابلے میں ریکھا کا کیا کام۔

اُس نے گلی سے نکل کر ایک ٹیکسی کی اور مے پول ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔

انور اور شاہینہ والا واقعہ اُس کے ذہن سے اُتر چکا تھا اور اب وہ صرف اُسی لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

مے پول ہوٹل پہنچ کر اُس نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور اندر چلا آیا۔

ڈائننگ ہال قریب قریب سنسان پڑا ہوا تھا کیونکہ دوسری طرف ریکریئیشن ہال سے آرکسٹرا کی آواز منتشر ہو رہی تھی۔

اُس نے ریکریئیشن ہال کا ٹکٹ خریدا اور پھر زندگی کے اُس طوفان میں جا ڈوبا جہاں رنگ و نور و نکہت سبھی کچھ تھے لیکن اس بھیڑ میں اُس لڑکی کو تلاش کر لینا آسان کام نہیں تھا۔

لڑکی ملتی یا نہ ملتی مگر وہاں قاسم کو دیکھ کر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ بائیں جانب والی گیلری کی ایک میز پر تنہا تھا اور اس طرح منہ کھولے ہوئے رقص دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار اتفاق ہوا ہو۔ حمید آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کی پشت پر پہنچا۔ قاسم اتنا منہمک تھا کہ اُسے خبر

"ہاں....!" قاسم نے سر ہلا کر جواب دیا۔ پھر چونک کر مڑتا ہوا بولا۔ "قاؤن.... آخاہ آپ ہیں۔ جایئے.... جایئے.... ترشیف.... تشریف لے جایئے۔"

"کیوں پیارے بھائی۔ کیوں خفا ہو۔" حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

"بس جاؤ۔ چلے جاؤ.... ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ تم سالا ہماری بیوی کو خراب کرتا ہے۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے اُس سے کہا تھا کہ قاسم تمہیں دوستوں میں گالیاں دیتا پھرتا ہے۔"

"نہیں یہ تو تمہارے والد صاحب کے متعلق کہا تھا۔"

"قیا....!"

"یہی کہ تم دوستوں میں اپنے والد صاحب کو گالیاں دیتے ہو۔"

"اے تم دغاباز اور جھوٹے ہو۔"

"میں کیا جانوں یہ بات تمہاری بیوی نے مجھے بتائی تھی۔"

"جھک مارتی ہے سالی۔ تم نے یقین کیسے کر لیا۔"

"اب نہیں کروں گا۔" حمید نے کہا اور قاسم اس طرح مطمئن ہو گیا جیسے کوئی بہت بڑا مسئلہ طے ہو گیا ہو۔ وہ دانت نکالے رقص کرتی ہوئی لچکیلی لڑکی کو دیکھتا رہا۔

"قاسم! تم نے کبھی رقص کیا ہے؟"

"بنتا ہی نہیں سالا....!"

"کوشش کرو۔"

"کس کے ساتھ کوشش کروں۔ کون ناچے غی میرے ساتھ۔ میں اپنے ڈیل ڈول پر بہت لعنت بھیجتا ہوں۔"

"مگر میں تمہیں سکھا سکتا ہوں۔"

"تو سکھا دو نا پیارے! الا قسم زندگی بھر احسان مانوں گا۔"

"لڑکی تم تلاش کرو۔"

"میں کہاں تلاش کروں۔" قاسم نے کسی یتیم بچے کی طرح بے بسی سے کہا۔

"اس بھیڑ سے کسی لڑکی کو منتخب کرو میں معاملہ طے کرا دوں گا۔"

"اماں.... نہیں۔!" قاسم بھاڑ سا منہ پھیلا کر ہنسنے لگا۔

"پرواہ نہ کرو۔ اگر میں نے دیکھا کہ اُسے غصہ آ گیا ہے تو تمہیں ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"قیا....!" قاسم غرایا۔

"ابے بات کو سمجھنے کی کوشش کیا کر۔" حمید نے جھنجھلا کر کہا۔ "جب میں تمہیں ڈانٹوں تو چپ چاپ وہاں سے کھسک جانا۔ کیا سمجھے۔"

"نہیں.... نہیں.... تم کچھ گھپلا کرنا چاہتے ہو۔"

"کوئی گھپلا نہیں پیارے۔ اگر وہ نہ ناچے گی تمہارے ساتھ تو اُس کی بڑی بہن ناچے گی۔ وہ اُدھر دیکھو۔ وہ لمبی تڑنگی عورت جو سبز رنگ کے پھول دار اسکرٹ میں ہے۔"

"کدھر....؟" قاسم کی باچھیں پھر کھل گئیں۔

"وہ دیکھو۔" حمید نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "وہ جو ایک مرغ نما آدمی کے ساتھ ناچ رہی ہے۔"

"اوہی.... ہی ہی۔" قاسم اپنا جسم سکوڑ کر ہنسا پھر ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

"ہے نا.... تگڑی۔" حمید نے پوچھا۔

"الا قسم.... بالکل فٹ۔"

قاسم کی نظریں اُس لمبی تڑنگی عورت کا تعاقب کرتی رہیں جو ایک دبلے پتلے آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی اور حمید دوسری ہی فکر میں تھا۔ اُس نے کہا۔ "تم اس سے برابر یہی کہتے رہنا کہ تم اُس کے ساتھ رقص کرنا چاہتے ہو۔"

"اچھا تو پھر....؟" قاسم بہت زیادہ دلچسپی لینے لگا تھا۔

"میں تمہیں وہاں سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا۔"

"نہیں۔ یہ گھپلے والی بات ہے۔"

"جب تک میں تمہیں ڈانٹوں گا نہیں وہ تگڑی عورت تمہاری طرف متوجہ بھی نہ ہوگی۔"

"ابے حمید بھائی! کیوں اُلو بناتا ہے مجھے۔"

"اچھا جانے دو۔ میں خود ہی باری باری سے دونوں کے ساتھ ناچ لوں گا۔"

"تمہاری بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"دیکھو.... قاسم بھائی صاحب یعنی کہ مطلب یہ ہے کہ دونوں بہنوں میں چلی ہوئی ہے۔ اگر میں تمہیں اُس کے پاس سے ڈانٹ کر بھگا دوں گا تو اُس کی بڑی بہن یعنی کہ وہ تگڑی والی عورت تمہیں ہاتھوں ہاتھ لے گی۔ کیا سمجھے۔"

"اب سمجھ گیا۔" قاسم سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "یعنی وہ اُس کی جلن میں میرے ساتھ ناچنے پر تیار ہو جائے گی۔"

"بالکل بالکل۔ خیر سمجھے تو تم.... مگر یار.... آج کل تم کچھ اُداس اُداس سے نظر آتے ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کیا پوچھتے ہو حمید بھائی۔" قاسم نے ٹھنڈی آہ بھرنے کی بجائے ایک گرم سا جھونکا پھینکتے ہوئے کہا۔ "وہ سالی مجھے زندہ نہ رہنے دے گی۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ تمہاری کوئی سالی اتنی تگڑی نہیں ہے۔"

"تم سمجھے نہیں۔ میں اُس خچرنی کی بات کر رہا ہوں جسے لوگ میری بیوی سمجھتے ہیں۔"

"کیوں کیا کوئی نئی بات؟"

"ہاں....!" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔ "وہ ایک نوکر کا بچہ لے کر پال رہی ہے اور مجھے اُس کا ڈیڈی کہتی ہے۔ تم خود سوچو حمید بھائی.... کتنی تکلیپھ.... تلکیف.... تکلیف دہ بات ہے۔"

"تمہارا کیا بگڑتا ہے.... کہنے دو۔"

"ارے وہ میرا مذاق اڑاتی ہے.... اُلو کی پٹھی۔"

"پچا کی پٹھی۔" حمید نے تصحیح کی۔

"پچا خود اُلو کا پٹھا ہے۔ سالا۔ آخر اُس نے ایک چوہیا ہاتھی کے پلے کیوں باندھ دی تھی۔"

"قاسم تم شاعر ہوتے جا رہے ہو۔"

"چھوڑو یار حمید بھائی۔ لعنت ہے اپنی زندگی پر۔ اب اُس سالی نے اپنی ایک خالہ کو بھی بلا کر گھر میں رکھ لیا ہے۔ دن میں کئی بار دل چاہتا ہے کہ اُس خالا کو غولی.... گولی مار دوں۔"

"کیوں؟ کیا عمر ہو گی خالہ کی؟"

"چھوڑو یار گولی مارو.... ہو گی کچھ....!"

"بوڑھی ہے؟"

"تم یہ قیوں پوچھ رہے ہو۔" قاسم اُسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں.... یونہی.... اوہ دیکھو۔ راؤنڈ ختم ہو گیا ہے اب اٹھو۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں جھپٹتے ہوئے بار کے کاؤنٹر کی طرف چلے کیونکہ وہ لڑکی اُسی طرف جا رہی تھی۔

حمید کا خیال تھا کہ وہ وہاں سے شراب خرید کر پھر اپنی میز پر آجائے گی لیکن اُس کی اس توقع پر اوس پڑ گئی کیونکہ وہ شاید چند سیکنڈ کے لئے کاؤنٹر پر ہاتھ ٹیک کر بار مین کی طرف جھکی تھی اور پھر اُس کا رخ دروازے کی طرف ہو گیا تھا۔ حمید بے بسی سے اُسے جاتے دیکھتا رہا۔ اُس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ حمید نے تعاقب کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ ویسے وہ یونہی بے خیالی میں ڈائننگ ہال تک

مزدور چلا آیا۔ دوسری طرف قاسم تھا کہ اُس کی سرگوشیاں کسی طرح رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔

"گئی.... وہ مڑی.... وہ رکی.... یا اللہ.... چلی گئی۔" پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب کیا ہو گا حمید بھائی؟"

"میرا بھرتا بنے گا۔" حمید جھلا کر اُس کی طرف مڑا۔ نہ جانے کیوں اُسے قاسم پر غصہ آ گیا تھا۔

"اُس کی بڑی بہق.... بہن....!" قاسم کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"جہنم میں جائے۔"

"ارے واہ۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "وہ سالی چلی گئی تو مارو گولی.... اُس کی بہن بے چاری نے کیا قصور کیا ہے۔"

حمید جواب دیئے بغیر ریکریئیشن ہال کی طرف مڑ گیا۔ قاسم گویا دم کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ حمید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اس میز پر لایا جہاں سے وہ کچھ دیر پہلے اٹھے تھے۔

"بیٹھو.... پیارے حمید بھائی.... اللہ قسم.... بعض اوکات تم سے بڑی محبت معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں.... ہو سکتا ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اُس نے لڑکی کا تعاقب کیوں نہ کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اُسے نظر میں رکھنا ضروری رہا ہو۔ ورنہ فریدی اُسے خصوصیت سے یہاں کیوں بھیجتا۔

"ارے.... غمید.... بھاغی....!" دفعتاً قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "وہ دیکھو۔"

"کیا ہے یار....!" حمید جھنجھلا کر بولا اور اُسی طرف دیکھنے لگا جدھر قاسم دیکھ رہا تھا اور پھر اُس کی جھنجھلاہٹ بالکل ہی کافور ہو گئی کیونکہ وہی لڑکی پھر ریکریئیشن ہال میں داخل ہو رہی تھی لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اُس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا۔

"چلو اٹھو....!" قاسم اُسے جھنجھوڑتا ہوا بولا۔

"بیکار ہے بیٹا.... اب وہ تنہا نہیں ہے۔"

"تو اُس سے کیا.... وہ سالا بولے گا تو گردن توڑ دوں گا۔"

"بس بیٹھے رہو۔"

"اچھا اُس کی بہن۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اُس کی کھوپڑی پر اب بُری طرح برف پڑ گئی تھی۔ اُس نے جو کچھ سوچا تھا نہ ہو سکا۔

تیسرے راؤنڈ کے لئے موسیقی شروع ہونے والی تھی اور لڑکی کے ساتھ آنے والا آدمی

اُسی کی میز پر تھا۔ حمید نے پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا کہ لڑکی یہاں تنہا ہے کیونکہ فریدی نے جر
آدمی کے متعلق فون پر کہا تھا اُس قسم کے کسی آدمی کے ساتھ حمید نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ اِس
لئے وہ اتنی دیر تک قاسم کے ساتھ سر مارتا رہا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر قاسم اُس لڑکی کے
ہو گیا تو اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔ پھر ایسے موقع پر اگر حمید اُسے قاسم سے "نجات" دلا
سکتا تو اُس کی طرف لڑکی کا متوجہ ہو جانا لازمی تھا۔

مگر اب وہ کیا کرتا۔ اب تو وہ تنہا نہیں تھی۔ اُسے اُس آدمی پر بڑا غصہ آرہا تھا۔ وہ لڑکی کی
طرح کوئی غیر ملکی نہیں تھا۔ تیس پینتیس سال کا ایک خوشرو اور صحت مند جوان تھا۔ خدوخال
سے سخت گیری مترشح تھی۔ حمید اُسے گھورتا رہا۔

موسیقی شروع ہو گئی لیکن وہ دونوں بیٹھے ہی رہے۔ قاسم بڑبڑا رہا تھا۔ "ہائے اُس کی بڑی
بہن.... وہ گئی.... وہ گئی.... نکل گئی۔"

حمید نے دوسری طرف دیکھا وہ لمبی تڑنگی عورت ایک آدمی کے ساتھ رقص کرنے کے
لئے اٹھی تھی.... قاسم بُری طرح ہاتھ مل رہا تھا۔

"یار حمید بھائی۔ تم دل توڑ دیتے ہو۔" قاسم گلوگیر آواز میں بولا۔

"تمہاری قسمت ہی خراب ہے، میں کیا کروں۔"

"تم کچھ نہ کرو، اب میں خود ہی کچھ کروں گا۔"

"کیا کرو گے؟"

"آگ لگادوں گا اپنے گھر میں۔"

"چلو! خاموش بیٹھو۔ خان بہادر صاحب کا ہنٹر اس وقت شاید بھول گئے ہو۔"

حمید نے قاسم کو خاموشی سے دانت پیستے دیکھا۔ رقص شروع ہو چکا تھا اور کبھی کبھی رقاصوں
کی بھیڑ سے دوسری طرف کی گیلری میں بیٹھی ہوئی وہ لڑکی بھی نظر آجاتی تھی۔ دفعتاً ایک بار
حمید کو ایسا لگا جیسے اب وہ اپنی میز پر تنہا ہو۔ وہ کرسی سے اٹھ گیا۔ اب وہ دوسری طرف کی پوری
گیلری صاف دیکھ سکتا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ اب وہ لڑکی اپنی میز پر تنہا تھی۔

حمید نے ایک طویل سانس لی اور دوسری گیلری کی طرف چل پڑا۔ قاسم اُسے پکارتا ہی رہ
گیا۔ دوسری گیلری میں پہنچ کر وہ لڑکی کے قریب ہی کھڑا ہو گیا لیکن دفعتاً اُس نے محسوس کیا کہ
وہ کچھ خوفزدہ سی ہے۔ حمید نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ آدمی کہیں نظر نہ آیا جو کچھ دیر
پہلے اُس کے ساتھ تھا۔

لڑکی خوفزدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ایک بار دونوں کی نظریں ملیں اور پھر وہ
مختلف سمتوں میں دیکھنے لگے۔ اچانک حمید آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔ "کیا آپ میری ہم رقص
بننا پسند کریں گی۔"

"جی۔!" وہ چونک پڑی اور پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "مجھے افسوس ہے،
میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"تھکن تو زندگی کے ساتھ ہے۔" حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "خیر میں خودکشی کرلوں گا۔"

پھر اُس نے محسوس کیا کہ لڑکی نہ صرف اُسے شبے کی نظر سے دیکھ رہی تھی بلکہ اُس کے
چہرے پر پھیلی ہوئی زردی کچھ اور گہری ہو گئی ہے۔

"آپ کچھ خوفزدہ سی ہیں۔" حمید اُس کے سامنے بیٹھتا ہوا بولا۔

"اوہ.... نہیں تو.... کیوں؟" لڑکی اب متحیر نظر آنے لگی۔

"آپ خوفزدہ ہیں۔"

"پھر.... آپ نے اس بے تکلفی کی جرأت کیسے کی۔ میں کوئی سوسائٹی گرل نہیں ہوں۔"

"اور میں بھی کوئی لفنگا نہیں ہوں۔ ایک شریف آدمی۔" حمید مسکرایا۔

لڑکی کرسی کی پشت سے ٹک کر اُسے گھورنے لگی۔ حمید اُسکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔

دفعتاً لڑکی آگے جھک کر میز پر کہنیاں ٹیکتی ہوئی آہستہ سے بولی۔ "کیا تم مجھے خوفزدہ کر سکتے
ہو۔ ہرگز نہیں۔ یہاں میرے حمایتی بھی موجود ہیں۔ تم کوئی حرکت کر کے دیکھو۔"

"تم کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔"

"کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ یہاں بیٹھ جاؤ۔" لڑکی نے غصیلی آواز میں کہا۔

"نہیں....!"

"پھر....؟"

"پھر میں کیا بتاؤں! آج میرے اور تمہارے ستارے کچھ اسی قسم کے ہیں۔"

لڑکی کچھ کہنے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن حمید نے اُسے یک بیک چونکتے دیکھا۔ وہ ہال کے صدر
دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید بھی مڑا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے ہونٹ کھلے اور ایک ہلکی سی "سسکی"
دانتوں سے باہر آگئی۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے بازو میں سوئی چبھ گئی ہو۔ اُس کا بایاں
ہاتھ بے اختیارانہ انداز میں بازو پر پڑا اور وہ پلٹ کر لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ لڑکی نے کچھ اس

انداز میں اپنی کرسی پیچھے کھسکائی جیسے یہ حرکت اُسی نے کی ہو۔ حمید کو اپنے سارے جسم میں گرم گرم لہریں سی محسوس ہو رہی تھیں اور جس جگہ سوئی کی چبھن سی محسوس ہوئی تھی وہاں اب ایسی تکلیف تھی جیسے وہ کوئی مواد بھرا پھوڑا ہو۔ لڑکی اٹھ گئی مگر حمید زبان بھی نہ ہلا سکا۔ وہ اُسے جاتے دیکھتا رہا لیکن اُس کا جسم بے حس و حرکت تھا۔ آرکسٹرا کی موسیقی اُسے ایسی لگ رہی تھی جیسے وہ کسی مچھلی مارکیٹ کا بے معنی شور ہو۔ اُس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن شاید پیروں میں دم ہی نہیں تھا۔

اُس کے سارے جسم سے ٹھنڈا پسینہ چھوٹ پڑا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اُس میں موجود تھی۔ اُس نے دوسری گیلری کی طرف دیکھا۔ قاسم اب بھی وہاں موجود تھا اور حمید ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حمید اُسے بلانے کے لئے زور زور سے سر ہلانے لگا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ اُس سے کہہ رہا تھا۔ "قاسم مجھے گھر پہنچادو۔ خدا کی قسم میں اپنی قوت سے چل بھی نہیں سکتا۔ شائد تمہیں مجھ کو گود میں اٹھانا پڑے۔"

"اماں نہیں۔ کیوں مذاخ کرتے ہو۔" قاسم ہنسنے لگا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" حمید اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "جلدی کرو یا پھر فریدی صاحب کو فون کردو۔"

خطرناک تحفہ

رشیدہ نے چائے کی ٹرے کے ساتھ ہی اخبار بھی میز پر رکھ دیا لیکن اس کے باوجود بھی جب انور نے چائے انڈیلتے وقت اخبار کا مطالبہ کیا تو اُسے غصہ آگیا۔

"تم اندھے ہو شاید۔"

"ہاں میں اندھا ہوں اس لئے آج سے خبریں بھی تم ہی پڑھ کر سناؤ گی۔"

"میں نوکر ہوں تمہاری؟"

"یہ ایک بہت پرانا سوال ہے جس کا جواب میں نے کبھی نہیں دیا۔"

"پچھلی رات کیا ہوا تھا؟" رشیدہ اُسے گھورتی ہوئی بولی۔

"کچھ بھی نہیں۔ جس بات کا تعلق تمہاری ذات سے نہ ہو اُسے نہ چھیڑا کرو۔"

"آبزرور کا اداریہ پڑھا ہے تم نے؟"

"میرے پاس برباد کرنے کے لئے وقت نہیں ہے۔"

"یہ بہت اچھا ہے۔ ورنہ تم اس وقت چائے میں شکر کی بجائے سنکھیا استعمال کرتے۔"

"کیوں....؟"

"کل تم نے آرلکچو میں کس لڑکی کو شراب پلائی تھی۔"

"اوہ.... تو کیا اُس کے متعلق کچھ ہے؟"

"ہاں.... آں.... تو یہ حقیقت ہے؟"

"کیا لکھا ہے اُس نے؟"

رشیدہ اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی۔

"کرائم رپورٹر کے جرائم۔ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر پچھلی رات ایک بڑے ہوٹل میں ب پی کر ننگا ناچتا رہا۔ یہ رپورٹر شہر میں خاصی شہرت رکھتا ہے اور اعلیٰ پولیس افسروں سے اس مراسم ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اخلاقی اور سماجی پابندیوں کا قائل نہیں ہے۔ اگر یہ حرکت اور سے سرزد ہوتی تو وہ اس وقت جیل میں ہوتا لیکن ظاہر ہے کہ وہ اُن لوگوں سے مراسم اہے جو قانون کے محافظ کہلاتے ہیں پچھلی رات آرلکچو میں جو ہنگامہ ہوا اگر دنیا کے کسی رے مہذب ملک میں ہوا ہوتا تو۔"

"بس بند کرو۔" انور ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"تو یہ حقیقت ہے۔" رشیدہ نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر بولی۔ "اور وہ سرمایہ دار لڑکی تھی؟"

"شاہینہ.... اُس کے متعلق کیا ہے؟"

"وہ بھی برہنہ ہو کر اُس کرائم رپورٹر کے ساتھ ناچتی رہی۔"

"اور آبزرور کا ایڈیٹر اپنے دفتر میں سارنگی بجاتا رہا تھا۔ خیر اُس کی بھی شامت آگئی ہے۔"

"قصہ کیا تھا؟"

"شاہینہ پر کسی قسم کا دورہ پڑا تھا اور اُس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔"

"اور تم....؟"

"اور اب مجھ پر اس وقت دورہ پڑنے والا ہے۔"

"پرواہ مت کرو۔" رشیدہ گردن جھٹک کر بولی۔ "اس وقت بھی میرے پیروں میں باٹا کے ڈل ہیں۔ تم آخر شاہینہ کو وہاں لے کیوں گئے تھے؟"

"کیونکہ اُسی کی بدولت میرے قرض خواہوں نے پھر مجھ سے محبت شروع کر دی ہے۔"

"اوہ.... تو کیا.... وہ تم سے کوئی کام لے رہی ہے۔"

انور کچھ نہ بولا۔ رشیدہ چند لمحے اُسے گھورتی رہی پھر بولی۔ "تم یہ بات مجھ سے کیوں چھپا رہے ہو؟"

"تم پر ظاہر ہی کون سی بات ہے۔"

"میں پوچھنا بھی نہیں چاہتی۔" رشیدہ چڑھ کر بولی۔

"شکریہ۔"

انور چائے پیتا رہا۔ اخبار اُس کے سامنے تھا۔ دفعتاً اُس کی نظر ایک دلچسپ خبر پر پڑی۔ خود اُس کا اخبار اُس خبر سے محروم ہی رہ گیا تھا۔ اگر پچھلی رات وہ خود بھی ایک معاملے میں نہ الجھ گیا ہوتا تو یہ خبر نامکمل صورت میں نہ شائع ہوئی ہوتی۔

خبر تھی۔ "محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کا حیرت انگیز تجربہ۔ گذشتہ شب آفیسر مذکور کو ایک حیرت انگیز واقعہ سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ مئے پول رقص گاہ میں ایک غیر ملکی خاتون سے گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے اپنے داہنے بازو میں چبھن سی محسوس کی اور اُن کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔ اُن کا بیان ہے کہ چبھن محسوس ہونے سے قبل وہ اُس خاتون کی طرف متوجہ نہیں تھے۔ وہ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس واقعہ میں اُن خاتون کا ہاتھ تھا! وہ بھی اس سے لاعلم تھیں۔ ذرا ہی دیر میں آفیسر مذکور کی حالت غیر ہو گئی۔ وہ اُن خاتون سے اپنی کیفیت بھی نہ بیان کر سکے اور وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ اُن کی ملاقات اس واقعہ سے چند منٹ پہلے ہوئی تھی۔ آفیسر مذکور اُن کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اُن کا بیان ہے کہ جس جگہ چبھن محسوس ہوئی تھی وہ ذرا ہی سی دیر میں کسی پھوڑے کی طرح دکھنے لگی۔ وہ اس طرح بے حس و حرکت ہو گئے تھے کہ اُن کے ایک دوست انہیں گود میں اٹھا کر رقص گاہ سے باہر لے گئے اور پھر جب وہ اُن کی کار پر گھر جا رہے تھے تیز اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے انہیں حیرت انگیز طور پر پہلے کی سی حالت میں لے آئے۔ اُن کا جسم پہلے ہی کی طرح چاق و چوبند ہو گیا اور بازو کی تکلیف بھی اتنی ہی رہ گئی جتنی کسی سوئی کے چبھ جانے کی بناء پر ہو سکتی ہے۔ بعد کی اطلاع ہے کہ اُن کے طبی معائنے سے بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ بازو میں کوئی نوکیلی چیز چبھ گئی تھی۔ لیکن اُس کے خراب اثرات اُن کے خون میں نہیں مل سکے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ چبھنے والی چیز ایک معمولی سوئی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔"

"واہ بھئی! کیا بات ہوئی۔" انور بڑبڑایا۔

"کیا....؟" رشیدہ چونک پڑی۔

انور نے اخبار اُس کی طرف بڑھا دیا۔ جب رشیدہ پڑھ چکی تو اُس نے کہا۔ "آخر اس خبر کی اشاعت کی کیا ضرورت تھی۔"

"ہے دلچسپ....!"

"مگر وہ تو آرلکچو میں تھا اور یہ خبر مئے پول سے تعلق رکھتی ہے۔"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور انور نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

"انور....!" دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی۔

"کون....؟"

"اوہ.... کپڑے پہن رکھے ہیں تم نے؟"

"انور خدا کے لئے میرا مضحکہ نہ اڑاؤ۔ اب شاید ہی تم کبھی مجھے گھر سے باہر دیکھ سکو۔"

"انور میں التجا کرتی ہوں کہ میری بات سن لو۔ اس قسم کا دورہ مجھ پر کبھی نہیں پڑا۔ میں کسی ذہنی مرض میں مبتلا نہیں ہوں۔"

"آرلکچو کے منیجر کا خیال ہے کہ تم بھنگ پی کر آئی تھیں۔"

"بکواس ہے۔ سگریٹ کے علاوہ اور میں ہر قسم کے نشے سے دور رہتی ہوں۔"

"خیر.... تو اب کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"ممی یقیناً کسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ وہ کچھ کھل رہی ہیں لیکن اسی حد تک کہ مجھے تم سے نہ ملنے دیں۔ اُن کا خیال ہے کہ یہ اُسی خطرناک آدمی کی حرکت تھی جو آج کل اُن کی پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اُس نے شاید انہیں اس سے آگاہ بھی کر دیا ہے۔ اُس نے کہا ہے کہ اگر اب اس گھر کے کسی فرد نے پولیس یا کسی پرائیویٹ سراغ رساں سے ساز باز کرنے کی کوشش کی تو اُسے اسی طرح ذلیل کیا جائے گا۔"

"اوہ.... لیکن تمہاری ممی کچھ بتانے پر تیار نہیں؟"

"نہیں قطعی نہیں.... وہ کہتی ہیں کہ اگر تم میری زندگی چاہتی ہو تو اپنی زبان ہر معاملے میں بند رکھو۔"

"یہ بہت بُری بات ہے۔ پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"میں اب بھی وہی چاہتی ہوں جس کے لئے تم سے ملی تھی۔"

"اپنی ممی کی تنبیہہ کے باوجود بھی؟"

"تم وہ طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔"

"ہو سکتا ہے۔ مگر اُس طریقے کے اخراجات ذرا لمبے ہو جائیں گے۔" انور نے رشیدہ کو آنکھ مار کر کہا اور رشیدہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی۔

"اخراجات کی پرواہ نہ کرو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اور آج تم میری سالگرہ کی تقریب میں شرکت کر رہے ہو؟"

"آہا.... اوہ.... اچھا.... مگر تم مجھے پہچانو گی کیسے؟"

"بس جسے نہ پہچانتی ہوں گی وہی تم ہو گے۔"

"سب تمہارے جانے پہچانے آدمی ہوں گے؟"

"ہاں....!"

"اور تمہارے سبھی دوستوں سے تمہاری ممی واقف ہوں گی؟"

"نہیں بہتیروں کو نہیں جانتیں۔"

"بس ٹھیک ہے۔ میں آؤں گا۔"

"میں دراصل تمہیں اس لئے بلا رہی ہوں کہ تم اُن دونوں گدھوں کو دیکھ لو۔"

"ڈنکی ٹیلس کے متعلق کہہ رہی ہو؟"

"ہاں.... وہی دونوں۔ ہو سکتا ہے ممی کی پریشانیوں کی وجہ وہی ہوں۔"

"میں آؤں گا۔ اچھا.... بس....!"

"نہیں اور کچھ نہیں۔"

انور نے ریسیور رکھ دیا اور رشیدہ کو آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔

"سنا تم نے؟" اُس نے اس انداز میں کہا جیسے رشیدہ بہری ہو۔ "میں اس کیس کے اختتام پر ایک اچھی سی کار خرید رہا ہوں۔"

"وہ تو تم کئی کیسوں کے اختتام پر خرید چکے ہو۔"

"نہیں اس بار ضرور خرید لوں گا۔"

"دیکھوں گی۔"

انور ناشتہ ختم کر کے اٹھ گیا۔ رشیدہ وہیں بیٹھی رہی۔ لیکن وہ انور سے کچھ برگشتہ سی معلوم ہو رہی تھی۔ اُسی شام کو انور میک اپ میں ارشاد منزل جا پہنچا۔ اس میک اپ میں وہ یوریشین

معلوم ہوتا تھا۔

ارشاد منزل کا بڑا ہال کافی نفاست کے ساتھ سجایا گیا تھا اور شاید اس وقت تک آدھے سے زیادہ مہمان وہاں پہنچ چکے تھے۔

انور نے شاہینہ کی جستجو میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ انور نے سوچا کہ وہ پہچان نہ لیا جائے کیونکہ اُس کی موجودہ حیثیت میں وہاں اُس کا ایک بھی شناسا نہیں تھا۔

وہ شاہینہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ ویسے اُس بھیڑ میں کسے پڑی تھی کہ اُس کی طرف توجہ دیتا۔ یہ مجمع کسی پبلک جلسے کی سی نوعیت کا حامل تھا۔

لیکن آخر کار انور نے اندازے سے اُن باپ بیٹے کو پہچان لیا۔ جنہیں دکھانے کے لئے شاہینہ نے اُسے مدعو کیا تھا۔ وہ دونوں ایک میز کے قریب کھڑے کسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔

انور اُن کی پشت پر کھڑا ہو کر دیوار سے لگی ہوئی ایک پینٹنگ دیکھنے لگا۔ معمر آدمی خاصا تنومند تھا اور اُس کی ڈاڑھی سرخی مائل تھی۔ اگر نوجوان کے چہرے پر بھی ویسی ہی ڈاڑھی ہوتی تو اُن دونوں کو پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ بیٹا اپنے باپ کی ہو بہو نقل تھا۔ فرق بس اتنا ہی تھا کہ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی۔

"جب عقل نہیں رکھتے تو بکواس کیوں کرتے ہو۔" بوڑھا نوجوان سے کہہ رہا تھا۔

"ڈیڈی میں تم سے زیادہ عقل رکھتا ہوں۔ جب دل چاہے کرلو عقل کا مقابلہ۔" نوجوان بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم گدھے ہو۔"

"میری رگوں میں تمہارا ہی خون دوڑ رہا ہے ڈیڈی۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے تم اس کے باوجود بھی گدھے ہو سکتے ہو۔"

بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ ٹھیک اُسی وقت شاہینہ اُدھر آ نکلی۔ وہ آج خلافِ معمول ... اور فراک میں تھی۔

نوجوان ڈنکی ٹیل نے اپنے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور اُسے روک کر بولا۔ "مجھے معاف کرنا مس ارشاد تم اس لباس میں بہت اچھی لگتی ہو.... کیوں ڈیڈی۔"

"اوہ.... یقیناً....!" بوڑھا ڈنکی ٹیل سر ہلا کر شفقت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"شکریہ۔" شاہینہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرائی اور انور پر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر ڈالتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ڈیڈی۔" نوجوان ڈنکی ٹیل بولا۔ "یہ لڑکی مجھے خواب دکھاتی ہے۔"

"ہاں.... آں.... ہو سکتا ہے۔" بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم نے ٹھنڈی سانس کیوں لی ڈیڈی؟" نوجوان بولا۔

"ہنٹر.... میں تمہیں بہت پیٹوں گا گدھے۔"

"نہیں بتاؤ۔ کیا وہ تمہیں بھی اچھی لگتی ہے؟"

"ہنٹر... پلیز... ہولڈ یور ٹنگ۔ ورنہ مجھے یہاں اس تقریب کے موقع پر بھی غصہ آسکتا ہے۔"

"تمہیں بہت دنوں سے غصہ نہیں آیا ڈیڈی۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بکواس بند کرو۔" بوڑھے نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ ہنٹر ڈنکی ٹیل اس انداز میں اُس کے پیچھے چل رہا تھا جیسے سر پر چپت رسید کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

انور بھی وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ شاہینہ سے ملنا چاہتا تھا آخر وہ اُسے ایک جگہ مل ہی گئی۔

"مبارک ہو مس ارشاد۔" اُس نے کہا۔

"شکریہ.... شکریہ۔" شاہینہ گرم جوشی سے مصافحہ کرتی ہوئی بولی۔ وہ ٹہلتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ شاہینہ نے کہا۔

"یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر تم اجنبی نہ ہوتے تو میں تمہیں نہ پہچان سکتی۔ واقعی کمال کرتے ہو تم بھی.... اُن دونوں کے قریب کھڑے تھے۔"

"ہاں.... میں نے انہیں دیکھا تھا اور وہ دونوں کافی دیر تک تمہارے حسن کی تعریف کر رہے تھے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کس قسم کے باپ بیٹے ہیں۔"

"میں بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"اچھا بس اب میں چلی۔"

"میں ذرا اُدھر بھی جاؤں گا جہاں اُس رات تم نے اپنی ممی کو کسی سے گفتگو کرتے سنا تھا۔"

"جہاں دل چاہے جاؤ مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

"جوزف پیٹر....!"

"ڈنر ٹیبل پر تمہارا کارڈ لگوائے دیتی ہوں۔"

"ہاں.... آں.... مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ میں ڈنر تک یہاں ٹھہروں۔"

"اوہو ایسی غلطی مت کرنا۔ یقیناً وہ نامعلوم آدمی بہت چالاک ہے۔ ورنہ اُسے ہمارے متعلق

معلوم ہوتا۔"

"خیر جیسا مناسب سمجھوں گا ویسا کروں گا۔" انور نے کہا۔

وہ چلی گئی اور انور اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ ہال میں شراب کی ٹرالیاں چل رہی تھیں۔ ایک اُس کے پاس بھی رکی لیکن انور نے صرف لیمن پر قناعت کی۔ اگر وہ شراب پیتا بھی ہوتا تو کم از کم اس دفعہ پر ہرگز نہ پیتا۔

اس دوران میں ایک بار بیگم ارشاد سے بھی مڈبھیڑ ہوئی اور اُس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں مبارک باد پیش کی لیکن بیگم ارشاد نے شکریہ ادا کرتے وقت یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ اُسے پہچانتی نہیں ہے۔

انور نے سوچا کہ اب اس طرح دوسروں سے کٹے کٹے پھرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ نوجوانوں کے ایک جھنڈ میں جا ملا۔ ان لوگوں نے نوجوان ڈنکی ٹیل کو گھیر رکھا تھا اور اُسے عرف عام میں بُری طرح "گھس" رہے تھے۔ انہوں نے شاید اُسکے نام پر بحث چھیڑ رکھی تھی اور ہنٹر ڈنکی ٹیل کہہ رہا تھا۔ آپ لوگ غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارے نام کے ہجے وہ نہیں ہیں جو گدھے کی دم کے ہوتے ہیں، ڈی یو این کے آئی.... ڈنکی.... ٹی اے، ایل ای.... ٹیل.... (DANKITALE)!"

"لیکن اگر ہم اسے اپنی زبان میں لکھیں گے تو گدھے کی دم ہی پڑھیں گے۔" کسی نے کہا۔

"مجبوری ہے۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ کے دوسرے بھائیوں کے کیا نام ہیں؟"

"ڈیڈی نے ایک ہی شادی کی تھی۔" ہنٹر نے آہستہ سے کہا۔ "اس لئے اور کوئی دوسرا بھائی نہیں ہے۔"

اس پر قہقہہ پڑا اور ہنٹر احمقانہ انداز میں ایک ایک کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم اپنی پیدائش کے وقت کتنے بڑے تھے؟" کسی نے سوال کیا۔

"ٹھہریئے.... ڈیڈی سے پوچھ آؤں۔" ہنٹر نے کہا اور بھیڑ ہٹاتا ہوا نکلا چلا گیا۔

لوگ ہنستے رہے لیکن انور کی نظریں اُس کا تعاقب کر رہی تھیں۔ وہ اپنے ڈیڈی کے پاس جانے کے بجائے ایک دروازے میں مڑ گیا۔ اُس کا ڈیڈی راجر ڈنکی ٹیل شہر کے بڑے سرمایہ دار سے گفتگو کر رہا تھا۔ انور بھی ٹہلتا ہوا اُسی دروازے کی طرف چلا۔

لیکن ابھی دروازے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ کھانے کے لئے گانگ بجا۔ یہ حقیقت تھی کہ انور کھانے کے لئے وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اُس نے تیزی سے قدم بڑھائے اور اُسی دروازے

سے گذر گیا جس سے ہنٹر ڈنکی ٹیل گذرا تھا۔ اُس نے خود کو راہداری میں پایا اور اس توقع پر آگے بڑھتا چلا گیا کہ ممکن ہے آگے جا کر اُسے عمارت سے باہر نکلنے کے لئے راستہ مل جائے۔

اس راہداری میں دونوں طرف دروازوں اور کھڑکیوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ اچانک ایک دروازے سے ایک آدمی کچھ اتنی تیزی سے نکلا کہ انور سے ٹکرا گیا اور اُس کے ہاتھوں میں دبا ہوا ڈبہ فرش پر گر پڑا۔ جسے اٹھانے کے لئے وہ بڑی پھرتی سے جھکا۔ یہ ہنٹر ڈنکی ٹیل تھا اور ڈبہ اٹھا لینے کے بعد کچھ اس انداز میں ہنسنے لگا تھا جیسے چوری کرتا ہوا پکڑا گیا ہو۔

"یہ... یہ...!" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "مس ارشاد کے لئے تحفہ ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں۔" انور اُسے گھورنے لگا۔

"اوہو... دیکھئے میں اس ملک میں نووارد ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں کی لڑکیاں کیا پسند کرتی ہیں۔ اس لئے آپ ذرا اسے دیکھ لیجئے... جی ہاں... میں آپ کا یہ احسان ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

پھر جیسے ہی اُس نے ڈبے کا ڈھکن کھولا انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ ڈبے میں ایک سیاہ رنگ کا سانپ پھن کاڑھے کھڑا بار بار اپنی سرخ زبان باہر نکال رہا تھا۔ انور کے ہونٹ بھنچ گئے اور بھنوئیں تن گئیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ دوسرے ہی لمحے میں ڈنکی ٹیل پر حملہ کر بیٹھے گا۔

جرم یا مجرم

ڈنکی ٹیل کھڑا ہنس رہا تھا۔

"میں بتاؤں تمہیں۔" انور دانت پیس کر بولا۔

"میں شکریہ ادا کروں گا۔ پتہ نہیں وہ اس تحفے کو قبول کرے یا نہ کرے۔"

انور نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے... ارے... یہ کیا...؟" ڈنکی ٹیل بوکھلا کر پیچھے ہٹا۔

"میں بھی مزاح کی حس رکھتا ہوں۔" انور نے گریبان پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "اور میرا مزاح اسی قسم کا ہوتا ہے۔"

"یہ نقلی سانپ ہے دوست...!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔

"کیا...؟" انور کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

"ہاں...!" ڈنکی ٹیل سانپ کا سر چھوتا ہوا مسکرایا۔ "ربر کا سانپ اور پارے کا بیلنس۔ یہ زبان کی حرکت پارے کے بیلنس کا نتیجہ ہے۔"

"واہ...!" انور نے مسکرا کر گریبان چھوڑ دیا اور ڈبہ اپنے ہاتھوں میں لے کر سانپ کا جائزہ لینے لگا۔ وہ کاریگری کا ایک بہترین نمونہ تھا۔

"آؤ... آؤ۔" ہنٹر ڈنکی ٹیل انور کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "خاصی تفریح رہے گی۔"

انور نہایت اطمینان سے اُس کے ساتھ چلتا رہا... لوگ ڈائننگ ہال کی طرف جا رہے تھے۔

"ہائیں... یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" ڈنکی ٹیل نے حیرت ظاہر کی۔

"کھانے کے لئے گانگ بجا ہے۔"

"اوہو... مگر ابھی کیک تو نہیں کاٹا گیا۔"

"اوہ... یہ رسم اس گھر میں نہیں ہوتی۔" انور بولا۔

"تب پھر میں یہ تحفہ کس وقت دوں گا؟"

"کھانے کے بعد...!"

"عجیب بے تکی بات ہے۔"

"یہ باسٹرڈ سالگرہ ہے۔ دوغلی... یوریشین...!" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"ہاہا...!" ڈنکی ٹیل نے قہقہہ لگایا۔ "تم بھی تو یوریشین ہو۔ کیا تم باسٹرڈ کہو گے خود کو؟"

"یقیناً اگر میں یوریشین ہوں تو ضرور باسٹرڈ کہوں گا خود کو۔"

وہ دونوں بھی ڈائننگ ہال میں آئے اور انور کو اپنی نشست تلاش کرنے میں تھوڑی دشواری ہوئی کیونکہ ہال میں تقریباً ڈیڑھ سو مہمان تھے۔

دو تین آدمی نشستوں کے چارٹ لئے پھر رہے تھے۔ ایک نے انور کی بھی مدد کی۔ ڈنکی ... ایک ہی میز پر تھے۔ کھانے کی ٹرالیاں گردش میں آ گئیں۔

انور دونوں ڈنکی ٹیلوں کو گھور رہا تھا۔ لیکن شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل اُسے بھول ہی گیا تھا کیونکہ اُس نے ایک بار بھی اُسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

دھیمے سروں میں آرکسٹرا بجتا رہا اور ہاتھ اٹھ اٹھ کر منہ کی طرف جا رہے تھے۔

اچانک پورا ہال تاریک ہو گیا اور بیک وقت بہتیری تحیر آمیز آوازیں سنی گئیں پھر کسی عورت کی چیخیں سنائی دینے لگیں اور انور اچھل کر کھڑا ہو گیا پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی میز الٹ

گئی ہو۔ برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں اندھیرے میں چکرائیں۔ آرکسٹرا تو اسی وقت بند ہو گیا تھا جب روشنی غائب ہوئی تھی۔

شور بڑھ گیا۔ پھر روشنی بھی غائب ہو گئی تھی۔ لوگ حیران و سراسیمہ کھڑے تھے اور شاہینہ ایک جگہ اچھل اچھل کر اپنے بال نوچ رہی تھی۔ کپڑے پھاڑ رہی تھی۔

چند لمحے سب کے سب بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ پھر یک بیک سارا ہال گونجنے لگا جس کے منہ میں جو بھی آیا کہہ رہا تھا۔

انور نے بیگم ارشاد کو دیکھا جو بلبلاتی ہوئی شاہینہ کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ "میری بچی.... میری بچی۔"

لیکن شاہینہ کے ہاتھ اُسی رفتار سے کپڑوں پر چلتے رہے اور ذرا ہی سی دیر میں اُس کے جسم پر دھجیاں جھول رہی تھیں۔ تین چار عورتیں اُسے پکڑ کر بدقت تمام دوسرے کمرے میں لے گئیں۔

مہمان ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ انہیں کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ یہ سب کچھ غیر متوقع طور پر ہوا تھا اس لئے شاید اُن کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی جواب دے گئی تھی۔

اور انور سوچ رہا تھا کہ وہ پہچان لیا گیا ہے ورنہ شاہینہ اس حال کو کیوں پہنچتی۔ لیکن اب یہ بھی دشوار تھا کہ انور باہر نکل جاتا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ اس واقعہ سے اُس کی ضدی طبیعت جاگ اٹھی ہو۔

دفعتاً اُسے دونوں ڈنکی ٹیلوں کا خیال آیا اور اُس کی نظریں بے چینی سے ہال میں چکرانے لگیں۔ آخر ایک جگہ اُسے ہنٹر ڈنکی ٹیل دکھائی دیا۔ لیکن بوڑھا ڈنکی ٹیل کہیں نہ نظر آیا۔

"خواتین و حضرات۔" بیگم ارشاد ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔ "مجھے افسوس ہے کہ شاہینہ پر آج پھر دورہ پڑ گیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار پڑ چکا ہے۔ ایسے حالات میں میں ہمدردی کی مستحق ہوں۔ مجھے انتہائی شرمندگی ہے۔"

اور پھر وہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" چاروں طرف سے آوازیں آئیں۔ "ہمیں افسوس ہے۔"

دو چار لوگ آگے بڑھے اور بیگم ارشاد بھی ڈائننگ ہال سے لے جائی جانے لگی۔ کچھ لوگ باہر جا رہے تھے۔ انور نے سوچا کہ اب اُس کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا وہ بھی دروازے کی طرف بڑھا پھر شاید ہنٹر ڈنکی ٹیل نے اُسے پہچان لیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ "یہ کیا ہو گیا مسٹر اب میرے تحفے کا کیا ہو گا؟"

"آئندہ سالگرہ کے منتظر رہو۔" انور لاپروائی سے کہتا ہوا ڈائننگ ہال سے نکل آیا لیکن وہ ڈنکی ٹیلس کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

راہداری اتنی کشادہ نہیں تھی کہ ڈیڑھ سو آدمی بیک وقت اُس میں سے گذر سکتے۔ اس لئے وہاں بھیڑ معلوم ہونے لگی اور جب انور اپنے لئے راستہ بنا رہا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کی بائیں ران میں سوئی چبھ گئی ہو۔

انور بوکھلا کر پیچھے ہٹا اور ایک آدمی سے ٹکرا گیا۔

"ذرا دیکھ کر جناب۔" اُس نے کہا اور انور نے معذرت کر کے آگے بڑھنا چاہا مگر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کا جسم حیرت انگیز طور پر ہلکا ہو گیا ہو اور اگر اُس نے ایک پیر بھی زمین سے اٹھایا تو فضا میں معلق ہو جائے گا۔ سارے جسم میں گرم گرم سی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں اُسے وہ خبر یاد آ گئی جو اُس نے کیپٹن حمید کے متعلق آج ہی ایک مقامی روزنامے میں پڑھی تھی.... وہ کسی نہ کسی طرح دیوار سے جا لگا اور دوسرے لوگ اُسے گھورتے ہوئے گذرتے رہے۔ اُس نے دونوں ڈنکی ٹیلوں کو بھی دیکھا جو خراماں خراماں چلے جا رہے تھے لیکن اُس میں اتنی سکت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی کر سکتا۔

کچھ دیر بعد راہداری سنسان ہو گئی۔ اب انور کی ران میں تکلیف بھی بڑھنے لگی تھی جہاں کچھ دیر پہلے صرف ایک معمولی سی سوئی کی چبھن محسوس ہوئی تھی وہاں اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولی لگی ہو۔ کھڑے رہنا مشکل ہو گیا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ داہنی جانب گر رہا ہے۔ لیکن خود کو گرنے سے روک نہ سکا۔

اور پھر وہ ایک بے بس چوپائے کی طرح زمین پر پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ ران کی تکلیف اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ بمشکل تمام اپنی کراہیں روک سکا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں زائل ہوئی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت کوئی ادھر آ نکلا تو اُسے ایک بار پھر بیگم ارشاد کی بکواس سننی پڑے گی۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اب بیگم ارشاد اِدھر آ ہی رہی ہو۔ شاہینہ کی حالت اسی لئے بگڑی تھی کہ وہ اُس وقت وہاں موجود تھا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ اُسے بے دست و پا کر دینے کا مقصد بھی یہی ہو کہ بیگم ارشاد اس بار اچھی طرح اُس کی خبر لے اور وہ پھر کبھی اِدھر رخ کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکے۔

انور نے غلط نہیں سوچا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد بیگم ارشاد اُس کے سر پر موجود تھی۔ اُس کے ساتھ چار ملازم بھی تھے۔

"مسٹر.... جوزف.... پیٹر....!" وہ رک رک کر دانت پیستی ہوئی بولی۔ پھر نوکروں سے کہا۔ "اسے اٹھاؤ"

انور کچھ نہ بولا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ بول ہی نہ سکتا تھا۔ کیونکہ اُس کی زبان بھی بقیہ جسم کی طرح حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ مگر یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ سوچ سکتا تھا۔

نوکر اُسے اٹھائے ہوئے ایک کمرے میں لائے اور بیگم ارشاد کے اشارے پر اُسے آرام کرسی میں ڈال دیا گیا۔ "اس کے کپڑے اُتار کر پنکھے کھول دو۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ جس آرام کرسی پر انور کو بٹھایا گیا تھا اُس کے تین طرف تین میزوں پر پنکھے رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد انور کے جسم پر صرف زیر جامے رہ گئے اور تین پنکھوں کی تیز ہوا اُسے جسم کے اندر اترتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ حیرت انگیز طور پر ٹھیک ہوتا گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ران کی تکلیف بھی گھٹ کر سوئی کی چبھن ہی کے برابر رہ گئی تھی۔

"اب پنکھے بند کردو۔" انور نے نوکروں سے کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرے کپڑے اٹھاؤ۔"

کپڑے اُسے دیئے گئے اور ایک نوکر باہر چلا گیا۔ انور سمجھتا تھا کہ وہ بیگم ارشاد کو اس کی اطلاع دینے گیا ہے۔ اُس نے بڑی تیزی سے کپڑے پہنے اور جیب سے سگریٹ کیس نکال کر ایک سگریٹ منتخب کی اور پھر اُسے ہونٹوں میں دبا کر سلگانے ہی والا تھا کہ بیگم ارشاد کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم یہاں کیوں آئے تھے؟" وہ گرجی۔

انور نے سگریٹ سلگا کر لاپروائی سے دیا سلائی ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "مدعو کیا گیا تھا۔"

"میں تم پر کیس دائر کردوں گی۔ تم میری بچی کو بہلا پھسلا کر اُس سے بڑی بڑی رقمیں اینٹھ رہے ہو۔"

"آہا.... مس شاہینہ میری قرض دار ہیں۔ وہ مجھ سے دس ہزار روپے قرض لے کر جوئے میں ہار چکی ہیں۔"

"میں.... دیکھو! میں تمہیں پھر سمجھاتی ہوں کہ اُس سے ملنا جلنا ترک کردو۔ ورنہ تمہارے انجام پر کوئی رونے والا بھی نہ ملے گا۔"

"شہر کی دو بڑی ماں بیٹی میری قبر پر دو آنسو ضرور گرائیں گی۔ مجھے یہی توقع ہے لیکن بیگم ارشاد مجھے حیرت ہے کہ آپ اس نئی بیماری کے علاج سے بخوبی واقف ہیں۔ پچھلی رات یہی بیماری محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید کو بھی ہوگئی تھی۔"

"ہو گئی ہوگی۔" بیگم ارشاد نے لاپرواہی سے کہا۔ "تم مجھے کسی طرح بھی دھمکا نہیں سکتے۔ میں جانتی ہوں کہ قانون کا سامنا کس طرح کرنا چاہیئے۔"

"شاہینہ کا اب کیا حال ہے؟"

"بس اب تم چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"کیا شاہینہ نے آپ کو جوزف پیٹر کی اصلیت سے آگاہ کیا تھا؟"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ اگر اب تم تین منٹ کے اندر ہی اندر یہاں سے نہ چلے گئے تو میں تمہیں سڑک پر پھینکوا دوں گی۔"

انور نے میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور ختم ہوتے ہوتے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگایا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "جب کوئی مصیبت پڑے مجھے ضرور یاد کیجئے گا بیگم ارشاد....!"

وہ دروازے کی طرف بڑھا لیکن پھر رک گیا اور بیگم ارشاد کی طرف مڑے بغیر بولا۔ "میری روح اس عمارت کے گرد ہمیشہ منڈلاتی رہے گی۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا عمارت کے باہر نکل آیا۔ کمپاؤنڈ میں کئی جگہ بلب روشن تھے اور شاید ہی کسی گوشے میں بھی اندھیرا نہیں تھا وہ اب وہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے اگر اندھیرا ہوتا تو اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ سڑک پر آ گیا۔

مگر اس طرح چپ چاپ چلے جانا اُس کی طبیعت کے خلاف تھا۔ اُس نے ایک ضدی طبیعت پائی تھی اور انتقام کا جذبہ دبا لینے میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ پچھلی رات آرلکچو میں بھی بیگم ارشاد نے سخت سست کہا تھا اور اب اس وقت بھی۔ حالانکہ اُس کے رویہ کا محرک کوئی اور تھا۔ کون تھا؟ انور فٹ پاتھ پر رک کر سوچنے لگا۔ ویسے اُسے یوں بھی کسی ٹیکسی کے انتظار میں رکنا ہی تھا۔

وہ سوچ رہا تھا۔ آخر بیگم ارشاد شہر کی گندی گلیوں میں کیوں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ اُسے کون کس جرم کی سزائیں دے رہا ہے اور کیوں؟ وہ سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔ لیکن پولیس کو اس کی اطلاع نہیں دے سکتی۔ ویسے وہ پولیس سے بھی خائف نہیں معلوم ہوتی۔ اگر وہ پولیس سے خائف ہوتی تو انور کو اس حال میں اٹھوا کر سڑک پر پھینکوا دیتی۔ اُس نے اُس کے لئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی اور پھر جب کہ محکمہ سراغ رسانی کا ایک آفیسر نہ صرف ایسے ہی ایک تجربے سے دوچار ہو چکا تھا بلکہ اخبارات کے ذریعہ اُس کی پبلٹی بھی کرائی تھی۔ بیگم ارشاد نے اس قسم کا خطرہ کیوں مول لیا۔ ویسے یہ تو ظاہر ہے کہ اُس کے متعلق اُسی آدمی سے ہدایات ملی ہوں گی جو اس حرکت کا ذمہ دار تھا۔

کیا وہ یہاں رک کر اُس پُر اسرار آدمی کو تلاش کرے؟ مگر یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ اب بھی یہیں موجود ہوتا۔ پھر ایسی صورت میں یہاں رکنا ہی فضول تھا۔ انور نے فیصلہ کیا کہ اُس وقت تو اُسے ٹل ہی جانا چاہئے۔

اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اس واقعہ کی اطلاع کرنل فریدی کو ضروری دینی چاہئے۔ چونکہ حمید کو بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آچکا تھا اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکے مگر بیگم ارشاد کے رویے نے اُسے پھر الجھن میں ڈال دیا۔ آخر اُس نے یہ جتانے کی کوشش کیوں کی تھی کہ وہ اس مرض کا علاج جانتی ہے۔ مگر ہو سکتا ہے اُسے اُسی پر مجبور کیا گیا ہو۔ انور اس خیال پر قائم نہ رہ سکا کیونکہ اگر وہ آدمی یہی چاہتا تھا تو اُس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اپنے پیچھے پولیس کو بھی لگانا چاہتا ہے۔ پھر آخر انور ہی سے بیر کیوں؟

وہ سوچتا رہا لیکن کسی خاص نتیجے پر نہ پہنچ سکا۔

اچانک ایک موٹر سائیکل آکر فٹ پاتھ سے لگ گئی۔

"کیوں.... کیا نکلوا دیئے گئے؟" اُس نے رشیدہ کی طنز آمیز آواز سنی۔

"اگر کچھ دیر اور ٹھہرتا تو یہی حادثہ پیش آتا" انور آگے بڑھتا ہوا بولا۔ "چلو.... پیچھے کیرئیر پر چلو۔"

رشیدہ کیرئیر پر چلی گئی۔ انور نے سیٹ پر بیٹھ کر مشین اسٹارٹ کی اور پھر موٹر سائیکل سڑک پر فراٹے بھرنے لگی۔

"کیوں کیا تم اسی انتظار میں تھے؟" رشیدہ نے اُس کی پشت پر چٹکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"چین سے بیٹھو ورنہ گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھا دوں گا۔"

"یہ ایک شاندار ایڈونچر ہوگا۔ ضرور ایسا کرو۔" رشیدہ نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن موٹر سائیکل سڑک ہی پر دوڑتی رہی۔

"ہاں تو آج پھر اُس پر وہی کل کا سا دورہ پڑا تھا؟" رشیدہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"میرے اپنے ذرائع بھی ہیں۔" رشیدہ اکڑ کر بولی۔ "اور یہ تقریب اس طرح ختم ہوگئی۔"

انور کچھ نہ بولا۔ موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی طرف جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ پھاٹک ابھی بند نہیں کیا گیا تھا۔ انور موٹر سائیکل کو پورچ میں لیتا چلا گیا۔

لیکن پھر اُسے یہ معلوم کر کے بڑی مایوسی ہوئی کہ فریدی اور حمید گھر پر موجود نہیں ہیں۔

"پھر اب کھڑے کیوں ہو؟ واپس چلو۔" رشیدہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"نہیں میں انتظار کروں گا۔" انور نے کہا اور ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

انور میک اپ میں تھا۔ اس لئے اگر اُس کے ساتھ رشیدہ نہ ہوتی تو شاید وہ اتنی بے تکلفی سے ڈرائینگ روم میں داخل نہ ہو سکتا۔ فریدی کے ملازم رشیدہ کو پہچانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

"کیا تم اس واقعے کی اطلاع فریدی صاحب کو دے چکے ہو؟"

"کس واقعے کی اطلاع؟" انور نے پوچھا اور اُس ملازم کو گھورنے لگا جو دروازے میں کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ آخر اُس نے رشیدہ سے پوچھا۔ "انور صاحب کہاں ہیں۔"

"کیوں....؟"

"صاحب انہیں فون پر بلا رہے ہیں۔" نوکر نے کہا۔

رشیدہ اور انور حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے پھر انور اٹھا اور ملازم سے بولا۔

"چلو....!"

لیکن ملازم جو اُس کی آواز نہیں پہچان سکا تھا اس انداز میں اُسے دیکھنے لگا جیسے اُس کے اس اتی پر بہت سخت وست کہے گا۔

"ارے چل نا....!"

"اوہ.... ہو.... آپ ہیں۔" نوکر ہنسنے لگا۔ پھر وہ دونوں اُس کمرے میں آئے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

انور نے مضطربانہ انداز میں ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

"تم اگر مجھے یہ بتا بھی دو گے کہ تم بھی آج اُسی تجربے سے دوچار ہوئے ہو جو پچھلی رات کو ہوا تھا تو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"آپ جانتے ہیں!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"بالکل اسی طرح جیسے پانچوں انگلیاں ایک دوسری کو جانتی ہیں۔" فریدی کی آواز آئی۔ "اور تم یہ بھی سوچ رہے ہو کہ بیگم ارشاد نے تم سے پرخاش رکھنے کے باوجود بھی ہمدردانہ رویہ اختیار کیا تھا۔"

"ارے.... تو آپ یہ بھی جانتے ہیں؟"

"ہاں.... مجھے اس کا بھی علم ہے لیکن تم خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔"

"نہیں جناب، میں اب تک شاہینہ سے دو ہزار روپے وصول کر چکا ہوں۔"

"لیکن اب شاید شاہینہ بھی تمہاری طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے گی۔ ویسے مجھے تمہارے اس ناکارہ پن پر افسوس ہے کہ میک اپ کے باوجود بھی پہچان لئے جاتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"خیر تم اب اس چکر میں نہ پڑو۔"

"لیکن اگر شاہینہ نے مجبور کیا تو؟"

"پھر میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ جو کچھ بھی کرنا ہے کھل کر کرو۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بیگم ارشاد سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کر سکے گی۔"

"دیکھئے.... پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ بیگم ارشاد رات گئے بھی گھوڑا گاڑی میں شہر کی گلیوں کے چکر کیوں لگاتی پھرتی ہے۔"

"نہیں میں ابھی اُس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"جرم سے زیادہ مجھے مجرم کی فکر ہے۔ اچھا بس اب تم گھر جا سکتے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

زرد پوش فرشتہ

ٹھنڈک سے بچنے کے لئے حمید نے کانوں کو رومال سے جکڑ رکھا تھا۔ اس کے باوجود بھی اُس کے دانت بج رہے تھے اور برف سے بھی زیادہ ٹھنڈا لوہا اُسے اپنے ہاتھوں میں چپکتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے کارنس پر دونوں پیر جما کر نیچے دیکھا اور اُس کی روح فنا ہو گئی۔ وہ زمین سے تقریباً ساٹھ فٹ کی بلندی پر تھا اور اطمینان کی سانس لینے کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دس فٹ کی مزید بلندی طے کر کے چھت پر پہنچ جائے۔

یے اگر اُسے اپنی ہڈیوں کا سفوف دیکھنے کی خواہش ہوتی تو دونوں ہاتھوں سے سر ضرور لیکن اس وقت وہ اُس پائپ کو مضبوطی سے پکڑے رہنا چاہتا تھا جس کے سہارے اُس نے ٹ کی بلندی طے کی تھی اور جو مزید دس فٹ کی بلندی طے کرانے کے بعد اُسے دوبارہ پہنچنے کا ضامن تھا۔ اُس نے یہ خطرناک سفر تنہا نہیں اختیار کیا تھا بلکہ شریک سفر "فادر ہارڈ ن" بھی تھا۔ لیکن اب وہ کہاں تھا؟

حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر اوپر چڑھنے لگا کیونکہ "فادر ہارڈ اسٹون" کی عرصہ سے ہیں آئی تھی۔ حقیقتاً یہ عرصہ تین منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا۔ مگر حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ تین ہزار سال سے اس دیوار اور پائپ پر طبع آزمائی کرتا آیا ہو۔ صرف تین منٹ پہلے فریدی اوپر پہنچ گیا تھا اور شاید اتنی جلدی میں تھا کہ اُسے پلٹ کر حمید کی خبر لینے کی بھی ت نہ مل سکی تھی۔

حمید کسی نہ کسی طرح اوپر پہنچا۔ یہ تیسری منزل کی سپاٹ چھت تھی۔ اوپر پہنچتے ہی وہ چت لیا۔ اُس کا سینہ لوہار کی دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ حلق پھاڑ پھاڑ کر گانے لگے۔

ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل اسٹار
ہاؤ آئی ونڈر وہاٹ یو آر

تقریباً دس منٹ تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر سوچنے لگا۔ اب نیچے پہنچنے کی کیا صورت لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ کوئی دشوار مسئلہ ہوتا تو فریدی اُس کی راہنمائی کے لئے وہاں رکتا۔ وہ لیٹے ہی لیٹے چھت کے اُن کنارے کی طرف کھسکنے لگا۔ جہاں سے وہ نیچے پہنچنے کے ت کا جائزہ لے سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔ اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی۔ بلکہ ت تو یہ تھی کہ اب اُس کے "فرشتوں" نے "خبر" کے چکر میں پڑنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

دیوار کے کنارے پہنچ کر اُس نے نیچے جھانکا اور اُس کی باچھیں کھل گئیں کیونکہ صحن میں نگی اور نیچے پہنچنا بھی نہایت آسان تھا۔

ڑھی دیکھ کر وہ اس لئے خوش ہوا تھا کہ معاملات یونہی سے معلوم ہوتے ہیں ورنہ فادر ہارڈ ٹاروشنی گل کرنا نہ بھولتا۔ وہ کارنس پر پیر رکھ کر دھم سے صحن میں کود گیا۔

اور کمرے کے اندر سے آواز آئی "واہ.... وا.... دوسرا فرشتہ میں بہت خوش قسمت ہوں۔"

حمید بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ کمرے کی کھڑکیاں اور دروازے کھلے ہوئے تھے۔
اُس نے فریدی کو دیکھا جو کمر پر دونوں ہاتھ رکھے سیدھا کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں میں دبے ہوئے سگار کا دھواں فضا میں لہریئے بنا رہا تھا اور ایک دبلا پتلا آدمی جس کے جسم پر زرد رنگ کا لبادہ تھا ایک آرام کرسی میں نیم دراز تھا۔
حمید پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور جیسے ہی وہ وہاں پہنچا دبلا پتلا آدمی کرسی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں دھندلی تھیں اور گال پچکے ہوئے سے۔ لیکن عمر تیس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔
"خوش آمدید.... اے متبرک فرشتے۔" وہ حمید کی طرف دونوں ہاتھ بڑھا کر بولا۔ "میں بڑا خوش قسمت ہوں۔"
حمید نے بھی بالکل اُسی کے سے انداز میں ہاتھ آگے بڑھائے لیکن دوسرے ہی لمحے میں آدمی پھر آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ اُس کی رنگت زرد تھی اور وہ خود ہی اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فرشتہ معلوم ہو رہا تھا۔
"کیا آپ مجھے اپنا نام نہیں بتائیں گے؟" فریدی نے اُس سے کہا۔
"میرا نام وفادار کتا ہے۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔
"میں آپ جیسے سنجیدہ آدمی سے سنجیدگی ہی کی توقع رکھتا ہوں۔"
"مجھے علم ہے کہ کسی کے متعلق کچھ معلوم کر لینا فرشتوں کیلئے ناممکن نہیں ہے۔" وہ مسکرایا۔
"آپ یہاں کب سے مقیم ہیں؟"
"ابتدائے آفرینش سے۔"
"میں اُس وقت کہاں تھا؟" حمید چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔
"بھائی ماروت.... تم تو میری ساتھ ہی لٹکائے گئے تھے۔" اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔
"کیا فرمایا....؟" حمید اُس کی طرف مڑ کر گھورتا ہوا بولا۔
"آہ... بھائی.... کیا تمہیں یونان کی زہرہ یاد نہیں؟"
"میں جاپان تک کی زہراؤں سے واقف ہوں۔ تم اپنا مطلب بیان کرو۔"
"یہ بتاؤ کہ تم اب تک کہاں رہے؟" اُس آدمی نے کہا۔ "مجھے تو اب صرف اتنا ہی یاد ہے کہ زلزلہ آیا تھا اور چاہ بابل کے پرخچے اڑ گئے تھے اور پھر ہوش میں آنے کے بعد تمہیں اپنے پہلو میں

پایا۔ اُف.... فوہ.... بھائی ماروت.... کیا تمہیں وہ پیاس یاد ہے۔ ہماری زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور پانی صرف ایک بالشت کے فاصلے پر تھا۔"
"آہا....!" حمید نے سر ہلا کر کہا۔ "اور ہم الٹے لٹکے ہوئے تھے۔"
"خدا کا شکر ہے.... پیارے بھائی کہ تمہیں یاد تو آیا۔ اب تم کہاں رہتے ہو؟"
"زہرہ کے گھر۔" حمید فریدی کو آنکھ مار کر مسکرایا۔ لیکن فریدی شاید ان دونوں کی بکواس میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔
"کیا....؟" وہ آدمی یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "تم زہرہ کے ساتھ رہتے ہو....؟"
"ہاں.... اور مریخ میرا سالا لگتا ہے۔"
"اگر ایسا ہے تو تم نے بد عہدی کی ہے ماروت.... بہت بُرا کیا تم نے۔ میں تمہیں کبھی نہیں معاف کروں گا۔"
دفعتاً فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "غالباً تمہارا نام ہاروت ہے۔"
"اسی سے پوچھو۔" اُس نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔
"ہاں....!"
"ہاں.... یہ مسٹر ہاروت ہیں۔" حمید سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ "ہم دونوں فرشتے تھے۔ لیکن زہرہ کے عشق میں گرفتار ہوئے اور چاہ بابل کے قیدی بنا دیئے گئے۔ آج کل میں جوتے گانٹھتا ہوں اور یہ شاید بک بائینڈر ہیں۔"
"میں ازل سے ہاروت ہوں اور ابد تک ہاروت رہوں گا۔" اُس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں اسے وضعداری کے خلاف سمجھتا ہوں کہ آج لفنگا ہوں کل فرشتہ ہو جاؤں۔"
"تو پھر تم زہرہ کے معاملے میں مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔ کیوں....؟" حمید نے کہا۔
"ختم کرو۔" فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ پھر اُس آدمی سے بولا۔ "زہرہ تمہیں مل جائے گی میں وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن تم ہم فرشتوں کی آمد کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گے۔"
"ہاں....!" حمید فریدی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "یہ بھائی عزرائیل ہیں۔"
"ڈلائیٹڈ سر....!" وہ جھک کر فریدی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ میں کسی سے تذکرہ کروں۔"
فریدی نے حمید کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔
"آپ حضرات کون سی شراب پسند کرتے ہیں؟" زرد پوش فرشتے نے اُن سے پوچھا۔

"جو بھی وقت پر مل جائے۔" فریدی بالکل اسی انداز میں جماہی لے کر بولا جیسے سچ مچ شراب کا عادی ہو اور دیر سے اُسے شراب نہ میسر آئی ہو۔

"کیا میں ایک بہت پرانی اور پرتگالی شراب پیش کرنے کا فخر حاصل کر سکتا ہوں؟"

"میں مشکور ہوں گا۔ لیکن میری عادت ہے کہ اپنے ساتھ پینے والوں کے لئے میں ہی کم کرتا ہوں۔"

"مجھے خوشی ہوگی اگر میں اپنے مہمانوں کی خواہشات کا احترام کر سکوں۔" زرد پوش فرشتے نے کہا اور اٹھ کر ایک الماری کھولی۔ پھر ذرا ہی دیر بعد میز پر تین گلاس ایک بوتل اور سوڈے کا سائفن نظر آنے لگے۔

حمید فریدی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے اُس وقت اُس کی آنکھیں حلقوں سے نکلی پڑ رہی تھیں۔ جب فریدی تینوں گلاسوں میں شراب ڈال چکنے کے بعد سائفن سے سوڈے کی بوچھاڑیں کر رہا تھا۔

تینوں نے گلاس ٹکرائے اور ایک دوسرے کو ترقی و خوشحالی کی دعائیں دے کر گلاسوں کو ہونٹوں سے لگالیا۔ پہلے ہی گھونٹ نے حمید کی آنکھوں پر ٹھوکر ماری اور اُس کی کنپٹیاں گرم ہوگئیں۔ شراب واقعی بہت پرانی اور تیز تھی۔ اُس نے دیکھا کہ زرد پوش فرشتے نے دو ہی تین سانسوں میں اپنا گلاس ختم کر کے میز پر پٹخ دیا۔ حمید نے بھی اُسی کی تقلید کی لیکن اُس کے سینے کا جو حال تھا شاید پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ اپنا گلاس میز پر پٹخ کر فاتحانہ انداز میں فریدی کی طرف مڑا جو خونخوار نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔

اب حمید نے دیکھا کہ فریدی کا گلاس جوں کا توں رکھا ہوا ہے۔ شاید اُس نے ایک ہلکی سی چسکی بھی نہیں لی تھی۔

حمید کے حواس غائب ہوگئے۔ وہ نہ جانے کس دھن میں سمجھ بیٹھا تھا کہ فریدی نے اپنے لئے بھی شراب پینے ہی کی غرض سے انڈیلی ہے۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" وہ کسی درندے کی طرح غرایا۔

حمید نے کچھ کہنا چاہا لیکن ہکلا کر رہ گیا۔ نہ ذہن ساتھ دے رہا تھا اور نہ زبان۔

"وہ ضرور آئے گی۔ مجھے یقین ہے۔" زرد پوش فرشتہ کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بڑبڑا رہا تھا اور اُس کی آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں۔

"صدیاں گذریں.... ہاں.... میں نے اُسے جھیل میں نہاتے دیکھا تھا۔" زرد پوش فرشتہ

انداز میں بڑبڑاتا رہا۔ "شفق اُس کے گالوں کو چھو رہی تھی۔ ایک سنہرا بجرا اُس کے قریب گذرا جیسے ہنس اپنے پروں پر اٹھائے ہوئے تھا.... اور.... ہاتھوں کے پھول ہوا میں تیر رہے تھے.... گوغمزغی.... غمے.... غریسکی.... غروسعال.... غی....!"

پھر وہ نہ صرف بیہوش ہو گیا بلکہ اُس کی گردن بھی ایک طرف ڈھلک گئی۔ فریدی نے اٹھ کر اُسے ہلایا جلایا لیکن اُسے ہوش ہی نہیں تھا۔

پرانی شراب آہستہ آہستہ حمید کے ذہن پر سکہ جما رہی تھی لیکن ابھی اس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت باقی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ ہاتھ پیر قابو میں نہ رہے ہوں۔

اُس نے دیکھا کہ فریدی گلاس اور بوتل اٹھا اٹھا کر اُسی الماری میں رکھ رہا ہے جس سے وہ نکالے گئے تھے۔ پھر اُس نے بے ہوش فرشتے کو بھی اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا اور حمید کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتا ہوا بولا۔ "یہ شراب تیز اور پرانی معلوم ہوتی ہے اگر تم اوندھے ہوگئے تو کیا ہوگا؟"

"میں بھی فرشتہ ہوں اور اسی فرشتے کے ساتھ دفن ہو جاؤں گا۔" حمید نے مسہری کی طرف اشارہ کیا۔

"اوبدبخت.... اب تم یہاں سے نکلو گے کیسے؟ کیا تم پائپ کے سہارے نیچے اُتر سکو گے۔"

"ہرگز نہیں۔" حمید مٹھیاں بھینچنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ "ناممکن.... میں پائپ ہی نہ پکڑ سکوں گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" فریدی نے کہا اور کمرے کی تلاشی لینے لگا یہاں تین کمرے تھے۔ ایک چھوٹا سا صحن تھا اور ایک برآمدہ.... ساز و سامان سے زرد پوش فرشتہ کوئی کم حیثیت آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید فریدی کے ساتھ لڑکھڑاتا پھرتا رہا۔ اور اب اس کے ذہن میں بے ربط اور اوٹ پٹانگ خیالات چکرانے لگے تھے۔

"مجھے یونان کی زہرہ کے والد سے ملا دیجئے۔" اُس نے فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"پیچھے ہٹو....!" فریدی اُسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

"ارے.... واہ.... میں کمزور ہوں کیا۔" حمید آستین چڑھانے لگا.... یہ حقیقت ہے کہ پرتگالی شراب نے اُس کا بھیجا کھوپڑی کے اوپر لا رکھا تھا۔

"میں بہت بُری طرح خبر لوں گا۔"

"میں اس سے بھی بُری طرح پیش آؤں گا۔" حمیدن سینہ ٹھوک کر جواب دیا۔

فریدی پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"بس دم نکل گیا نا.... ہاہاہا....!" حمید نے جھومتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر دیکھا تک نہیں۔ حمید کی کھوپڑی آؤٹ ہی ہوتی رہ اور اُس نے بھی فریدی کی تقلید میں چیزیں اٹھا اٹھا کر ادھر کی اُدھر کرنی شروع کر دیں۔ مینٹ پیس سے گھڑی اٹھائی۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر کان سے لگا کر اُس کی "ٹک ٹک" سنتا رہا کچھ دیر بعد خود بھی ٹک ٹک شروع کر دی۔ بالکل اُسی انداز میں جیسے گھڑی کو چڑھا رہا ہو۔

"سالی کو ٹھیک سے چلنا بھی نہیں آتا۔" اُس نے جھلا کر کہا اور گھڑی کو فرش پر پٹخ دیا۔

"یہ کیا بیہودگی ہے۔" فریدی مڑ کر غرایا۔

"اے بڑے بھائی تم اپنا کام کرو۔" حمید دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔ "ورنہ مجھے خواہ مخ غصہ آجائے گا۔ کیا تم مجھے اُلو سمجھتے ہو؟"

"اگر تم نشے میں نہ ہوتے تو میں تمہاری کھال کھینچ لیتا۔"

"میں نشے میں نہیں ہوں۔ ذرا کھینچو تو کھال۔ میں بھی دیکھوں کہ کتنے طاقت ور ہو۔"

فریدی بُرا سا منہ بنائے ہوئے ایک سوٹ کیس پر جھک پڑا۔ اتنے میں حمید کی نظر ملبوسات کی الماری کے بڑے آئینے پر پڑی اور وہ ٹھٹک گیا۔ پھر مٹھی باندھ کر دانت پیستا ہوا آئینے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا۔ "یو ایڈیٹ... اُلو کا پٹھا... سالا ہمارا بھیس بدلکر آیا ہے تم۔"

"تھڈ....!" اُس کا مکا آئینے پر پڑا اور پھر اُس کے چہرے پر یتیمی بکھر گئی کیونکہ آئینہ ا معمولی بھی نہیں تھا کہ ایک آدھ گھونسہ بھی نہ برداشت کر سکتا۔ ویسے کوئی حمید کے دل سے پوچھتا کہ اُس کے پنجے کی ہڈیوں کا کیا حشر ہوا تھا۔

"ارے کیوں پاگل ہوا ہے حمید کے بچے! کیوں شامت آئی ہے۔" فریدی اُس کی طرف م کر بولا۔

"میں اپنی توہین نہیں برداشت کر سکتا۔ تم خود حمید کے بچے۔" حمید نے کہا اور الماری سے کپڑے نکال نکال کر اُن کی دھجیاں بکھیرنے لگا۔

"ارے یہ کیا کر رہا ہے۔"

"مزے کر رہا ہوں۔" حمید کا جواب تھا۔

"اچھا تو کرو مزے۔" فریدی اُسکی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید نے جھپٹ پڑنا چاہا لیکن فریدی نے اتنی پھرتی سے چپر اس ماری کہ دوسرے ہی لمحے میں وہ داہنے شانے کے بل زمین پر تھا۔

ہارے باپ رے۔" وہ کسی زخمی بیل کی طرح کراہا۔ لیکن اُسے پھر اٹھنا نصیب نہ ہوا۔ نے دو منٹ کے اندر ہی اندر اُسے بے بس کر دیا۔ اُس کی ٹائی کھول کر اُس نے اُس کے پیر باندھ دیئے تھے اور حمید زمین پر بیٹھا گرہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

جب گرہیں کسی طرح نہ کھلیں تو اُس نے کان پر ہاتھ رکھ کر گانا شروع کر دیا۔

بلبلو مت رو یہاں آنسو بہانا ہے منع
ان قفس کے قیدیوں کو غل مچانا ہے منع

"او بلبلوں کے بچے میں تمہارے حلق میں کپڑا ٹھونس دوں گا۔" فریدی پیر پٹخ کر بولا۔

"تم مجھے رونے بھی نہیں دیتے.... ہائے ہائے رے ظالم زمانہ۔" اُس نے کان پر ہاتھ رکھ لگائی اور فریدی نے آگے بڑھ کر اُس کے گالوں پر تھپڑ رسید کرنے شروع کر دیئے۔

"ارے.... ارے.... واہ بھئی۔" حمید ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیابی نہ اور اُس کے دونوں گال سرخ ہو گئے۔

"مارلو.... مارلو.... اچھی طرح مارلو.... اللہ تمہیں غارت کرے گا.... جیسے تم نے ایک اول دکھایا ہے" حمید سچ مچ بیوہ ہی کے سے انداز میں بلبلا کر بولا اور فرش پر لیٹ کر چہرہ ں میں چھپا لیا۔ فریدی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

حمید اُس کے لئے اس وقت ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ اول تو وہ اُس کے کام میں حارج ہو رہا تھا سرے کچھ دیر بعد دوسری صورت میں وبال جان بننے والا تھا۔ وہ دونوں اسی لئے عمارت کی ے اندر داخل ہوئے تھے کہ صدر دروازے سے داخلہ ناممکن تھا۔ اور اب بھی باہر نکلنے کے رف وہی راستہ استعمال کیا جا سکتا جس راستے سے وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ صدر دروازہ باہر قفل تھا اور اُسے کھلوانا ناممکنات ہی میں سے تھا۔ اگر فریدی کو علم ہوتا کہ حمید سے شراب کی حماقت سرزد ہو جائے گی تو وہ اُسے پہلے سے اشارہ کر دیتا۔ اُس کا مقصد تو دراصل اُس پوش فرشتے کو بے ہوش کر کے یہاں کی تلاشی لینا تھا۔ اُس کے گلاس میں اُس نے ایک بہت یع الاثر قسم کی خواب آور دوا ملائی تھی۔ حمید کو اُسی حالت میں چھوڑ کر وہ پھر اپنے کام کی ف متوجہ ہو گیا۔ وہ کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں تھی کہ پانچ منٹ بعد کیا گا۔ اُس نے ایک صندوق کھول ڈالا اور اُس میں رکھی ہوئی چیزیں الٹنے پلٹنے لگا۔ اس میں زیادہ تر رتوں کے استعمال کی چیزیں تھیں۔ یہاں کئی سوٹ کیسوں میں بھی اُسے زنانہ استعمال کے

ملبوسات ملے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہاں کوئی عورت بھی رہتی ہے تو اُسے اس کا علم پہلے سے کیوں نہیں ہوا۔ اُسے جو کچھ بھی اطلاعات ملی تھیں وہ صرف اتنی ہی تھیں کہ یہاں ایک فاترالعقل آدمی رہتا ہے۔ خبر گیری کے لئے دو آدمی ہیں جو مختلف اوقات میں اُس کی دیکھ بھال کر کے اُسے مکان میں مقفل کر جاتے ہیں۔ اس وقت بھی اُسے معلوم ہوا تھا کہ وہ مکان میں تنہا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو صدر دروازے کا قفل آسانی سے کھول سکتا تھا مگر شاید وہ اپنی آمد کے نشانات نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اُس نے دوسرے ہی طریقے کو ترجیح دی تھی۔ ویسے اب وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ متعلقہ لوگوں کو اس خانہ تلاشی کا علم نہ ہو سکے گا کیونکہ حمید نے نشے کی حالت میں وہاں کچھ ایسی ابتری پھیلادی تھی جس کا ازالہ تقریباً ناممکن ہی تھا۔

دفعتاً حمید نے سر اٹھا کر کہا۔ "اللہ کرے تمہاری قبر سے دھواں اٹھے۔ تن تن کیڑے پڑیں....!" نہ جانے اُس کے ذہن میں کسی بیوہ کا تصور کہاں سے آگھسا تھا۔

"خدا کرے مرتے وقت کلمہ نہ نصیب ہو.... میں جنم جلی.... ہینہہ.... ہینہہ.... ہینہہ....!" وہ عورتوں کے سے انداز میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

شعبدوں کا جواب

فریدی کو بیساختہ ہنسی آگئی اور وہ مڑ کر بولا۔ "ذرا تم ہوش میں آجاؤ تو پھر مزاج پوچھوں گا۔"

"چھیڑو گے تو شور مچادوں گی۔" حمید روتا ہوا ناک کے بل بولا۔

فریدی جلد سے جلد پورے مکان کو دیکھ ڈالنا چاہتا تھا۔ ابھی ایک کمرہ اور باقی تھا وہ حمید کو وہیں چھوڑ کر تیسرے کمرے میں چلا آیا لیکن بمشکل تمام ایک منٹ گذرا ہو گا کہ اُسے ایک عجیب قسم کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی داہنی جانب والی کھڑکی کے پاٹ لرزنے لگے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اُسے کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

فریدی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا ہوا دروازے کے قریب آگیا اور اُسے بہ آہستگی بند کر کے وہیں کھڑا رہا لیکن اُس کی ایک آنکھ خودکار قفل کے سوراخ سے لگی ہوئی تھی اور داہنا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے ریوالور پر تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بلی شکار کے گھات میں ہو۔

اُس نے روشنی نہیں گل کی تھی اور قفل کے سوراخ سے ہلتی ہوئی کھڑکی صاف دکھائی دے رہی

ہی تھی۔ دفعتاً اُس کے دونوں پاٹ کھل گئے اور ایک آدمی اندر کود آیا۔ اُس کے جسم پر سیاہ کپڑے تھے اور اُس نے اپنا چہرہ بھی سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا۔

اُس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بڑی احتیاط سے اُسی دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس کے قریب فریدی کھڑا ہوا تھا۔

فریدی نے اُسے بہت غور سے دیکھا۔ آنے والا یا تو کوئی اناڑی تھا یا انتہائی بیباک آدمی جس نے روشنی گل کرنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ ویسے اُس کا داخلہ بھی اُسی راستے سے ہوا جس سے فریدی اور حمید یہاں تک پہنچے تھے۔ یہ دونوں تو سیدھے چھت پر نکل آئے تھے لیکن اس آنے والے نے چھت کی طرف جانے کی بجائے کارنس پر چل کر کھڑکی تک پہنچنے کی کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔

فریدی ایک طرف ہٹ کر دیوار سے چپک گیا۔ اُس نے صحن کی روشنی اُسی وقت گل کر دی تھی جب تلاشی کا آغاز کیا تھا۔

آنے والے نے بہ آہستگی دروازہ کھولا اور صحن میں آگیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کے ریوالور کی نال اُس کی گردن سے جا لگی۔

"اپنے ہاتھ اوپر اٹھادو۔" اُس نے آہستہ سے کہا اور نقاب پوش کے ہاتھ بے اختیارانہ طور پر اوپر اٹھ گئے۔

"چلو.... آگے بڑھو....!" فریدی ریوالور کی نال پر تھوڑا زور صرف کرتا ہوا بولا۔

نقاب پوش نے بے چون وچرا تعمیل کی۔

"اندر چلو....!" فریدی بولا۔ وہ اُس کمرے کے دروازے پر تھے جہاں زرد پوش فرشتہ بے ہوش پڑا تھا۔ نقاب پوش نے پیر سے دروازے کو دھکا دیا اور دروازہ کھل گیا۔

لیکن فریدی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ مسہری پر زرد پوش فرشتے کی بجائے کیپٹن حمید پڑا ہوا تھا اور زرد پوش فرشتہ سرے سے غائب۔

ابھی اُس کی حیرت دور نہیں ہوئی تھی کہ اُسے دوسرے حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی بے خبری میں کسی نے اُس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا لیکن بیک وقت تین ریوالوروں کی نالیں اُس کے سینے سے آلگیں۔

"ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔" بولنے والا لہجے سے غیر ملکی معلوم ہوتا تھا اور جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا دیئے۔ ساتھ ہی اُسے اپنی پشت پر قہقہہ سنائی دیا۔

وہ نقاب پوش ہنس رہا تھا جس کی گردن پر کچھ دیر پہلے فریدی نے ریوالور رکھ دیا تھا۔

"ہلو.... مائی ڈیئر.... ہاؤڈو یوڈو۔" اُس نے فریدی کی کمر تھپ تھپا کر کہا۔ "آؤ.... آؤ اندر آؤ۔ باہر کیوں کھڑے ہو۔ تمہارا اسسٹنٹ گہری نیند سو رہا ہے۔ اس لئے اُس کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے۔"

فریدی چپ چاپ کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے آرام کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"اور اگر میں انکار کر دوں تو....؟" فریدی مسکرایا۔

"تب پھر تم سے زیادہ بد بخت آدمی روئے زمین پر نہ ملے گا۔ کیونکہ ڈاکٹر ڈریڈ نے آج تک اتنی مہلت کسی کو نہیں دی۔"

"اوہ.... تو تم ڈاکٹر ڈریڈ ہو؟"

"اور تمہیں اس پر حیرت ہے؟"

"نہیں حیرت کیوں ہوتی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس آدمی کے ہاتھوں زک اٹھانے میں مجھے قطعی شرمندگی نہ ہوگی جو دوبار میرے ہاتھوں ذلیل ہو چکا ہے۔"

"آہا.... وہ میری تفریح تھی کرنل۔"

"اور یہ میری تفریح ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

"خیر مجھے معلوم ہے کہ تم بہت دلیر اور چالاک ہو۔" نقاب پوش نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تم میرے اصول سے واقف نہیں ہو۔ میں جب بھی کسی نئی سرزمین پر قدم رکھتا ہوں اپنے لئے لاتعداد خطرات خود ہی پیدا کرتا ہوں تاکہ خود کو وہاں کے ماحول سے ہم آہنگ کر سکوں۔ کیا سمجھے.... ورنہ جانتے ہو میرا ایک ہلکا سا اشارہ تمہاری موت کیلئے کافی ہوتا۔ کیا میری سنگلٹن حمید کے بازو میں کوئی ایسی زہریلی سوئی نہیں چبھو سکتی تھی جس سے اُس کی موت وہیں واقع ہو جاتی۔"

"چبھو سکتی تھی۔" فریدی نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ تم دونوں ابھی تک زندہ ہو؟"

"یہی کہ ہم دونوں نے فی الحال مر جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن تمہیں یقین ہونا چاہئے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔" نقاب پوش نے مسکرا کر بولا۔

"ہم تمہیں الوداع کہنے ہوائی اڈے پر ضرور آئیں گے۔"

"تم غلط سمجھے یہ سرزمین مجھے بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ یہاں دولت حاصل کرنے کے

مواقع دوسری جگہوں سے بہتر اور زیادہ ہیں۔ لہٰذا میں اب تم جیسے کانٹوں کو اپنی راہ سے ہٹا دینا چاہتا ہوں۔"

"مگر اُس ننھی سی پھانس کے لئے کیا کرو گے جو تمہارے ذہن میں ہر وقت کھٹکتی ہے۔"

"غالباً تمہارا اشارہ فنچ کی طرف ہے۔" نقاب پوش بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

"ارے وہ میرے دربار کا مسخرا ہے۔"

"بہت خوب۔" فریدی اس جملے سے محظوظ ہوا۔

"ادھر سنو....!" دفعتاً نقاب پوش کا لہجہ بدل گیا۔ "تمہاری حقیقت ہی کیا ہے۔ میری ایک معمولی سی چال بھی تمہاری سمجھ میں نہ آسکی۔ تم میری سنگلٹن کے پیچھے دوڑتے رہے۔ تم نے یہ سوچا کہ وہ کیپٹن حمید کے بازو میں زہریلی سوئی چبھونے کے بعد بھی اعلانیہ کیوں گھومتی پھر رہی ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ ویسا ہی ایک تجربہ اُس کرائم رپورٹر کو کیوں ہوا؟"

"اگر کرائم رپورٹر انور کو بھی ایسے ہی واقعے سے دوچار نہ ہونا پڑا ہوتا تو میں اس کے متعلق ضرور سوچتا۔" فریدی نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تم لوگ میری سنگلٹن کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک آئے اور تمہیں پڑوسیوں نے بتایا کہ یہاں ایک پاگل آدمی رہتا ہے اور اُس کے متعلقین اُسے مقفل رکھتے ہیں۔" نقاب پوش مزہ لے لے کر کہتا رہا۔ "پھر ہم نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ تمہارا اسسٹنٹ واقعی بڑا احمق ہے۔ اُس نے تمہارے لئے دوہری پریشانیاں پیدا کر دیں۔ اب تم سوچ رہے ہو گے کہ اگر میں کسی طرح نکل بھی جاؤں تو اس گدھے کا کیا ہوگا۔"

"مائی ڈیئر ڈاکٹر ڈریڈ۔ تم حیرت انگیز آدمی ہو۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "تم نے میرے دل کی بات کہہ دی لیکن سنو دوست تمہیں شاید اس کا علم نہیں ہے کہ میں عرصہ سے تمہاری موت کا خواہاں ہوں۔"

"میرے لئے بالکل نئی اطلاع ہے۔"

"ہاں.... مگر تمہارا رویہ بڑا بزدلانہ ہے۔ میں بالکل نہتا ہو چکا ہوں۔ اس کے باوجود بھی میری طرف چار ریوالور اٹھے ہوئے ہیں۔"

"اصولاً تو غلط نہیں ہے۔"

"نہ ہوگا۔ مگر مجھے الجھن ہوتی ہے۔ اپنے ایک آدمی سے کہو کہ میری جامہ تلاشی لے ڈالے۔"

"کیوں....؟"

"تاکہ تم لوگ میری طرف سے مطمئن ہو کر ریوالور اپنی جیبوں میں رکھ لو۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ ہم وہی کریں جو تم چاہتے ہو۔"

"یقیناً اخلاق کا تو یہی تقاضہ ہونا چاہئے کہ تم اس وقت میری ہر خواہش پوری کرو۔ کیونکہ تمہارے ہی قول کے مطابق ہم تھوڑی ہی دیر کے مہمان ہیں۔ جب کسی مجرم کو سزائے موت دی جانے لگتی ہے تو اُس کی آخری خواہش بھی پوری کرنی پڑتی ہے۔"

نقاب پوش کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس کی جامہ تلاشی لو۔"

جامہ تلاشی شروع ہو گئی لیکن فریدی کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہ ہوئی جس سے اُن کو خطرہ ہوتا۔

فریدی آرام کرسی پر بیٹھ گیا.... اور کچھ دیر بعد بولا۔ "ہاں.... کہو.... اب کیا کہتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ ابھی تم نے فنچ کے سلسلے میں مجھ پر طنز کیا تھا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ تمہیں اُس وقت تک زندہ رکھا جائے جب تک کہ تم فنچ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لو۔"

"مگر ڈاکٹر ڈریڈ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

"کیوں....؟"

"بس یونہی۔ دل نہیں چاہتا۔ ایسی شکست کے بعد کون زندہ رہنا پسند کرے گا جیسی اس وقت مجھے نصیب ہوئی ہے۔"

نقاب پوش ہنسنے لگا لیکن فریدی کے چہرے پر بدستور مایوسی نظر آتی رہی۔

"نہیں....!" نقاب پوش بولا۔ "تمہیں اُس وقت تک ہماری قید میں رہنا پڑے گا جب تک کہ میں فنچ کو ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل نہیں ڈالتا۔"

فریدی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنی جیبی گھڑی نکالی اور اُسے کان سے لگاتا ہوا بولا۔ "یہ کم بخت بھی آج خلاف معمول بند ہو گئی۔ کیا سچ مچ یہ میری زندگی کی آخری رات ہے۔"

فریدی اُس میں چابی دینے لگا پھر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا وقت ہوا ہے؟"

نقاب پوش نے اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ڈھائی۔"

"شکریہ۔" فریدی اپنی گھڑی کی سوئیوں کو حرکت دیتا ہوا بولا۔ "مگر دوست ڈریڈ یہ پاگل آدمی کون تھا۔ میں اس میں بہت شدت سے دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"سونے کی چڑیا۔" نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ "بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتایا جاسکتا۔

ں آدمی کے خون کی ہر بوند سے ایک تولہ سونا بناتا ہوں۔"

"تم واقعی بہت باکمال آدمی ہو۔ بہت زیادہ مگر یہ حقیقت ہے کہ ایک حقیر سے کیڑے فنچ نے ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ تم دوسروں کو بلیک میل کر کے روپیہ اینٹھتے ہو اور وہ تمہیں بلیک میل کر کے اُس میں حصہ لگا لیتا ہے۔"

"شیر کا جھوٹا گیدڑ ہی کھاتے ہیں۔" نقاب پوش نے اپنے شانوں کو لاپروائی سے جنبش دی۔

"ہاں بھئی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔" فریدی اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم آدمیوں کے ساتھ ساتھ ہی الفاظ کے بھی شکاری ہو۔"

"ہاں....!" نقاب پوش نے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ "ان دونوں کو قید کر دو۔"

"کیا یہیں قید کرو گے۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔

"قطعی.... لیکن۔" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "قید تو ذہنی ہو گی جسمانی طور پر تم بالکل آزاد ہو گے۔ باہر قفل نہیں ڈالا جائے گا۔ تم باہر جاسکو گے لیکن واپسی یہیں ہو گی۔"

"اوہ....!" فریدی نے حیرت سے کہا۔ "میں بالکل نہیں سمجھا ڈاکٹر ڈریڈ۔"

"تم دونوں کو ایک خاص قسم کے انجکشن دیئے جائیں گے اور تم اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سب کچھ بھول جاؤ گے۔"

"بہت دلچسپ۔" فریدی اپنی جیبی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا پھر یک بیک کھڑے ہو کر اُس نے گھڑی چھت کی طرف اچھال دی اور قبل اس کے کہ وہ لوگ سنبھلتے ایک زوردار دھماکہ ہوا اور تیز قسم کی روشنی سے اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

حمید چیخ مار کر اٹھ بیٹھا۔ شاید اُس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا۔

چاروں نقاب پوش بے حس و حرکت ہو گئے تھے اور کمرہ جہنم کا نمونہ بنتا جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی نظر نہ آنے والی آگ کی لپٹوں میں گھر گیا ہو۔

"ہاں ڈاکٹر ڈریڈ....!" فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "اب آؤ۔ دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ تمہارے شعبدے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن کیا اس کا جواب پیش کر سکو گے؟"

گرمی کی شدت سے پریشان ہو کر وہ چاروں اپنے کپڑے نوچنے لگے اور ذرا ہی سی دیر میں اُن کے جسموں پر زیر جاموں کے علاوہ اور کچھ نہ رہ گیا۔ اُن کی نقابیں بھی دور پڑی ہوئی اُن کو منہ چڑھا رہی تھیں لیکن اُس کے برخلاف فریدی اور حمید پر اس گرمی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

حمید مسہری سے اٹھ کر فریدی کے پاس آکھڑا ہوا اور اُن چاروں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

دیکھ رہا تھا۔

"یہ رائے شیکھر کی کوٹھی والے دھوئیں کا جواب ہے ڈاکٹر ڈریڈ۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہائیں یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" حمید آنکھیں مل مل کر اُن نیم برہنہ آدمیوں کو گھورتا ہوا بولا۔

"ہاں.... یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہے۔" فریدی نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ارے تو پھر.... باندھ لونا.... کھڑے کھڑے کیا کر رہے ہیں ہم۔"

"نہیں....!" فریدی نے سرد لہجے میں کہا۔ "ڈریڈ کو اپنی صلاحیتوں پر بڑا غرور ہے۔ اُس نے اپنی دانست میں ہمیں ڈھیل دے رکھی تھی۔ اُس کا کہنا ہے کہ وہ اپنے لئے دیدہ دانستہ خطرات پیدا کر کے اُن میں سے صحیح و سلامت نکل جانے کو تفریح سمجھتا ہے۔ میری سنگلٹن والا جال ہمیں پھانسنے ہی کے لئے اُس نے بچھایا تھا.... لہٰذا.... حمید صاحب فی الحال اُسے باندھ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔"

لیکن فریدی حمید کی طرف توجہ دیئے بغیر ڈاکٹر ڈریڈ سے بولا۔ "کیا اب تمہارے جسم میں اتنی سکت رہ گئی ہے کہ ہم پر حملہ کر سکو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کچھ نہ بولا۔

"اتنی سکت نہ ہوگی۔ اس لئے میں تمہیں اس حال میں گرفتار نہیں کر سکتا۔"

"اے جناب.... اے جناب۔" حمید دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "آپ کسی جاسوسی ناول کے ہیرو نہیں ہیں، ہوش میں آیئے۔"

"میں ہوش میں ہوں۔" فریدی نے اپنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔ "اگر تم بے ہوش نہ ہوتے تو میں یہ شعبدہ ضائع کئے بغیر ہی ڈاکٹر ڈریڈ پر ہاتھ ڈال سکتا تھا۔ مگر اس کا ایک شعبدہ مجھ پر اُدھار بھی تو تھا۔"

"میں شاید اب بھی نشے میں ہوں۔" حمید نے بڑبڑا کر اپنے بازو میں چٹکی لی اور "سی" کر کے رہ گیا۔ اُسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یقین بھی کیسے آتا۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ڈاکٹر ڈریڈ جیسے مجرم پر قابو پانے کے بعد اُسے چھوڑ دیتا۔

"آپ پھر غور کیجئے۔" حمید نے فریدی کا بازو چھو کر کہا۔

"آؤ چلیں۔" فریدی اُس کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

"میں.... میں۔" حمید پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فریدی کو دیکھنے لگا اور آہستہ سے بولا۔ "کیا

میرے بعد آپ نے بھی پی لی تھی؟"

"اَبے چل....!" فریدی نے دروازے کی طرف اُسے دھکا دیا۔

وہ دونوں باہر آئے اور فریدی نے دروازہ بند کر کے کہا۔ "اپنے کان تیزی سے ملو۔"

اور وہ بھی دونوں ہاتھوں سے اپنے کان ملنے لگا۔

حمید بے بسی سے اپنے کان ملتا ہوا منمنایا۔ "خود نشے میں ہوں تو کوئی بات نہیں۔ ہم سے غلطی ہو جائے تو جہنم میں جھونکنے پر تیار ہوئے۔"

"کچھ گرمی آئی کانوں میں؟" فریدی نے پوچھا۔

"لاحول ولا قوۃ....!" حمید نے جھلا کر کہا اور اپنے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی حمید کے کان مسل رہا تھا۔

"ارے خدا کے لئے چھوڑیئے۔"

"کانوں میں گرمی آئی یا نہیں؟"

"کباب ہو گئے سالے۔ بس اب چھوڑیئے۔ یا خدا۔"

"ٹھیک ہے آؤ۔" وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ دروازے اب باہر سے مقفل نہیں تھے۔ وہ زینے طے کرتے ہوئے نیچے آئے اور اُس سمت پیدل چلنے لگے جہاں فریدی نے اپنی کار چھوڑی تھی۔ حمید اب نشے میں نہیں تھا۔ لیکن فریدی کے اس رویہ نے اُسے پاگل کر دیا تھا۔

"یہ کیا کیا آپ نے؟"

"وہی جو ہونا چاہئے تھا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ نے اتنے بڑے مجرم کو چھوڑ دیا۔"

"گھاس تو نہیں کھا گئے ہو؟"

"کیا مطلب....؟"

"وہ ڈاکٹر ڈریڈ نہیں تھا۔ جس طرح وہ لوگ مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اُسی طرح اگر میں بھی.... حمید صاحب میں بھی آدمی ہوں۔ اور دنیا کا ہر آدمی دوسرے پر اپنی برتری ضرور جتانا چاہتا ہے۔"

"لیکن آپ کسی ایسے آدمی کو کیا کہیں گے جو موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔"

"احمق....!"

"اس معاملے میں اپنے متعلق کیا خیال ہے؟"

"میں بھی ایک بہت بڑا احمق ہوں۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ میں نے بھی انہیں ایک شعبدہ دکھا کر چلتا کر دیا۔ اگر تم اس کا تذکرہ دوسروں سے کرو تو اس تذکرے کو لطیفہ کہیں گے۔"

"خدا کے لئے مجھے بتائیے۔ کیا آپ نے پی تھی؟"

"نہیں فرزند.... میں کبھی نہیں پیتا۔"

"پھر مجھے آپ کے صحیح الدماغ ہونے پر شبہ ہے۔"

"میں نہیں کہتا کہ تم اپنا شبہ دور کر دو۔"

وہ کار میں بیٹھ گئے اور کار چل پڑی۔

"لیکن وہ بے حس و حرکت کیوں ہو گئے تھے اور وہ دھماکہ کیسا تھا؟" حمید نے پوچھا۔

"ایک شعبدہ جو عرصہ سے جیب میں پڑا ہوا تھا۔ اسی توقع پر کہ کبھی نہ کبھی ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کے خاص آدمیوں سے ضرور ملاقات ہو گی۔"

"کیسا شعبدہ....؟"

"تیل مالش والا شعبدہ۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس وقت کرنل فریدی سے گفتگو کر رہا ہوں یا گرانڈیل احمق قاسم سے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اسی تیل مالش کی وجہ سے تم اپنے پیروں پر کھڑے رہے تھے۔ ورنہ انہیں لوگوں جیسا حشر تمہارا بھی ہوتا۔"

"کیا مطلب....؟" حمید چونک کر بولا۔

"مطلب پوچھنے کا جنون ہو گیا ہے تمہیں۔"

"اُس کے علاوہ بھی کئی قسم کے جنونوں کا شکار ہوں۔ لیکن اب آخری جنون باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ کسی دن آپ کو شوٹ کرنے کے بعد اپنے بھی گولی مار لوں۔"

"نہیں تم پہلے خود کو گولی مار لو۔ اگر میں نے ضرورت سمجھی تو اُس کے بعد تم سے استدعا کروں گا کہ اب مجھے بھی گولی مار دو۔ ڈیوٹ.... یہ تو بتاؤ کہ میں روزانہ تمہارے جسم میں ایک خاص قسم کے تیل کی مالش کیوں کراتا تھا؟"

"اوہ.... اوہ.... اُس کے متعلق تو میں نے فرض کر لیا تھا کہ ابھی حال ہی میں زچگی سے فارغ ہوا ہوں۔"

"وہ اُسی مالش کا اثر تھا کہ تمہارے اعضاء اُس شعبدے کی حدت نے بیکار نہیں کیے۔"

"میرے خدا....؟" حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ "آپ نے اتنے دن پہلے سے شعبدے کی تیاری کی تھی۔"

"فکر نہ کرو۔ آج کل دو چار شعبدے ہر وقت جیب میں پڑے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ سے بلہ ہے نا۔"

"مگر یہ شعبدہ کیسا تھا۔"

"جیبی گھڑی کی ساخت کا ایک ٹائم بم جس میں ایک مخصوص قسم کا مادہ تھا۔"

"یہ آپ کی لیبارٹری کسی نہ کسی دن زوال ضرور لائے گی۔"

"جس دن وہ زوال لائی ہم دونوں بھی افسوس کرنے کے لئے زندہ نہیں ہوں گے۔"

"معاف کیجئے گا۔ اس وقت آپ نے بالکل شاکو عرف بہرام کا بیٹا والی حرکت کی ہے۔"

"بعض حقائق افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر فریدی ہی بولا۔ "میری سنگلٹن والے معاملے پر ہمیں غور کرنا ہے تھا۔ مگر خیر چھوڑو ڈاکٹر ڈریڈ کے شعبدوں کا جواب بھی تو ہونا ہی چاہئے تھا۔"

"لیکن آپ نے اُن لوگوں کو چھوڑ کر اچھا نہیں کیا۔"

"اوہ.... پھر ڈاکٹر ڈریڈ تک اس واقعہ کی خبر کون پہنچاتا۔"

"مگر ٹھہریئے.... ذرا یہ تو بتایئے کہ بیگم ارشاد کے یہاں انور کے کس نے سوئی چبھوئی تھی۔"

"خود بیگم ارشاد نے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "اور وہی ایک ایسا واقعہ تھا جس کی بناء پر میری سنگلٹن کے متعلق غور کر سکتے تھے۔"

"کیا آپ بیگم ارشاد سے جواب نہیں طلب کر سکتے؟"

"ضرور کروں گا۔ یہ بھی بہت ضروری ہے اور اسی وقت.... ابھی۔"

"آپ کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔ جس دن میری باتیں تمہاری سمجھ میں آ گئیں تم برابری کا دعویٰ بیٹھو گے۔"

"ہم بیگم ارشاد کے بارے میں کیا نہیں جانتے۔"

"کیا تم جانتے ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اُسے کیوں بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں....!"

"اچھا میں سمجھا۔" فریدی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم یہ جانتے ہو کہ شاہینہ اُس کی لڑکی ہے جوان ہے حسین ہے اور ابھی تک اُس کی شادی نہیں ہوئی۔ پانچ سو سگریٹ پیتی ہے اور فخریہ کہتی ہے کہ پانچ سو پچپن شوہر ہر وقت اُس کے بیگ میں پڑے رہتے ہیں۔"

"لڑکی عجیب ہے۔ اس میں شک نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"تم گدھے ہو.... اب مجھے سوچنے دو۔"

"سوچئے....!" حمید نے لاپروائی سے کہا اور کار کی پشت سے ٹک گیا۔

"مگر نہیں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے شراب کیوں پی تھی؟"

"اگر آپ پیش کریں تو میں مٹی کا تیل بھی پی سکتا ہوں۔ شراب کیا حقیقت رکھتی ہے۔"

"تم میں ابھی تک اتنا بھی سلیقہ نہیں پیدا ہو سکا کہ کسی سچویشن کو سمجھ سکو۔"

"میں نے جب بھی کسی سچویشن کو سمجھنے کی کوشش کی ہے میرا ہاضمہ ٹھیک نہیں رہا۔"

"بس اب خاموش رہو۔"

حمید پھر پشت گاہ سے ٹک کر اونگھنے لگا۔ کچھ دیر بعد اُن کی کار ارشاد منزل کے پھاٹک پر رک گئی لیکن ٹھیک اُسی وقت ایک گھوڑا گاڑی بھی وہیں آکر رکی۔ فریدی نے اپنی کار بیک کی تاکہ گھوڑا اندر جا سکے مگر دفعتاً کوچوان نے گھوڑوں کو دوسری طرف سڑک پر موڑ دیا۔ ایسی موقعہ پر فریدی سے سستی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ کار سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کی راس پکڑلی۔

"کون ہے؟" کوچوان کی سیٹ سے ایک خوفزدہ سی آواز آئی اور یہ کسی عورت ہی کی آواز تھی۔

"اوہو.... بیگم ارشاد....!" فریدی نے خوش ہو کر کہا۔ "یہ بڑا اچھا ہوا کہ باہر ہی آپ سے ملاقات ہوگئی۔ ورنہ خواہ مخواہ اندر اطلاع بھجوانے کی زحمت کرنی پڑتی۔"

"آپ کون ہیں؟"

"محکمہ سراغ رسانی کا کرنل فریدی۔"

"اوہ.... اتنی رات گئے.... فرمایئے؟"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سے اس حال میں ملاقات ہوگی۔"

"آپ مدعا بیان کیجئے۔ آپ کو میرے حالات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

"ایک صاحب مسٹر جوزف پیٹر نے آپ کی شکایت کی ہے۔"

"لیکن میں کسی جوزف پیٹر کو نہیں جانتی۔"

"وہ آپ کی صاحبزادی کی سالگرہ کے موقع پر مدعو تھے۔ آپ نے کسی بات پر خفا ہو کر ان

ے کپڑے اتروالئے اور انہیں اُسی حالت میں تین پنکھوں کے درمیان بیٹھنے پر مجبور کیا حالانکہ پ جانتی ہیں کہ اُس موسم میں وہ نمونیا کے شکار بھی ہو سکتے تھے۔"

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیگم ارشاد کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ کچھ نہ بولی۔

تعاقب

"جواب دیجئے! محترمہ! میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔" فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔" بیگم ارشاد نے مضمحل آواز میں کہا۔ "یہ حقیقت ہے کہ میں نے سزا کے طور پر ایک آدمی کے کپڑے اتروالئے تھے لیکن کیا قانون اُسے جرم قرار ے گا؟"

"سزا دینے کا حق صرف عدالت ہائے عالیہ کو پہنچتا ہے۔ کسی بھی ملک کے شہریوں سے توقع ہیں کی جا سکتی کہ وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔"

"وہ جوزف پیٹر نہیں بلکہ نیو اسٹار کا کرائم رپورٹر انور تھا۔"

"نہیں....!" فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین کیجئے۔ وہ خواہ مخواہ میری بچی کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ ذرا ٹھہریئے۔ مجھے یاد کرنے دیجئے۔ .... مجھے نام نہیں یاد آرہا ہے بہر حال پچھلے دنوں ایک رات آلکچو میں آپ ہی کے محکمے کے ب آفیسر کے سامنے اُسے تنبیہہ کی تھی۔ آفیسر کا نام مجھے یاد نہیں آرہا اوہ.... انور میری لڑکی ہینہ کو نشوں کی عادت ڈال رہا ہے۔ اس رات بھی خفیہ پولیس کے آفیسر نے اُس کی جیب سے ین برآمد کی تھی۔ پھر ہو سکتا ہے بات رشوت پر ختم ہوگئی ہو۔ بہر حال مجھے اُس سے کوئی ن نہیں۔ میں نے انور کو تنبیہہ کی تھی کہ وہ شاہینہ سے نہ ملا کرے۔ لیکن اُس کے باوجود بھی بھیس بدل کر کوٹھی میں آگھسا۔ آپ بتایئے۔ آپ کیا کرتے ایسی کسی موقع پر۔"

"میں اُسے پولیس کے حوالہ کر دیتا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی۔"

"مگر بیگم صاحبہ۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "میرے پاس ایسے شاہد موجود ہیں ہوں نے ڈنر ٹیبل پر جوزف پیٹر کے نام کا کارڈ بھی دیکھا تھا۔"

"وہ گواہ آپ کو انور ہی کے توسط سے ملے ہوں گے۔" بیگم ارشاد نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"قدرتی بات ہے۔ گواہ ہمیشہ مدعی ہی کی طرف سے پیش ہوتے ہیں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ گواہ جھوٹے ہیں۔"

"اسے تو عدالت ہی میں چیلنج کیجئے گا۔"

"عدالت....!" بیگم ارشاد کی آواز پھر کانپ گئی اور کچھ دیر کیلئے پھر سکوت طاری ہو گیا۔

"جی ہاں عدالت۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "وہ آپ پر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے جارہا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ آپ کی بیٹی نے اُسے اپنی سالگرہ کی تقریب میں شرکت پر مجبور کیا تھا۔ اُس نے کہا تھا.... آؤ ضرور خواہ بھیس ہی بدل کر آنا پڑے۔"

"یہ سراسر بہتان ہے۔"

"یہ بھی آپ عدالت ہی میں ثابت کیجئے گا۔"

"پھر آپ کس لئے تشریف لائے ہیں؟" بیگم ارشاد کا لہجہ بہت تلخ تھا۔

"میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک دوسرا معاملہ بھی ہے۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ میرے اسسٹنٹ کیپٹن حمید کو مے پول میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے کہ میں نے یہ خبر دیکھی تھی۔"

"ویسا ہی واقعہ آپ کی کوٹھی میں انور کو بھی پیش آیا تھا۔ اُس نے اپنے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی اور کچھ دیر کے لئے اُس کا جسم بالکل بیکار ہو گیا۔"

"میرے خدا۔ وہ ہر زاویئے سے ایک نئی چال چل رہا ہے۔" بیگم ارشاد بڑبڑائی۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی صورت سے مجھے زک پہنچائے۔ ہاں اُس نے اور کیا کہا تھا؟"

"اُس نے کہا تھا کہ جب اُس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا تو آپ اُسے ایک کمرے میں اٹھوا لے گئیں۔ وہاں آپ کے ملازموں نے اُس کے کپڑے اُتار کر تین پنکھے کھول دیئے اور پھر ہوا کے اُس طوفان میں اُس کی کھوئی ہوئی قوتیں آہستہ آہستہ واپس آنے لگیں۔ اس کے بعد وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔"

"اُف فوہ۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کس کس طرح بات بنائی ہے۔ اُس سور نے۔ وہ کسی نہ کسی طرح مجھے قانونی گرفت میں لینے کی کوشش کر رہا ہے۔ یقین کیجئے

ل صاحب! بات صرف اتنی ہی ہے کہ میں نے غصے میں اُس کے کپڑے اُتروا لئے تھے اور بس! اس کا اعتراف ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہوں گی کہ میری جگہ جو بھی ہوتا یہی کرتا۔"

"تو دوسرا واقعہ غلط ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"قطعی غلط ہے جناب۔ آپ خود خیال کیجئے۔ مگر اُس کی ذہانت کی داد دینی پڑے گی کہ اُس کتنی احتیاط سے میرے خلاف یہ پلاٹ گڑھا ہے۔ اُف میرے خدا۔ میری تو عقل بھی وہاں نہ پہنچتی۔ اُس خبر میں تھا کہ اُن صاحب کی حالت ٹھنڈی ہوا لگنے سے بہتر ہو گئی تھی لہٰذا اُس بخت نے تین پنکھوں کا اضافہ کر دیا۔ میں پھر کہتی ہوں کہ کپڑے میں نے بلاشبہ اتروائے تھے یہ پلاٹ خدا کی پناہ....!"

"تو یہ غلط ہے؟"

"قطعی غلط ہے؟"

"شکریہ! محترمہ میں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔" فریدی نے کہا اور گھوڑے کی راس چھوڑ گاڑی کے پاس سے ہٹ آیا۔ پھر کار میں بیٹھتے ہوئے اُس کی ٹارچ کی روشنی گاڑی پر پڑی۔

بیگم ارشاد سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں لپٹی ہوئی کوچوان کی سیٹ پر موجود تھی۔ ٹارچ بجھا گئی۔ پھر فریدی نے انجن اسٹارٹ کر کے کار بیک کی اور کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ "وقت کی اس بادی کا کیا مقصد تھا؟"

"بڑی گھاگ عورت ہے۔"

"ہے تو۔"

"لیکن آج ہم نے بھی اُسے اس حال میں دیکھ لیا۔ آخر وہ اس طرح کیا کرتی پھرتی ہے۔"

"اس پر قانون کوئی پابندی نہیں عائد کر سکتا۔"

"شاہینہ اُس کے لئے بہت پریشان معلوم ہوتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کار سڑک پر دوڑتی رہی۔ دفعتاً حمید نے کہا۔ "اب ہم کہاں جارہے ہیں؟"

"وہیں جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔ اب وہ اس قابل ہوئے ہوں گے کہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکیں۔"

"تو آپ انہیں چھوڑ ہی کیوں آئے تھے؟"

"اتنی دیر میں ایک دوسرا کام بھی ہو گیا۔"

حمید نے بے بسی سے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سیٹ کی پشت سے ٹک گیا۔

چاروں کی حالت ابتر تھی۔ کچھ دیر وہ کھڑے رہے پھر بے جان ہو کر فرش پر گر گئے۔ اُن کی زبانیں نکلی پڑ رہی تھیں اور وہ چوپایوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اُن میں سے ایک بدقت تمام گھسٹتا ہوا دروازے تک پہنچ سکا۔ اُس کا ایک ہاتھ ہینڈل کی طرف اٹھا اور تھوڑی دیر تک اٹھا ہی رہ گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہاتھ میں توازن کی حس ہی نہ رہ گئی ہو۔ وہ خلا میں جھولتا رہا۔ کئی بار وہ ہینڈل سے بھی ٹکرایا لیکن اُسے گرفت میں نہ لے سکا۔

آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ کمرے کی فضا میں اچانک پیدا ہو جانے والی حدت ختم ہو گئی تھی اور اُن کے نیم برہنہ جسموں پر سردی کی لہریں اثر انداز ہونے لگی تھیں لیکن وہ اب بھی اس قابل نہیں تھے کہ اٹھ کر کپڑے پہن سکتے۔

"اب اٹھنے کی کوشش کرو۔" اُن میں سے ایک بولا۔

"مشکل... نئریں... نہیں... اڈڈ... ڈ...!" دوسرے نے کچھ کہنا چاہا لیکن زبان اینٹھ گئی۔

اور پھر وہی پہلے کا سا سکوت طاری ہو گیا۔ دروازے کے قریب پڑا ہوا آدمی شاید بقیہ تین آدمیوں سے زیادہ طاقت ور تھا کیونکہ وہ دروازے کا ہینڈل پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ اٹھ گیا اور تھوڑی دیر تک دیوار سے ہاتھ ٹیکے کھڑا رہا۔ پھر اس طرح دوسروں کی طرف مڑا جیسے وہ انہیں بھی اسی حالت میں دیکھنا چاہتا ہو۔

پھر وہ دیوار پر ہاتھ رکھے ہی رکھے اُدھر بڑھنے لگا جہاں اُن کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔

وہ کپڑے پہن لینے میں کامیاب ہو گیا اور دوسرے اسے اس انداز میں دیکھتے رہے جیسے رحم کی بھیک مانگ رہے ہوں۔

"ہمیں بھی سردی لگ رہی ہے۔" ایک نے کمزور سی آواز میں کہا۔

"ٹھہرو....!" وہ آدمی بولا۔ "میں تم سب کو کپڑے پہناؤں گا۔"

اور اس کام میں تقریباً بیس منٹ صرف ہوئے۔ وہ پھرتی سے اس کام کو انجام دینے کے قابل اب بھی نہیں ہو سکا تھا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں کہ کپڑے پہن لینے کے بعد سے توانائی واپس آ رہی ہے۔" اس نے

دوں کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر انہیں تشویش کن نظروں سے دیکھنے لگا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ دونوں کیسے اپنے پیروں پر چل کر گئے ہوں گے۔" اس سر اٹھا کر بولا۔

اُس آدمی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس مسئلے پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں تھیں اور آنکھوں سے کینہ توزی جھلک رہی ہونٹوں کے گوشے تنفر آمیز انداز میں کچھ کر نیچے جھک گئے تھے اور اوپری ہونٹ نے قوس شکل اختیار کر لی تھی۔

کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔ "یہ کھیل مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ جب دشمن سامنے آئے اس سے آگ کی زبان سے گفتگو کرنی چاہئے۔"

"مگر ہم کیا کریں۔" دوسرا بولا۔ "جو کچھ کہا گیا تھا اُسی کے مطابق عمل کر رہے تھے۔ مگر وہ دے گئے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اُسکی جیبی گھڑی کوئی ایسا وقت بھی ہم پر لائے گی۔"

"اتفاق....!" وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خیر اب اس قصے کو دفن کرو۔ سوال یہ ہے کہ اب ں کیا کرنا چاہئے۔"

"کیوں....؟"

"بہت معمولی سی بات ہے۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو کہ وہ حقیقتاً ہمیں اتنی لاپروائی سے چھوڑ کر گیا ہو گا۔"

"یقیناً اب اُس کے آدمی نیچے موجود ہوں گے۔" دوسرا بولا۔

"پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"اُن ریوالوروں کو باہر پھینک دو۔ وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکے گا۔ ہم پورٹ پر یہاں آئے ہیں اور ہمارے ملک کا سفارت خانہ ہمارا ذمہ دار ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ مگر یہاں تو کوئی قابل گرفت چیز موجود نہیں ہے۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"تب تو اٹھو ہم بے خطر چلیں گے۔"

"لیکن ٹھہرو۔ گو کہ یہ عمارت میرے نام سے حاصل کی گئی تھی لیکن شاید ہی یہاں کسی نے ٹائک میری شکل دیکھی ہو۔ میری سنگلٹن یہاں آتی رہی ہے۔"

"اس کی فکر نہ کرو۔ میری بھی سفید فام ہی ہے۔"

"اگر ہم یہیں ٹھہریں تو کیا مضائقہ ہے۔"

"تم گھاس کھا گئے ہو شاید۔ ہمیں ہر حال میں اس واقعہ کی خبر اسی وقت پہنچانی ہے۔ ورنہ ڈاکٹر کچا ہی چبا جائے گا۔"

ان الفاظ کے سنتے ہی پھر کسی نے کوئی نئی تجویز نہیں پیش کی۔ لیکن یہ سوال اب اُن کے ذہنوں کو ٹھوکے دے رہا تھا کہ یہ اطلاع پہنچائی کس طرح جائے گی۔

"مجھے یقین ہے۔" توانا آدمی بولا۔ "کہ اس وقت تک عمارت کا محاصرہ ہو چکا ہوگا اور یہ بھی سمجھ رکھو کہ فریدی ہمارے فقرے میں نہیں آیا۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی ڈاکٹر سمجھنے پر تیار نہیں۔ لہٰذا اس طرح چپ چاپ چلے جانے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارا تعاقب کر کے ڈاکٹر تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔"

ایک بار پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

دفعتاً ایک آدمی نے اٹھ کر کہا۔ "میں اطلاع پہنچاؤں گا۔ تم تینوں یہیں ٹھہرو گے۔"

"کس طرح؟"

"بس آؤ میرے ساتھ۔"

وہ چاروں اُس کمرے میں آئے جس کا رخ سڑک کی جانب تھا۔ یہاں ایک بہت بڑی کھڑکی تھی جس میں دھندلے شیشے لگے ہوئے تھے۔ وہ آدمی جس نے کوئی راہ نکالنے کا خیال ظاہر کیا تھا اندھیرے ہی میں کرسیاں کھسکانے لگا۔

"خبردار.... سوئچ آن مت کرنا۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "ایک آدمی یہاں آئے۔ ادھر یہ میرا ہاتھ اُسے پکڑ لو۔"

تین ہاتھ بیک وقت اُس کے ہاتھ سے مس ہوئے۔ لیکن اُس نے صرف ایک کو ا قریب کھینچ لیا اور بولا۔ "یہاں بیٹھ جاؤ۔"

اسی طرح اُس نے تینوں آدمیوں کو یکے بعد دیگرے کرسیوں پر بٹھا دیا۔

اور پھر جب کمرے میں روشنی ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی زمین پر چت پڑا ہوا تھا۔ چوتھی کرسی پر ایک تکیہ رکھا ہوا تھا اور تکیے پر ایک بیضوی شکل کا گلدان الٹ کر رکھ دیا گیا تھا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" ایک نے حیرت سے پوچھا۔

زمین پر پڑے ہوئے آدمی نے بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "چار بیٹھے ہو

ئے آدمیوں کے سائے۔"

حقیقتاً کھڑکی پر چار سائے نظر آ رہے تھے۔ تکیے پر رکھا ہوا گلدان بھی سر اور شانوں کا سا سایہ پیش کر رہا تھا۔

"اب میں.... دوسری طرف سے نیچے اُتر جاؤں گا۔" زمین پر لیٹے ہوئے آدمی نے آہستہ سے کہا اور رینگتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔



"ارے صبح ہونے والی ہے جناب! کیا آپ اونگھ رہے ہیں؟" حمید بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی کا ہاتھ حمید کے بازو پر پڑا اور وہ اُسے دباتا ہوا بولا۔ "واہ بھئی ذرا دیکھنا تو۔"

وہ اُس بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کے دھندلے شیشوں پر پرچھائیاں نظر آ رہی تھیں۔

"تو وہ نہایت اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"اوہ.... حمید.... ذرا دیکھنا۔ کیا بائیں گوشے والی پرچھائیں.... کسی ڈمی کی نہیں ہے۔ تین پرچھائیاں کبھی کبھی متحرک سی نظر آتی ہیں۔ مگر چوتھی.... آؤ۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "اس شعبدے نے ان کی عقلوں پر پتھر ڈال دیئے ہیں۔ یہ نروس ہیں حمید.... اور اسی لئے ان سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہے۔ عمارت میں فون نہیں ہے لہٰذا وہ یہیں بیٹھے بیٹھے ڈریڈ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ دے سکیں گے۔"

وہ عمارت کی پشت پر آ گئے۔

"آہا....!" فریدی نے پھر اُس کا بازو دبایا۔ "میرا خیال غلط نہیں تھا۔ وہ دیکھو۔"

تیسری منزل کی کھڑکی سے ایک سیاہ دھبہ سا باہر رینگ آیا تھا اور اب وہ فصیل پر چلتا ہوا پائپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"آپ اگر سڑک کنارے بیٹھ کر لوگوں کو اُن کی قسمت کا حال بتانے لگیں تب بھی آپ اتنے ہی مالدار رہیں گے۔"

وہ اُسے پائپ کے سہارے نیچے اُترتے دیکھتے رہے۔ نیچے پہنچتے ہی وہ دم لئے بغیر بڑی تیزی سے سڑک کی طرف مڑ گیا۔ وہ دونوں بھی بالکل اسی انداز میں آگے بڑھے جیسے شب گذار آوارہ گرد ہوں۔ اُن کے فلٹ ہیٹ پیشانیوں پر جھکے ہوئے تھے اور السٹروں کے کالر کانوں تک اٹھے

ہوئے تھے۔

"آہا.... پیدل نہیں جائے گا حمید صاحب.... جلدی کرو۔ وہاں اُس گلی میں میں نے ایک کار پہلے بھی دیکھی تھی۔ غالباً یہ لوگ اسی پر آئے تھے۔"

حمید دوڑتا ہوا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اتنی دیر میں وہ کار اسٹارٹ ہو کر چل بھی پڑی تھی اور فریدی کھڑا بے بسی سے اپنے ہاتھ مل رہا تھا۔ حمید سے اُسے اتنی پھرتی کی توقع نہیں تھی کہ وہ وقت ہی پر کار وہاں لے آئے گا۔ لیکن اس وقت اُسے بھی ماننا پڑا کہ حمید بالکل ہی ناکارہ نہیں ہے۔ اگلی کار گلی کے آخری سرے پر مڑ ہی رہی تھی کہ اُس کی لنکن اُس کے قریب پہنچ گئی۔

"سیدھے چلو.....!" فریدی دروازہ کھول کر حمید کے برابر بیٹھتا ہوا بولا۔

اور پھر کچھ دیر بعد وہ اگلی کار کے راستے پر لگ گئے۔

"میں کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" حمید بڑبڑا رہا تھا۔

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"یہ رات تو یونہی گئی۔ کیا میں دن کو سو سکوں گا؟"

"قطعی سو سکو گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"مگر کیا آپ کو یقین ہے کہ یہ ڈاکٹر ڈریڈ ہی کے آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ فنچ کے آدمیوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کوئی نئی الجھن پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"فنچ نہیں.... ہرگز نہیں۔ فنچ ہمیشہ قانون سے کتراتا رہتا ہے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرح احمق نہیں ہے۔"

"آپ ڈاکٹر ڈریڈ کو احمق کہہ رہے ہیں۔"

"ہاں وہ بلاشبہ احمق ہے۔ وہ مجرم جو قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش کرتے ہیں میں انہیں احمق سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اُن کا اظہار برتری ہی اُن کے لئے پھانسی کا پھندہ بن جاتا ہے۔ فنچ جیسے لوگ عموماً محفوظ ہی رہتے ہیں۔"

"آخر یہ لوگ قانون پر اپنی برتری جتانے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہیں؟"

"فطرت.... امتیازی خصوصیات کے حامل ہونے کا شوق۔ جس طرح عام آدمی کسی خاص معاملے میں شہرت حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں اُسی طرح بعض مجرم بھی عام روش سے ہٹ کر اپنی کوئی امتیازی خصوصیات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ عام مجرموں میں تو اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ قانون کے محافظوں کو چیلنج کر سکیں لیکن بعض مجرم ایسا بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر ڈریڈ دو

قسم کے مجرموں میں سے ہے اور اسکی یہ عادت ہی ایک دن اُسکے انجام کا ذریعہ بن جائے گی۔"

"مگر یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ فنچ سے اُس کا جھگڑا کیوں چل رہا ہے۔"

"یہ تو اُسی وقت معلوم ہو سکے گا جب اُن دونوں میں سے کوئی ہاتھ آجائے۔" فریدی نے کہا پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ دونوں کاریں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد اگلی کار شہر کی اُس بستی میں داخل ہوئی جہاں غیر ملکی سفیروں کی کوٹھیاں ں.... اور پھر وہ ایک عمارت کے سامنے رک گئی اور وہ آدمی اُتر کر کمپاؤنڈ کا پھاٹک کھولنے لگا۔

فریدی کی کار آگے نکلی چلی گئی۔

"کیا مطلب....؟" حمید اُس وقت بڑبڑایا جب فریدی کی کار پھر اُسی راستے پر مڑنے لگی جس وہ یہاں تک آئے تھے۔

"کچھ نہیں اب گھر چل کر سوئیں گے۔"

"میں اسٹیئرنگ چھوڑ کر باہر چھلانگ لگا دوں گا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"بگڑو نہیں فرزند! کیا تم یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی اُس کے ساتھ ہی عمارت میں گھس پڑیں یہ ایک غیر ملکی سفیر کی کوٹھی ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ بڑی مشکلوں سے گرفت میں آئے گا۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "کبھی وہ آپ کی جیب میں رکھا رہتا ہے اور کبھی مشکل سے ہاتھ ہے۔ کبھی آپ فنچ کے لئے روتے چنگھاڑتے ہیں میری جوانی مفت میں برباد ہو رہی ہے۔"

فریدی ایک ہلکا سا قہقہہ لگا کر خاموش ہو گیا۔ اس کا مطلب جو کچھ بھی رہا ہو۔

ننھا شیطان

اُس آدمی نے کمپاؤنڈ طے کیا اور برآمدے میں پہنچ گیا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ اُس کا تعاقب ہوتا رہا ہے۔ وہ کچھ اتنا ہی بدحواس تھا کہ جب فریدی کی کار اُس کے قریب سے آگے نکلی تھی تو اُس نے اُس کی طرف دھیان تک نہیں دیا تھا۔ پھر اُسے اُس بے آواز موٹر سائیکل کا علم ہوتا جو فریدی کی کار نکل جانے کے بعد ٹھیک اُسی کی کار کے قریب رکی تھی۔

وہ بے تحاشہ عمارت کے اندر داخل ہوا اور راہداری میں رک کر اُس بٹن کو بار بار دبانے لگا کے اوپر ایک ننھا سا سرخ رنگ کا بلب روشن تھا۔

سامنے والا دروازہ فوراً ہی کھلا اور ایک آدمی نے اُسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ یہ آدمی شاید جانتا تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے کیونکہ وہ کسی راہبر کی مدد کے بغیر ہی مختلف سمتوں میں مڑتا رہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ اوپری منزل کے زینے طے کرتا ہوا نظر آیا۔

یہ ایک بڑا کمرہ تھا جہاں رک کر وہ چاروں طرف متجسسانہ نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔ اس کمرے میں نہ تو کسی قسم کا فرنیچر ہی نظر آرہا تھا اور نہ اس کی دیواریں ہی سجائی گئی تھیں۔ فرش پر البتہ ایک دبیز سا قالین پڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد بائیں جانب کا ایک دروازہ کھلا اور ایک دراز قد آدمی اندر داخل ہوا۔ اُس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور ہونٹ پتلے تھے۔ آنکھیں بہت چمکیلی تھیں۔

"تم نے ریڈ سگنل کیوں دیا تھا؟" اُس نے پُرسکون لہجے میں پوچھا۔

اُس آدمی نے ہانپتے ہوئے پوری داستان دہرادی اور پھر بولا۔ "ڈاکٹر.... اگر میں یہ تدبیر نہ کرتا تو یہاں تک پہنچنا محال ہو جاتا۔"

"تدبیر....!" ڈاکٹر کے چہرے پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ وہ چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا تم مجھے یہ اطلاع کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے نہیں دے سکتے تھے یہاں دوڑے آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں نے.... سوچا.... سوچا....!" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن سوچتا ہی رہ گیا۔

"بکو.... کیا بک رہے تھے۔ کیا فریدی ابھی تک اتنا ہی احمق ثابت ہوا ہے کہ تم اس کے ساتھ اس قسم کی کوئی چال چل سکو۔"

وہ آدمی کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر کہتا رہا۔ "اگر تم صبح تک وہیں ٹھہرتے تو کیا حرج تھا؟"

"مم.... میں نے سوچا۔"

"کچھ نہیں سوچا۔ تم میں سوچنے کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔ تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اسی بناء پر تمہیں حراست میں لے سکتا تھا کہ تمہارے پاس ریوالور تھے۔"

"اگر مجھ سے غلطی ہوئی تو میں شرمندہ ہوں جناب۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔ اگر تم لوگوں کو اپنی غلطیوں پر شرمندگی ہو تو انہیں کبھی نہ دہراؤ۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ سر جھکائے کھڑا رہا۔ ڈاکٹر نے کہا۔ "وہ تمہیں اسی لئے چھوڑ کر چلا گیا تھا کہ تمہارے ذریعہ مجھ تک پہنچ سکے۔"

"اوہ....!" وہ مجنونانہ انداز میں اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا ہوگا۔"

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"مجھے بھی مشورہ دو کہ یہاں سے اب نکل بھاگوں۔"

وہ کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے پھر کہا۔ "تم لوگ اپنی عقلیں درست کرو ورنہ مجھے ہی درست کرنی پڑیں گی۔"

"ایک بار اور معاف کیجئے جناب۔" وہ گڑگڑایا۔ "دراصل اس گرمی کا اثر اب بھی میرے ذہن پر باقی ہے۔"

"میں نہ جانے کیوں اتنا رحم دل ہو گیا ہوں۔" ڈاکٹر نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

ٹھیک اُسی وقت ایک کھڑکی کے پاٹ دیواروں سے ٹکرائے اور ایک ننھا سا آدمی اندر کود پڑا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اُس کا چہرہ بالکل سیاہ تھا اور ہونٹ سرخ۔ جسم پر سیاہ لباس اور سینے پر سفید حروف میں تحریر تھا۔ "شیطان ۱/۲۔"

"واقعی یہ بہت بُرا ہے۔" وہ گنگناتی ہوئی آواز میں بولا۔ "کہ تم اتنے رحم دل ہو گئے ہو لیکن دیکھ کر بے رحم ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ آج بہت دنوں کے بعد میں تمہیں اتنے قریب سے دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔"

ڈاکٹر کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے اور دوسرے آدمی نے بھی اُس کی تقلید کی۔

"تمہارے آدمی سچ مچ بالکل گدھے ہو گئے ہیں۔ فریدی نے تمہاری رہائش کی جگہ دیکھی ہو یا نہ دیکھی ہو میں نے آج دیکھ لی۔"

"جاؤ.... میرا وقت نہ برباد کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی معمر آدمی نے کسی بچے کو مشورہ دیا ہو۔ اور اُس نے اپنے ہاتھ بھی نیچے گرادیئے۔

"یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے ڈاکٹر ڈریڈ.... اپنے ہاتھ اوپر اٹھالو۔" ننھے شیطان نے کہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر ہاتھ اوپر اٹھادیئے۔

"میں سرکس کا ایک مسخرہ۔ آج تمہیں اس طرح قتل کروں گا کہ ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جائے گی۔"

"بکواس بند کرو۔" ڈاکٹر ڈریڈ فرش پر اپنا داہنا پیر پٹخ کر گرجا اور ایک روشن دان سے کچھ پیلی سی روشنی پھوٹنے لگی لیکن وہ روشنی صرف چھت تک محدود رہی اور کسی نے بھی اُس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

ننھا شیطان کہہ رہا تھا۔ "بیکار ہے ڈاکٹر! تم مجھ سے اتنی زیادہ بلندی پر واقع ہوئے ہو کہ مجھ تک تمہاری یہ گرج تقریباً ایک ہزار دو سو پچھتر سال میں پہنچے گی لیکن اُس یتیم لڑکی کی چیخیں ہر وقت میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں جو صرف تیرہ سال کی تھی۔ تیرہ سال کی ننھی سی جان.... جسے تم نے بڑی ہی بے دردی سے اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھادیا تھا اور جس کی لاش دوسری صبح سڑک پر پڑی اونچی اونچی عمارتوں پر طنز کررہی تھی۔"

ڈاکٹر ڈریڈ نے اپنے ہاتھ نیچے گرادیئے اور بڑی لاپروائی سے اپنے آدمی سے بولا۔ "میں پچھلی رات بھی دیر تک جاگتا رہا ہوں اور اب اُس وقت تم نے میری نیند میں خلل ڈالا ہے۔ مجھے تم پر بہت غصہ آرہا ہے۔"

"فکر نہ کرو۔ اس کا ازالہ ہو جائے گا ڈاکٹر۔" ننھا شیطان چہک کر بولا۔ "میں تمہیں ایسی نیند سلاؤں گا کہ یہ گدھے پھر تمہیں نہ جگا سکیں گے۔ تمہارے کارنامے حیرت سے سنے جاتے ہیں۔ لہٰذا تمہاری موت بھی دوسروں کے لئے حیرت انگیز ہونی چاہئے۔ انتہائی حیرت انگیز۔ سرکس کے ایک ننھے سے مسخرے نے ڈاکٹر ڈریڈ کو مار ڈالا.... ہاہا.... سرکس کا بے ضرر مسخرہ...."

پھر وہ دانت پیس کر بولا۔ "میں ایک اچھا آدمی تھا محنت سے روزی کماتا تھا لیکن.... اُس ننھی سی بچی کی چیخوں نے مجھ جیسے حقیر آدمی کو ڈاکٹر ڈریڈ سے ٹکرادیا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں کیا نہیں کرسکتا۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوں۔ میں سرکس میں بھکاریوں کی طرح کیوں پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوں۔ حرام خوروں کے لئے تفریح کیوں بنوں جب کہ میں اُن کی جمع کی ہوئی دولت پر بہ آسانی ہاتھ ڈال سکتا ہوں۔ ہاہا.... ڈاکٹر ڈریڈ.... اب مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

دفعتاً ننھے شیطان کے ریوالور سے ایک شعلہ نکلا لیکن خود اُس کا پورا جسم کانپ گیا۔ کیونکہ چھت میں نظر آنے والی روشنی آسمانی بجلی کی طرح پورے کمرے میں کوندتی ہوئی سی معلوم ہوئی تھی.... حقیقتاً ننھا شیطان چندھیا گیا تھا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں نشانہ کیوں نہ خطا کرتا۔ ویسے ننھا شیطان اچھل اچھل کر فائر کرتا ہی رہا۔ ہر فائر پر روشنی کا جھماکا ضرور ہوتا اور اس دوران میں ڈاکٹر ڈریڈ کے قہقہے بھی برابر گونجتے رہے۔

جب ریوالور کے سارے راؤنڈ ختم ہوگئے تو ڈاکٹر ڈریڈ نے گرج کر کہا۔ "پکڑ لو اس خبیث کو۔"

دوسرا آدمی جو ابھی تک سہما ہوا کھڑا تھا ننھے شیطان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن وہ اُسے اپنی گرفت میں نہ لے سکا۔ کیونکہ ننھے شیطان کے دونوں پیر اُس کے منہ پر پڑے تھے۔ وہ کراہ کر دوسری

ی اُلٹ گیا۔ پھر خود ڈاکٹر ڈریڈ نے اُس پر چھلانگ لگائی لیکن منہ کے بل زمین پر گر پڑا اور ننھا طان دور کھڑا ایک بڑا سا چاقو کھول رہا تھا۔ ڈریڈ نے پھر اپنے آدمی کو للکارا۔ لیکن اس بار اُس اُس پر جھپٹنے کی ہمت نہیں کی بلکہ اُس کے چاقو پر نظر جمائے ہوئے بہت احتیاط سے آگے ھنے لگا۔ ننھے آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں کسی ایسے سانپ کی آنکھوں سے مشابہہ نظر آرہی ں جو کسی پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو۔

اور پھر قبل اس کے ڈریڈ کا آدمی اُس تک پہنچتا اُس نے خود ہی اُس پر چھلانگ لگائی۔ ایک ی چیخ کمرے میں گونج کر رہ گئی۔ ٹھیک اُسی وقت کسی نے دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ ننھے شیطان کھڑکی کی طرف جست لگائی مگر ڈاکٹر ڈریڈ بھی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس کے قریب گیا۔ ننھا شیطان پھر پلٹا لیکن اس بار چاقو کی نوک دیوار سے ٹکرائی۔ ڈاکٹر ڈریڈ بال بال بچا تھا۔ ازہ بدستور پیٹا جاتا رہا۔

جتنی دیر میں ڈاکٹر ڈریڈ سنبھلتا، ننھا شیطان غائب ہو چکا تھا۔ ڈریڈ کھڑکی پر جھکا اور باہر پھیلے ئے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

تقریباً دو منٹ تک وہ اُسی طرح کھڑا رہا۔ دروازہ پیٹنے کی آوازیں اب بھی اُس کے کانوں ٹکرا رہی تھیں لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُسے اُس کی پرواہ ہی نہ ہو۔ پھر اُس نے مڑ کر ایک ی ہوئی سی نظر اُس آدمی پر ڈالی جس کے سینے سے خون بہہ بہہ کر قالین میں جذب ہوتا جارہا ر یہ دیکھے بغیر کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا اُس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ جسے دوسری طرف پیٹا جارہا تھا۔

اُس نے دروازہ کھولا۔ دوسری طرف سے ایک زرد پوش آدمی اُس پر آگرا۔

"اوہ....!" وہ اُسے جھنجھوڑ کر الگ ہٹاتا ہوا بولا۔ "تم دروازہ کیوں پیٹ رہے تھے؟"

زرد لبادے والا چند لمحے کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا پھر بولا۔ "میں فرشتہ ہوں۔ مجھ سے اونچی آواز گفتگو نہ کیا کرو۔ میں اپنے ساتھی فرشتے کی تلاش میں ہوں۔ جو کچھ دیر پہلے میرے ساتھ تھا۔ میری مدد کرسکو گے؟"

"جاؤ سو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تم ہمیشہ سوتے سوتے جاگ کر بکواس کرنے لگتے نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔"

"تم خود بکواس کررہے ہو۔ اُس کے ساتھ موت کا فرشتہ بھی تھا اور ہم تینوں نے ایک ہی شراب پی تھی۔"

"تم جاتے ہوئے میں اپنا ہنٹر منگواؤں؟"

"میں جا رہا ہوں۔" زرد پوش فرشتہ دونوں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "لیکن تمہیں بددعا ضرور دوں گا۔ تمہاری کشتی ضرور ڈوبے گی۔ اسے لکھ لو۔ طوفانِ نوح پھر آئے گا تم سب غرق ہو جاؤ گے۔"

"جاؤ۔" ڈریڈ نے اُسے دھکا دے کر کہا اور دروازہ بند کر لیا۔



کلاک نے دن کے دس بجائے اور کیپٹن حمید نے اس طرح منہ بنا کر کروٹ لی جیسے کوئی اُس کی مرضی کے خلاف اُسے جگانے کی کوشش کر رہا ہو۔

تقریباً پانچ بجے وہ اور فریدی گھر پہنچے تھے اور حمید کپڑوں جوتوں سمیت ہی بستر میں جا گھسا تھا۔ گھنٹے کی آواز سے اُس کی نیند اچٹ گئی اور پھر وہ کوشش کے باوجود بھی نہ سو سکا۔ آخر اُسے اُٹھ ہی جانا پڑا۔ اور وہ ٹک ٹک کرتے ہوئے کلاک کو گھونسہ دکھا کر بولا۔ "میں تیرے موجد پر بھی لعنت بھیجتا ہوں۔"

اور پھر اس طرح مطمئن نظر آنے لگا جیسے سچ مچ کلاک نے اُس کی بات سے بڑا اثر لیا ہو۔

باتھ روم کی طرف جاتے وقت فریدی سے ملاقات ہوگئی جو اندرونی برآمدے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ لیکن یہ اخبار دیکھنے کا وقت نہ تھا اور فریدی کا وہاں اس وقت موجود ہونا بھی خلافِ معمول تھا کیونکہ وہ ٹھیک نو بج کر پینتالیس منٹ پر دفتر چلا جایا کرتا تھا۔

"ہائیں! تم جاگ کیوں پڑے۔" فریدی نے اخبار ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایک خواب اٹک گیا تھا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب واپس آیا تو فریدی وہاں نہیں تھا۔ نوکروں سے معلوم ہوا کہ وہ باہر جا چکا ہے۔ حمید کاہلوں اور سست آدمیوں کی طرح آہستہ آہستہ دن گذارنے کی تیاریاں کرتا رہا۔

ٹھیک گیارہ بجے فریدی کا فون آیا۔ وہ اُسے اُسی بستی میں طلب کر رہا تھا جہاں سفیروں کی کوٹھیاں تھیں، حمید بُری طرح جھلا گیا اور اُسی جھلاہٹ میں اُس نے چوڑے پائینچوں کا پاجامہ پہن لیا۔ پاجامہ پہننے کے بعد قدِ آدم آئینے پر نظر پڑی اور زیادہ غصہ آیا۔ اُسی غصے کے عالم میں اُس نے ایک صندوق الٹ پلٹ ڈالا اور وہ شیروانی نکالی جو آج سے پانچ سال قبل اُس کا ایک شاعر دوست اُس کے اُس سوٹ کے بدلے میں چھوڑ گیا تھا جسے حمید نے بڑے چاؤ سے سلوایا تھا لیکن ایک بار بھی پہننے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہوا یہ کہ اُس عوامی شاعر پر ایک سرمایہ دار لڑکی ریجھ

ادر اُس نے اُسے چائے پر بلایا۔ ظاہر ہے ایسے موقع پر "عوامیت" کی ہوا نکل جانا لازمی تھی۔ اہ حمید کے پاس پہنچا اور اپنے کپڑے وہیں اُتار کر حمید کا سوٹ پہن کر جو غائب ہوا تو آج ہیں سال حمید کو اُس کی شیروانی یاد آئی۔

شیروانی پہن کر اُس نے پھر آئینے پر نظر ڈالی اور آپے سے باہر ہو گیا۔ صندوق پوری طرح ی پلٹ ہو گیا تھا اور ایک سرخ رنگ کی پھندنے دار ٹرکش کیپ اوپر ہی پڑی نظر آ رہی تھی۔ ہ نے اُسے اٹھا کر سر پر منڈھ لیا اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ آئینے ہی کو پھوڑ ڈالے۔ لیکن اُس ز ایسا نہیں کیا۔

اب وہ کمرے میں رکنا ہی نہیں چاہتا تھا لہٰذا باہر نکل آیا لیکن جب نوکروں کو منہ پھیر پھیر ہنتے دیکھا تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ "کیوں ہنستے ہو اُلو کے پٹھو۔"

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر ادھر اُدھر ہو گئے۔

کچھ دیر بعد وہ موٹر سائیکل پر اُسی مقام کے لئے روانہ ہو گیا۔ جہاں فریدی نے طلب کیا تھا۔ ہاے کے پائینچے پھڑ پھڑا رہے تھے اور ٹرکش کیپ کا پھندا پشت پر لہراتا چلا جا رہا تھا۔

فریدی اُسے اُسی عمارت کی کمپاؤنڈ میں نظر آیا جہاں پچھلی رات انہوں نے ڈاکٹر ڈریڈ کے ں کو داخل ہوتے دیکھا تھا لیکن فریدی تنہا نہیں تھا۔ کمپاؤنڈ میں کئی باوردی آدمی بھی موجود ے۔ حمید اپنی ہیئت پر بُری طرح جھینپا۔ وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی تنہا ہوگا لیکن وہاں پولیس کا آئی جی بھی موجود تھا۔ اُن سب نے حمید کو حیرت سے دیکھا جو اُسے قریب سے جانتے تھے منہ پھیر کر کرانے لگے۔

مگر فریدی نے اس پر نہ تحیر کا اظہار کیا اور نہ غصے کا بلکہ اس انداز میں حمید سے گفتگو کرنے لگا ے حمید ہمیشہ سے اسی قسم کا لباس استعمال کرتا آیا ہو اور اُس کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہ وہ اُس سے کسی لاش کے متعلق گفتگو کر رہا تھا اور حمید کا ذہن کہیں اور تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ا حرکت پر فریدی بہت سختی سے جواب طلب کرے گا۔

لیکن کچھ دیر بعد جب وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے عمارت میں لیجا رہا تھا اُس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ انہیں چاروں آدمیوں میں سے ایک کی لاش ہے۔"

"اوہ.... تو اُسے ڈاکٹر ڈریڈ ہی نے ختم کیا ہوگا۔" حمید بولا۔

"ہو سکتا ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ اُس جگہ نہیں قتل کیا گیا جہاں اس وقت اُس کی لاش ی ہوئی ہے۔"

وہ ایک راہداری میں داخل ہوئے۔ لاش سامنے ہی پڑی ہوئی تھی۔

"یہ آپ کس بناء پر کہہ رہے ہیں کہ اُسے یہاں نہیں قتل کیا گیا۔"

"اس کا لباس خون سے چپکتا ہوا ہے لیکن فرش پر خون کا ایک ہلکا سا دھبہ نظر آرہا ہے۔ ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ یہاں زیادہ مقدار میں خون بہا ہو۔"

"اور مقتول کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟"

"وہ سفارت خانے کے ایک اہلکار کا عزیز تھا اور ابھی حال میں باہر سے آیا تھا۔"

"اس کا پاسپورٹ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہاں.... اور اُسے جعلی بھی نہیں کہا جاسکتا۔"

"جعلی کیسے ہوسکتا ہے جب کہ سفارت خانے ہی سے اُس کا تعلق ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ ڈاکٹر ڈریڈ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ مجھے تو نہیں یاد پڑتا ہے کہ میں نے یہ کہا ہو کہ ڈاکٹر ڈریڈ اسی عمارت میں موجود ہے۔"

"پھر کیا یہ آدمی یہاں پچھلی رات جھک مارنے آیا تھا۔"

"یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کا تعاقب ہم نے پچھلی رات کیا تھا۔ کیا ہم اُس کی شکل دیکھ سکے تھے۔ البتہ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ انہیں چاروں میں سے ایک ہے۔"

"پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں؟"

"فی الحال کسی پر بھی نہیں.... تمہیں آخر نتیجے پر پہنچنے کی جلدی کیوں پڑ جاتی ہے۔"

"تاکہ جلد فیصلہ ہو اور اپنی گردن چھوٹے۔"

"جلد فیصلہ ہونے کا امکان نہیں ہے۔"

حمید صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "لیکن آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"یہی دکھانے کیلئے۔ اگر میں پچھلی رات اس عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو اِس لاش کا پتہ بھی نہ چلتا۔ یہ لوگ اسے اتنی دلیری سے یہاں ڈال کر پولیس کو اطلاع نہ دے سکتے۔"

"لیکن اس سے کیا فائدہ ہوا؟"

"یہ لوگ اچھی طرح روشنی میں آگئے ورنہ پہلے اس سفارت خانے میں یہ بھی سنا جاسکتا تھا کہ وہ اپنے کسی ملازم یا اُس کے اعزہ کی نجی زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور ہوسکتا ہے کہ ہمیں اس پر یقین بھی آجاتا۔ لیکن....!"

فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا اور پھر بولا۔ "آؤ....!"

وہ عمارت سے پھر کمپاؤنڈ میں آگئے۔ حمید اُس سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ "کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس عمارت کی تلاشی لے سکیں؟"

"میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں لیکن ڈاکٹر ڈریڈ یا اُس کا کوئی ساتھی یہاں نہیں دکھائی دیا البتہ اوپری منزل کے ایک کمرے کی دیواریں داغ دار ضرور ملی ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"وہ نشانات گولیوں ہی کے ہوسکتے ہیں۔"

"آہا تب تو....!"

"کچھ بھی نہیں حمید صاحب۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بناء پر اس عمارت کا رہنے والا گرفت میں آسکے۔ کیونکہ وہ خود بھی ریوالور رکھنے کا مجاز ہے اور اگر وہ ریوالور رکھتا ہے تو اُسے دنیا کا کوئی قانون عمارت کو چھلنی کرڈالنے سے نہیں روک سکتا۔"

"تب پھر ہم اپنا وقت یہاں کیوں برباد کررہے ہیں۔"

فریدی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ حمید چپ چاپ کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ تقریباً سارے ہی آفیسر اُسے بُری طرح گھور رہے تھے۔

"اگر کہئے تو میں واپس جاؤں؟" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "وہ تو میں ایک مشاعرے میں شرکت کے لئے جا ہی رہا تھا کہ آپ کا فون ملا۔ اور میں مشاعرے کی صدارت سے محروم ہوگیا۔"

"چونچ بند کرو اپنی۔" فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا اور پھر بڑی تیزی سے باہر نکل کر اپنی کار کی طرف چلا۔ حمید بھی جھپٹا لیکن اتنی دیر میں فریدی کی لنکن اسٹارٹ ہوچکی تھی۔ حمید نے اُس تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ کرتا بھی کیسے کیونکہ وہ خود موٹر سائیکل پر آیا تھا۔

فریدی کی کار آگے اور موٹر سائیکل اُس کے پیچھے فراٹے بھر رہی تھی ویسے یہ اور بات ہے کہ حمید اس کے رویے پر چراغ پا ہوگیا ہو۔ کار اور موٹر سائیکل سڑکوں پر دوڑتی رہیں۔ حمید نہیں سمجھ سکا تھا کہ اس کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ آخر یک بیک وہ کہاں کے لئے چل پڑا تھا۔ وہ موٹر

سائیکل پر تھا۔ ورنہ کم از کم اتنا تو معلوم ہی کر لیتا کہ اب کہاں رکنا پڑے گا۔

پچھلی رات فریدی نے جو کچھ بھی کیا تھا حمید اُس سے مطمئن نہیں تھا لیکن اُس کے باوجود بھی اُس کی موٹر سائیکل فریدی کی کار کے پیچھے دوڑ رہی تھی۔

پھر وہی لڑکی

ایک بار حمید کی موٹر سائیکل کار کے برابر آگئی اور فریدی نے بلند آواز میں کہا۔ "تم دفع ہو جاؤ۔"

"بلایا کیوں تھا؟"

"اس لئے نہیں بلایا تھا کہ تم کسی محفل میں لکھنؤ کے بھانڈ کو شکست دینے کے ساز و سامان سمیت آؤ۔ یقین رکھو کہ آج کی اس حماقت کے لئے تمہیں کافی بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تم نے ڈیوٹی کے اوقات میں ڈسپلن کو نظر انداز کیا ہے۔"

حمید نے اگلے ہی موڑ پر اپنی موٹر سائیکل گھما دی۔ اُس کے ذہن میں قاسم کا پیٹنٹ جملہ "میرے ٹھینگے سے" گونج رہا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اسی ہیئت میں آفس بھی جائے گا۔ آخر فریدی نے اُس کے لباس پر کیوں نکتہ چینی کی۔ اُسے ڈسپلن کے خلاف کیوں قرار دیا۔

وہ کسی بناسپتی اور مینڈک کا سا دماغ رکھنے والے لیڈر کی طرح قومی لباس کے مسئلے پر جھک مارنے لگا۔ ایک لمبی چوڑی تقریر تیار کی اور موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔

آخر کار وہ دفتر پہنچ گیا اور اُسے جس نے بھی دیکھا ہنسی کے مارے دوہرا ہو گیا۔ لیکن کیا مجال کہ حمید کی سنجیدگی میں فرق آ جاتا۔

وہ نہایت اطمینان سے سارا دن دفتر میں فائیلیں الٹتا پلٹتا رہا اور آفس بند ہونے کا وقت ہوتے ہی اٹھ گیا۔ لیڈی انسپکٹر ریکھا سے دن میں کئی بار ملاقات ہوئی تھی لیکن اُس نے اُس کے لباس کے متعلق اظہار خیال نہیں کیا تھا اور حمید کے اندازے سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے یہی لباس استعمال کرتا آیا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ آفس والوں نے آج تک اُسے پاجامے میں نہیں دیکھا تھا۔

شام کو جب وہ واپسی کے لئے موٹر سائیکل کی طرف جا رہا تھا ریکھا سے پھر مڈ بھیڑ ہو گئی اور

ں نے مسکرا کر کہا۔ "آج یہ نیا خبط کیسا؟"

"کیوں....؟" حمید پھاڑ کھانے والے انداز میں پلٹا۔

"اس لئے کہ ایک مولوی نے اپنا صندوق چوری ہو جانے کی رپورٹ درج کرائی ہے۔"

"تم میرے قومی لباس کا مذاق نہیں اڑا سکتیں۔" حمید کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

"کس قوم سے تعلق رکھتے ہو؟" ریکھا نے بڑے تلخ لہجے میں پوچھا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا قوم اور قومی چیزوں کا تذکرہ کرنے والے مسخروں میں سے تم بھی ہو۔"

"زبان کو لگام دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"تم اپنے قومی لباس میں بالکل ہدہد معلوم ہوتے ہو۔"

حمید نے جھلاہٹ میں موٹر سائیکل اسٹارٹ کی۔

"ارے.... ہاں.... قوم کے بیٹے.... تمہارے لئے ایک غیر قوم کی لڑکی کا پیغام ہے ری سنگلٹن....!"

"کیا....؟" حمید نے حیرت سے کہا اور مشین بند کر دی۔ میری سنگلٹن کے متعلق اُس کے ریدی کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں تھا۔

"وہ آج نو بجے رات کو مئے پول میں ملے گی۔ تمہاری عدم موجودگی میں فون آیا تھا۔ میں بتانا ول گئی۔"

"شکریہ۔" حمید کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ "اچھا.... چیریو....!"

وہ آفس سے گھر آ گیا۔ فریدی موجود تھا۔ حمید سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا اور قومی لباس ے پیچھا چھڑانے کے بعد غسل خانے کی راہ لی۔ قومی بخار کی ابتداء تفریح سے ہوئی تھی لیکن دفتر ں تفریح اور بخار دونوں نے بیک وقت سرسام کی شکل اختیار کر لی تھی۔ جیسے جیسے لوگ ہنستے تھے رسام میں اضافہ ہوتا رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ میری سنگلٹن کا تذکرہ آتے ہی وہ بالکل معمول پر گیا ہو۔ پھر نہ صرف اُس کا قومی لباس اُتر گیا بلکہ قوم پرستی کے سلسلے میں اُس نے دل ہی دل میں ز تقریریں تیار کی تھیں وہ بھی طاقِ نسیان کی نذر ہو گئیں اور وہ سوچنے لگا۔ دنیا کے سارے آدمی لائی ہیں کوئی کالی مٹی سے بنا ہے اور کوئی سفید مٹی سے۔ زمین ایک ہی ہے اور اُس پر چھایا ہوا اسمان بھی مختلف حصوں میں تقسیم نہیں ہے۔

اور پھر تھوڑی ہی دیر میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ میری سنگلٹن کی اصلیت کیا تھی۔ وہ یہ بھی بول گیا کہ خود ڈاکٹر ڈریڈ کے آدمیوں نے میری سنگلٹن کے متعلق بہت کچھ کہا تھا۔ یہ تو بہت

دور کی بات ہے۔ حمید خود ہی ایک بار اُس کی ذات سے ایک تلخ تجربے کا شکار ہو چکا تھا لہٰذا ایسی صورت میں یہی کہنا چاہئے کہ اُس کے ستارے ہی گردش میں تھے۔

حمید آٹھ ہی بجے مے پول جا پہنچا۔ ضروری نہیں تھا کہ اُس وقت میری سنگلٹن بھی موجود ہی ملتی کیونکہ ریکھا کے بیان کے مطابق اُسے نو بجے کا وقت دیا تھا۔

یہ کہنا غلط ہو گا کہ حمید نے اس ملاقات کے بارے میں سرے سے کچھ سوچا ہی نہیں۔ اُس نے اس مسئلے پر کئی پہلوؤں سے غور کیا تھا لیکن چونکہ اُس نے پہلے ہی فرض کر لیا تھا کہ میری سنگلٹن معصوم ہے اس لئے وہ اس کے خلاف کچھ بھی نہ سوچ سکا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے کام ضرور کر رہی ہے لیکن نادانستگی میں۔ اُسے علم نہیں ہے کہ وہ کس کے لئے کام کر رہی ہے۔ اس سے پہلے بھی حمید کی نظروں سے ایسی ہی صدہا مثالیں گذر چکی تھیں اس لئے وہ اپنے اسی خیال پر جما رہا۔

ٹھیک نو بجے اُسے میری سنگلٹن دکھائی دی۔ حمید نے اُسے اشارہ کیا اور وہ بڑے پُر اشتیاق انداز میں اُس کی طرف بڑھی۔ حمید اُس کی چال کو بڑے انہماک سے دیکھتا ہوا دل ہی دل میں قربان ہو رہا تھا۔ اُس لڑکی کے ہر انداز میں بڑی سیکس اپیل تھی۔

پہلے تو وہ اُسے دیکھ کر مسکرائی تھی لیکن قریب پہنچتے ہی کچھ گھبرائی ہوئی سی نظر آنے لگی۔

حمید نے بڑی پُرتپاک مسکراہٹ سے اُس کا استقبال کیا۔

"میں دراصل اقبالِ جرم کرنے آئی ہوں۔" اُس نے کپکپاتی ہوئی سی آواز میں کہا۔

"بھول جاؤ اُس واقعے کو۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن مجھے آپ کے اس رویہ پر حیرت ہے جناب۔"

"کیوں؟"

"ایک مجرم آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں کہ تم دھوکے سے کسی کے جال میں پھنس گئی ہو۔"

"آپ کیا جانیں۔" میری نے حیرت سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ اب گردن چھڑانا محال ہو جائے گا۔"

"تم نے ناحق کسی ایسے فضول خیال کو دل میں جگہ دی تھی۔ میں تو اُسی دن سمجھ گیا تھا۔"

"کس دن؟"

"جب تم نے میرے بازو میں سوئی چبھوئی تھی اور تم بُری طرح خوفزدہ تھیں۔"

"اور پھر جب میں نے اخبار میں آپ کا نام دیکھا تو میرا دم نکل گیا اور وہیں سے مجھے شبہہ ہو گیا کہ دھوکا دیا جا رہا ہے۔"

"کیوں تمہیں دھوکا کس طرح دیا گیا؟"

"میں دراصل ایک مذہبی خیال کی لڑکی ہوں۔ کٹر رومن کیتھولک پروٹسٹنٹ لوگوں کو دیکھ کر میرے جسم میں آگ لگ جاتی ہے۔ لیکن کچھ دن پہلے کی بات ہے میری ملاقات اپنے ہی فرقے کے ایک پادری سے ہوئی۔ ہم اکثر ملتے رہے اُس نے مجھے بتایا کہ پروٹسٹنٹ لوگوں کا ایک گروہ ہمارے فرقے کو نقصان پہنچانے کے درپے ہے۔ میں نے اس کیلئے کام کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔ اُس رات ہمارے فرقے کا ایک آدمی میرے ساتھ تھا اور اُس نے خوفزدہ ہو کر بتایا تھا کہ یہاں مخالف فرقے کے کچھ خطرناک آدمی موجود ہیں اور غالباً ہماری ہی تاک میں یہاں بیٹھے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بات بڑھے اور جھگڑا ہو جائے۔ پھر اُس نے مجھے ایک سوئی دی اور کہا کہ اگر ایسا کوئی واقعہ آئے تو میں اُسے حملہ آور کے جسم میں کسی جگہ چبھو دوں۔ پھر آپ میری میز پر آگئے اور میں یہی سمجھی کہ آپ بھی ہمارے دشمنوں ہی میں سے ہیں۔ یہ ہے پوری داستان۔"

"لیکن تمہیں شبہہ کیوں ہوا اُن لوگوں پر۔ کیا انہوں نے خصوصیت سے میری ہی طرف اشارہ کیا تھا؟"

"نہیں.... آپ کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا۔"

"پھر شبہہ کیوں اور کیسے ہوا؟"

"مجھے شرم آتی ہے بتاتے ہوئے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے کہ یہ بدمعاشوں کا کوئی گروہ ہے جو بھولی بھالی لڑکیوں کو اپنے جال میں پھانستا رہتا ہے۔"

"نہیں مجھے اس کے متعلق ضرور بتاؤ۔ تم جانتی ہی ہو کہ میرا تعلق کس محکمے سے ہے۔"

"وہ دیکھئے طارق روڈ پر ایک عمارت ہے تنویر بلڈنگ۔ اُس کی تیسری منزل پر ایک فرشتہ صورت آدمی رہتا ہے۔ اُس کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ وہ ہمارے ہی فرقے کا ایک بہت بڑا عالم ہے لیکن مخالف گروہ کے کسی بدبخت نے اُس کی زندگی برباد کر دی ہے۔ اُس پر کوئی ایسا زہر آزمایا گیا تھا جس نے اُسے ذہنی اعتبار سے مجہول کر دیا اور وہ فاتر العقلوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اُس کی دیکھ بھال کر سکوں تو یہ ایک کارِ ثواب ہو گا۔ میں نے منظور کر لیا۔ مگر آپ سے کیا بتاؤں۔ شرم کی وجہ سے میری زبان نہیں کھلتی۔"

"نہیں مجھے ضرور بتاؤ۔"

"اُس نے ایک دن مجھ پر حملہ کیا۔ میں اپنی پوری قوت سے اُس کے مقابلے میں تیار ہو گئی اور اُس نے ہنس کر کہا کہ روزانہ کتنی ہی لڑکیاں اسی بہانے سے اُس کے لئے لائی جاتی رہی ہیں۔ میں یہ سن کر سناٹے میں آگئی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس وحشی سے خود کو بچانے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ دو دن تک اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد آج آپ سے ملی ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ میں انہیں ٹھیک کر دونگا۔ کیا تم اُس مقام سے واقف ہو جہاں اُن کا قیام ہے؟"

"ہاں میں جانتی ہوں۔"

"مجھے بتاؤ۔ میں اسی وقت اُن کا قلع قمع کر دوں گا۔"

"وہ ایک بڑی گندی سی بستی میں رہتے ہیں ارجن پورے میں۔"

"ارجن پورے میں؟" حمید نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں.... اُن کا کہنا ہے کہ وہ وہاں رہ کر غریب آدمیوں میں تبلیغ کرتے ہیں۔"

"پتہ بتاؤ؟"

"زبانی بتانا بڑا مشکل ہے۔ پیچ در پیچ گلیاں ہیں۔ لیکن میں آپ کو وہ مکان دکھا ضرور سکتی ہوں جہاں وہ رہتے ہیں۔"

"میں اسی وقت دیکھوں گا۔"

"میں ضرور چلوں گی آپکے ساتھ۔ اُن کے خلاف میرے سینے میں آگ بھری ہوئی ہے۔"

دفعتاً حمید کی نظر قاسم پر پڑی جو اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ اُس کا دم نکل گیا قبل اس کے کہ وہ میری سے اٹھنے کے لئے کہتا قاسم سر پر سوار تھا۔

"سامالیکم حمید بھائی۔" اس نے کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے کہا اور میری کچھ نروس سی نظر آنے لگی۔ حمید کا بھی یہی حال ہوا تھا۔

"ارے حمید بھائی... ہی ہی... کتنا ڈھونڈا کہاں کہاں ڈھونڈا مگر تم ہو کہ تمہارا کہیں پتہ ہی نہیں۔"

"میں اس وقت اچھے موڈ میں نہیں ہوں۔" حمید نے آہستہ سے اردو میں کہا۔

"اردو نہیں سمجھتی کیا؟"

"نہیں تم اس وقت چلے جاؤ۔"

"اس کی بڑی بہن نہیں آئی کیا....؟"

"قاسم بکواس نہ کرو۔ چپ چاپ اٹھ جاؤ۔"

"میں تو نہیں اٹھوں گا.... ہی ہی.... دیکھتا ہوں تم کیا کرتے ہو.... ہی ہی۔"

قاسم آج بڑا بے جھجک ہو رہا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ ورنہ وہ تو عورتوں کی موجودگی میں بعض اوقات ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"تم مجھے پاگل کتوں کے حوالے کر دو لیکن میں آج اس کی بڑی بہن سے ضرور ملوں گا۔ ملوا دو نا....!"

"ارے تم غلط سمجھے۔ یہ اُس دن والی لڑکی نہیں ہے۔" دفعتاً حمید کا موڈ بدل گیا۔

"امے جاؤ۔ کسی اور کو اُلو بنانا۔"

"یقین کرو پیارے۔"

"کیوں یقین کروں۔ کیا میں اندھا ہوں۔"

"آؤ چلیں۔" حمید جھلا کر میری کی طرف مڑا۔

"یہ کون صاحب ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ارے یہ یونہی ہیں تم چلو۔"

"ابے تم خود ہی ہو گے یونہی۔ بلکہ جونہی.... تونہی وغیرہ۔" قاسم بگڑ گیا۔

"کیوں جناب! کیا بات ہے۔ آپ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟" میری نے قاسم کو مخاطب کیا۔

"خفا ہونے کی بات نہیں۔ یہ ایک چار سو بیس آدمی ہے۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اُس کے ساتھ کہیں نہ جایئے ورنہ یہ آپ کو کنوئیں میں دھکیل دے گا۔"

میری اُس کے لب و لہجے پر بے اختیار ہنسنے لگی۔ قاسم کا کلیجہ گز بھر کا ہو گیا اور حمید کی جان نکل گئی۔

"اٹھو جلدی کرو۔" اُس نے کہا۔

"نہیں یہ بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" میری بولی۔

قاسم کی باچھیں جو کھلنے سے باقی رہ گئی تھیں وہ بھی کھل گئیں اور اُس نے حمید سے کہا۔

"نہیں یہ تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جائیں گی۔ اگر تم زبردستی کرو گے تو خون خرابہ ہو جائے گا۔ بڑے آئے کہیں کے اجی واہ۔"

"قاسم گن گن کر بدلے لوں گا۔" حمید نے اردو میں کہا۔ اُسے حیرت تھی کہ آج قاسم کی کایا پلٹ کیسی ہو گئی۔

"میرے ٹھینگے سے۔ میں تم سے کمزور نہیں ہوں۔ کیا صرف تم ہی مزہ کرنا جانتے ہو۔"

میری نے اپنے بیگ سے چاکلیٹ کا پیکٹ نکالا اور قاسم اُس پر نظر جمائے ہوئے منہ چلانے لگا۔ اب حمید کو میری پر بھی غصہ آچلا تھا۔ آخر وہ اٹھتی کیوں نہیں۔ پھر قاسم کی طرف اُس نے دیکھا جو للچائی ہوئی نظروں سے چاکلیٹ کے پیکٹ کو گھور رہا تھا۔

میری نے پیکٹ پھاڑ کر چاکلیٹ نکالے اور کچھ حمید کی طرف بڑھا دیئے کچھ قاسم کی طرف۔ قاسم نے کچھ اس انداز میں جھپٹا مارا جیسے شبہ رہا ہو کہ کہیں حمید انہیں بھی نہ اُچک لے جائے۔ اُس نے بھاڑ سا منہ کھول کر سارے ٹکڑے ایک ساتھ رکھ لئے اور حمید اُسے غصیلی نظروں سے گھورتا رہا۔

"پھر انہیں بھی لے چلئے کیا حرج ہے۔" میری نے مسکرا کر کہا۔ "یہ آپ کے کوئی بے تکلف دوست معلوم ہوتے ہیں۔"

حمید چاکلیٹ کے ٹکڑوں کو ہاتھ میں لئے بیٹھا تھا۔ اُس نے جھلا کر کہا۔ "نہیں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"آپ کنوئیں میں گرنے جا رہی ہیں سمجھیں۔" قاسم انگلی اٹھا کر بولا اور پھر چونک کر اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے نیند کے خلاف جدوجہد کر رہا ہو۔ دفعتاً لڑکی کھڑی ہو کر بولی۔

"چلئے۔"

مگر قاسم خاموشی سے بیٹھا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر سچ مچ شدید ترین نیند کا حملہ ہوا ہو۔

حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی کچھ بوکھلا سی گئی ہے۔ اُس کا ماتھا ٹھنکا اور وہ کنکھیوں سے قاسم کو دیکھتا ہوا کلوک روم کی طرف بڑھا۔ کلوک روم کی تین بڑی کھڑکیاں ڈائننگ ہال کی طرف کھلتی تھیں۔ حمید نے ہینگر پر سے اپنا السٹرا اُتارتے ہوئے دیکھا کہ قاسم کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا بے خبر سو رہا ہے۔

حمید کے ہاتھ میں اب بھی چاکلیٹ کے ٹکڑے دبے ہوئے تھے۔ وہ اُس نے جیب میں ڈال لئے۔ پھر وہ دروازے کی طرف مڑا اور مسکرا کر بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ اُس احمق سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا۔"

"جج.... جی ہاں۔" میری چونک پڑی۔ "جی ہاں .... میں نے اتنا لمبا اور اتنا موٹا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"ہاں .... وہ ہر معاملے میں غیر معمولی ہے۔ آیئے۔"



ڈاکٹر ڈریڈ انتہائی غصے کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ لیکن اب وہ اُس عمارت میں نہیں تھا جہاں نے پچھلی رات گذاری تھی۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چاروں طرف لوہے کی الماریاں دیواروں سے لگی رکھی ں۔ یہاں اُن الماریوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

اُس نے ایک الماری کھولی۔ اُس کے اندر فون رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے کسی کے نمبر ڈائیل کئے اؤتھ پیس میں چنگھاڑنے لگا۔ "کون ہے... اوہ... کیا کر رہے ہو تم لوگ... کریگ کو بھیجو۔"

اُس نے ریسیور رکھ کر پھر الماری بند کر دی اور پہلے ہی کے سے انداز میں ٹہلنے لگا۔

کچھ دیر بعد دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا

"کیا خبر ہے؟" ڈاکٹر اُسے خون خوار نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے جناب میری سنگلٹن اُنہیں ضرور لائے گی۔ اس وقت تک کی رپورٹ ہے ہ وہ دونوں مۓ پول سے باہر نکل آئے ہیں۔"

"لیکن فریدی کہاں ہے؟"

"وہ میرا خیال ہے کہ اُن دونوں کی نگرانی کر رہا ہوگا۔"

"ضروری نہیں ہے کہ وہ دھوکا کھا کر یہاں تک چلا ہی آئے۔ کریگ عقل استعمال کرنا سیکھو۔"

"مجھے یقین ہے جناب کہ کیپٹن حمید نے اُس سے اس دعوت نامے کا تذکرہ ضرور کیا ہوگا۔ ور وہ بھی کیپٹن حمید کی طرح بے قوف نہیں ہے۔ وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ ان لوگوں کے لئے کوئی ل بچھایا گیا ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں تک چلا ہی آئے۔"

"کچا کام....!" ڈاکٹر ڈریڈ نے بُرا سا منہ بنایا۔ "مگر تم کیا جانو کہ کس قسم کے آدمی سے بلہ ہے۔ کچھ بھی ہو مجھے دُو دن کے اندر اندر فریدی اور فنچ کی لاشیں چاہئیں۔"

"ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں ڈاکٹر۔"

"اور یہ بھی غالباً کوشش ہی ہے۔" ڈاکٹر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کہ تم نے اُس بے وقوف لی کو اس مہم پر روانہ کیا ہے۔"

"ہم تو آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔" کریگ کے لہجے میں بھی ڈاکٹر

ڈریڈ نے طنز کی تلخی محسوس کی اور اُسے حیرت سے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط نہیں کہا ڈاکٹر۔" کریگ دلیری سے بولا۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ انصاف پسند ہیں۔ اس لئے آپ پر طنز کرنے کے بعد بھی زندہ رہوں گا۔"

"ہاں... میں انصاف پسند ہوں۔" ڈاکٹر ڈریڈ غصیلی آواز میں غرایا۔ "تم اپنا مطلب بیان کرو۔"

"کیا آپ سے غلطیاں نہیں ہوتیں؟"

"شاذ و نادر.... لیکن میں انہیں جلد ہی سنبھال لیتا ہوں۔"

"بہتیری ایسی بھی ہوں گی جنہیں آپ نہ سنبھال سکے ہوں گے۔"

"یہ بات جلد ہی ختم ہونی چاہئے۔ وضاحت کرو۔" ڈاکٹر غرایا۔

"جب میری سنگلٹن سے ایک غلطی ہو چکی تھی تو اُس غلطی کا اعادہ دوسری بار کیوں ہوا۔ میں زہریلی سوئی والے واقعے کا تذکرہ کر رہا ہوں۔ آخر وہی سوئی بیگم ارشاد کے یہاں کرائم رپورٹر پر کیوں استعمال کی گئی جب کہ کرنل فریدی اس واقعہ کی پبلسٹی بھی کرا چکا تھا۔"

ڈاکٹر ڈریڈ کی غراہٹ قہقہے میں تبدیل ہو گئی اور وہ قہقہہ بھی طویل ہوتا چلا گیا لیکن کریگ بُری طرح کانپ رہا تھا۔

دفعتاً ڈاکٹر اس طرح خاموش ہو گیا جیسے کوئی مشین چلتے چلتے رک گئی ہو۔

پھر وہ دہاڑا۔ "تم مجھے احمق سمجھتے ہو۔ یہ غلطی نہیں حکمت عملی تھی۔ تم اُس عورت کو کیا سمجھتے ہو۔ ایسی عورتیں بہت کم میری نظروں سے گذری ہیں۔ وہ صرف قانون سے ڈرتی ہے اس لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ پولیس بھی اُس میں دلچسپی لینے لگے۔ اس طرح وہ بوکھلا جائے گی اور پھر.... پھر میں اُسے دیکھوں گا کہ اُس کے اعصاب فولاد کے ہیں یا پتھر کے۔ انور کے معاملے میں اُس کی تنبیہہ بھی محض فضول اور لغو تھی۔ وہ میرا کیا کر سکتا ہے۔ مقصد یہی تھا کہ اُسے چاروں طرف سے چھیڑا جائے اور وہ پریشان ہو کر میرے مطالبے پورے کرے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو وہ آج بھی گھوڑے گاڑی میں بیٹھ کر شہر کی گلیوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"جج.... جی.... جی ہاں.... میں دیکھ رہا ہوں۔"

"دفع ہو جاؤ۔" ڈاکٹر ڈریڈ دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔

کریگ الٹے پاؤں چلتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔ شاید اُسے خدشہ تھا کہ ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف پشت ہوتے ہی موت آدبوچے گی۔

ڈاکٹر ڈریڈ پھر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑا۔ زرد پوش فرشتہ

پردے سے اندر جھانک رہا تھا۔ "ہی.... ہی.... ہی" وہ دانت نکالے ہنستا رہا پھر بولا۔ "کیا اندر آ جاؤں؟"

"آجاؤ....!" ڈریڈ اُسے گھورتا ہوا غرایا۔

"آج تین بجے چاند زمین پر اُتر آئے گا۔" زرد پوش فرشتے نے اندر آ کر پیشین گوئی کی۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ "میرا چاند کہاں ہے۔ خدا کے لئے اُسے بلوا دو۔"

ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا اور بولا۔ "ایک نہیں دو چاند....!"

"ہائے.... ہائے۔" زرد پوش فرشتہ اچھل اچھل کر اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ وہ اس وقت زرد ...ے اور ڈاڑھی میں بڑا عجیب لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر ڈریڈ نے پھر فون والی الماری کھولی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کریگ.... ڈالی اور مونا کو یہاں بھیج دو۔ میں تفریح کے موڈ میں ہوں۔"

"ہائے.... ہائے.... ڈالی.... اور مونا۔" زرد پوش فرشتہ دانت پر دانت جمائے سسکاریاں لینے لگا۔

ڈاکٹر مسکراتا رہا۔ کچھ دیر بعد دو جوان اور سفید فام لڑکیاں اندر داخل ہوئیں۔ ایک نارنجی ...لٹ میں تھی اور دوسری ہلکے نیلے اسکرٹ میں۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے زرد فرشتے کی طرف اشارہ ...جو خاموشی سے کھڑا پلکیں جھپکا رہا تھا۔

وہ دونوں اُس کے قریب پہنچ کر بولیں۔ "کیوں ڈارلنگ۔"

"ہی... ہی... ہی... تم دونوں... تم دونوں میری زندگی ہو۔ میری حیات ہو۔ آؤ... آؤ۔"

اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور ایک لڑکی بھی دونوں ہاتھ پھیلا کر جھپٹی لیکن قریب پہنچ ...ہی زرد پوش فرشتے نے اُسے اپنی طرف کھینچنا چاہا اُس نے اُسکے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔

"ارے....!" زرد پوش فرشتہ بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ تم نے کیا کیا مونا....!" دوسری لڑکی نے زرد پوش فرشتے کو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم ...نی ہو۔"

پھر دوسری لڑکی اُس کا گال سہلانے لگی جس پر تھپڑ پڑا تھا۔

"تم خود کمینی ہو ڈالی۔ تمہیں کیا حق ہے کہ میرے محبوب کا گال سہلاؤ۔"

"جہنم میں جائے تمہارا محبوب۔" ڈالی نے بھی جھلا کر اُس کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔ زرد پوش ...پھر اچھل کر پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو گیا ہو۔ مونا نے پھر اُسے پکڑ لیا تھا

لیکن اُس نے خود کو چھڑانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حیرت سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھتا رہا۔

"یہ چاند پسند آئے تمہیں۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے مسکرا کر پوچھا۔

"اچھے تو ہیں۔" فرشتے نے گلوگیر آواز میں کہا۔ "مگر مارتے کیوں ہیں؟"

اس بار مونا نے دو قدم پیچھے ہٹ کر اُس کی کمر پر لات رسید کر دی اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گرا۔ پھر ڈالی نے اُسے اٹھنے نہیں دیا۔ اُس کی پشت پر سوار ہو کر دونوں ہاتھوں سے اُس کا سر سہلانے لگی تھی۔

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور اٹھا لیا۔ اِدھر دونوں چاند زرد پوش فرشتے کی کھوپڑی سے سورج طلوع کرتے رہے۔

"ہیلو.... کون.... کریگ.... کیا بات ہے؟"

"گڑبڑ ہو گئی ڈاکٹر۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیپٹن حمید ٹیکسی میں نہیں بیٹھا۔ اُسے موٹر سائیکل پر لے گیا۔"

"اوہ....!" ڈریڈ غرایا اور شور مچاتی ہوئی لڑکیوں کی طرف مڑ کر دھاڑا۔ "اسے لے جاؤ یہاں سے۔" اور پھر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "میں نے پہلے ہی تمہیں آگاہ کر دیا تھا تم سب گدھے ہو گئے ہو۔ کیا وہ اُسے گھر لے گیا ہے۔"

"ہاں... ڈاکٹر... پانچ اور گیارہ پوچھ رہے ہیں کیا ہم کرنل فریدی کی کوٹھی میں گھس جائیں۔"

"یقیناً.... اگر وہ خونخوار کتوں کی غذا بننا پسند کریں۔"

"پھر کیا کیا جائے۔" کریگ بہت بوکھلایا ہوا سا معلوم ہوتا تھا۔

"اب....!" ڈریڈ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "جو کچھ بھی ہو رہا ہے ہونے دو۔"

"وہ لڑکی....!"

"اُس سے میرا دل بھر گیا ہے۔ اس لئے اُس کے ضائع ہو جانے کا افسوس مجھے نہیں ہوگا مگر ٹھہرو۔ کیا وہ اس قیام گاہ سے واقف ہے؟"

"نہیں ڈاکٹر۔"

"بس ٹھیک ہے اُسے بھول جاؤ۔" ڈریڈ کا لہجہ بہت نرم تھا۔ "لیکن فنچ کے لئے جو تدبیر بتا ہوں اُسے غور سے سنو۔ وہ اسپرنگ کاٹیج میں مقیم ہے۔ خیر.... سنو.... اس وقت تمہارے پا کتنے دیسی آدمی ہیں۔"

"فی الحال آٹھ ہیں۔"

"ٹھیک.... اُن میں سے دو کو گولڈن اسکور پین کے انجکشن دو۔ اُن کے پاس دو بھرے ے ریوالور بھی ہونے چاہئیں اور وہی پرانی تدبیر۔ انہیں اسپرنگ کاٹیج کے سامنے اُتار دینا اور ۔گ باہر چھپے رہنا۔ اُس واقعے کے بعد فنچ وہاں ہرگز نہیں رکے گا۔ جیسے ہی باہر نکلے.... جس ح مناسب سمجھو اُس کا خاتمہ کر دو۔ اگر میری یہ تدبیر تمہاری تساہلی کی بناء پر ناکام ہوئی تو.... ے ہو کہ نہیں.... میں ایک رات میں دو ناکامیاں نہیں برداشت کر سکوں گا۔"

"لیکن اگر وہ اسپرنگ کاٹیج میں نہ ہوا تو؟"

"تب پھر کوئی بات نہیں۔"

"دو جانیں بیکار ضائع ہوں گی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بکواس بند۔" ڈریڈ غرایا۔ "اب تک ہزار ہا جانیں میرے تجربات کی نذر ہو چکی ہیں۔"

نکل گیا

موٹر سائیکل فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پیچھے بیٹھی ہوئی میری سنگلٹن گھبرا کر کہا۔ "تم مجھے کہاں لے آئے؟"

"میں نے کہا تمہیں اپنا گھر دکھاؤں۔" حمید نے کہا۔ موٹر سائیکل پورچ میں پہنچ کر رک تھی۔

"نہیں! میں یہاں نہیں ٹھہروں گی۔" وہ خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی گاڑی سے کود گئی۔

"تم قطعی نہ ٹھہرو۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "لیکن میں تمہیں پھاٹک تک چھوڑنے کیلئے جاؤں گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب یہ کہ اُدھر دیکھو۔" حمید نے دائیں جانب اشارہ کیا جہاں دس عدد خطرناک قسم بلڈ ہاؤنڈ کھڑے ہانپ رہے تھے۔ حمید نے پھر کہا۔ "تم میرے پاس سے ہٹیں اور یہ تمہارے کی داد دینا شروع کر دیں گے۔ خوبصورت لڑکیوں کا گوشت انہیں بے حد مرغوب ہے۔"

"ہائے میں کہیں کی بھی نہ رہی۔" لڑکی روہانسی ہو کر بولی۔ "تم نے بھی دھوکا دیا۔"

"نہیں ڈارلنگ میں تمہاری پوجا کروں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" حمید اُس کا ہاتھ پکڑ کر

برآمدے کی طرف کھینچنے لگا۔

"یہ کیا کرتے ہو۔ میں شور مچادوں گی۔"

"ضرور مچاؤ۔ کوئی یہاں قدم رکھنے کی بھی ہمت نہیں کرے گا۔ یہاں ہمارا راج ہے۔"

میری سنگلٹن بے بسی سے آگے بڑھ گئی۔ حمید اُسے اندر لیتا ہوا چلا گیا۔ فریدی اندرونی برآمدے میں موجود تھا۔ اُس نے اُن دونوں کو حیرت سے دیکھا۔

"ہم دونوں چرچ سے سیدھے یہیں آرہے ہیں۔" حمید بڑے ادب سے بولا۔ "اب ہم دونوں کو آشیر واد دیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"پہلے میں نے کسی نکاح خواں ہی کو تلاش کیا تھا مگر جب کوئی نہیں ملا تو مجبوراً سول میرج کرلی۔"

"یہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں غلط کہہ رہے ہیں۔" میری گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں۔"

"ہائیں.... تم یہ کیا کہہ رہی ہو ڈارلنگ میں سرٹیفکیٹ دکھا سکتا ہوں اور کوئی بھی عدالت اُسے صحیح تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرے گی۔"

حمید نے جیب سے وہی چاکلیٹ کے ٹکڑے نکال کر اُسے دکھائے جو اُسی نے دیئے تھے اور پھر بولا۔ "یہ ہے سرٹیفکیٹ اور تمہارا پہلا شوہر مئے پول ہوٹل میں بے ہوش پڑا ہے کیا سمجھیں۔ اب سکون سے بیٹھ جاؤ۔"

حمید نے اُسے ایک خالی کرسی میں دھکیل دیا۔

"کیا قصہ ہے؟" فریدی نے آہستہ سے پوچھا اور حمید نے قصہ وہیں سے شروع کردیا جہاں سے شروع ہوا تھا۔

یہ داستان حمید نے اردو میں چھیڑی تھی اور میری کا چہرہ دھواں ہورہا تھا۔

"اور تم مجھے بتائے بغیر چلے گئے تھے۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"نہیں تم نے بہت اچھا کیا تھا۔ ویسے اگر تم مجھ سے تذکرہ کرتے تب بھی یہی ہوتا۔ ڈریڈ نے اس بار بڑی گھٹیا قسم کی چال چلی تھی۔"

"کیا مطلب.... ؟ میں نہیں سمجھا۔"

"ظاہر ہے اس دعوت نامے پر میں تمہیں تنہا بھیجتا اور خود چھپ کر تمہاری نگرانی کرتا اور

ڈ کے آدمی میری نگرانی کرتے اور پھر کہیں نہ کہیں ہمارا پھنس جانا لازمی تھا۔ مگر ڈریڈ نے یہ سمجھ لیا کہ میں آنکھیں بند کر کے کنوئیں میں کود جاؤں گا۔"

پھر فریدی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جو خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ آخر اُس نے کہا۔ "میں تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھنا چاہتا کہ اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں جب کیپٹن حمید زہریلی سوئی چبھوئی تھی۔"

"میں کیپٹن کو بتاچکی ہوں مخالف گروہ وہاں موجود تھا۔"

"مگر یہ خواب آور چاکلیٹ کیوں لئے پھر رہی ہو؟"

"اوہ.... تو یہ بات ہے۔" لڑکی ہنسنے لگی۔ "شاید میں نے غلطی سے خواب آور چاکلیٹ پیش یے تھے۔ اسی لئے وہ موٹا آدمی ہمارے ساتھ نہیں آسکا۔ ورنہ وہ تو کیپٹن کو بھی دھمکیاں ے رہا تھا۔ بات یہ ہے جناب کہ مجھے بے خوابی کی شکایت ہے اور میں ایسے چاکلیٹ اپنے پاس تی ہوں جنہیں کھا کر سو سکوں۔"

"بس اسے تو مجھے ہی بخش دیجئے۔" حمید نے فریدی سے کہا لیکن فریدی دھیان دیئے بغیر ڑکی سے بولا۔ "میری بات کا صحیح جواب دو۔ اُس رات تم کس سے خوف زدہ تھیں۔"

"آپ لوگ پتہ نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔ میری طبیعت خراب ہورہی ہے۔"

"میں اچھی کردوں گا۔" حمید بولا۔ "لیکن جب وہ کچھ نہ بولی تو اُس نے کہا۔ "ڈریڈ کے آدمی تمہاری نگرانی کرتے رہے ہوں گے۔ لیکن تم اس خیال میں نہ رہو کہ وہ یہاں اس عمارت میں م بھی رکھ سکیں گے۔ ڈریڈ دوبار میرے ہاتھوں سے شکست کھا چکا ہے۔ اگر یہ اُس کے بس ہوتا تو کسی صبح میری لاش بھی مسہری پر ملتی۔ لیکن وہ جانتا ہے کہ یہ نیو میکسیکو، ٹیکساس، اوکلا یا کنساس نہیں ہے۔"

لڑکی خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ اب اُس کے چہرے پر خوف کے آثار نظر نے لگے تھے۔

"اسے پھاٹک تک چھوڑ آؤ۔" دفعتاً فریدی حمید کی طرف مڑا۔

"کیوں....!" حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں صرف ڈاکٹر ڈریڈ کو مردہ یا زندہ چاہتا ہوں اور اُس کے دو یا تین ساتھیوں کے علاوہ اور ئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔"

"یہ ضرور جانتی ہوگی۔"

"مجھے شبہ ہے۔"

"کیوں۔ تم ہمیں ڈاکٹر ڈریڈ کا پتہ بتاؤ۔ ممکن ہے تمہیں معاف کر دیا جائے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ لوگ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اسے باہر چھوڑ آؤ۔" فریدی گرج کر بولا۔ "میرا اور اپنا وقت برباد نہ کرو۔"

حمید اس تجویز پر پاگل ہو گیا تھا۔ مگر وہ چپ چاپ اٹھا اور میری سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اٹھو.....!"

نہ جانے کیوں میری پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔

"اٹھتی کیوں نہیں چلو۔" حمید جھلا گیا۔

"نہیں.... میں نہیں جاؤں گی۔" وہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اب کیا میں اسے باہر لے جانے کے لئے اونٹ گاڑی کا انتظام کروں؟" حمید پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس نے پھر کتاب اٹھالی تھی۔

"چلو.... خدا کے لئے اٹھو۔" حمید پھر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ اس طرح جانے سے تو بہتر یہی ہے کہ میں یہیں خودکشی کر لوں۔"

"تو پھر وہ لوگ تو یہاں گھسنے کی ہمت نہیں کر سکیں گے۔ یہ بہت مشکل کام ہے کہ وہ اپنے کسی آدمی کو یہاں سے نکال لے جا سکیں۔" فریدی نے کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

"وہ شخص جس کی معلومات اتنی وسیع ہوں۔" لڑکی بڑبڑائی۔ "اسے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔"

حمید بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو کچھ میں پوچھوں اُس کا صحیح جواب دو۔" فریدی نے کہا لیکن اُس کی نظر اب بھی کتاب ہی پر تھی۔

"میں تیار ہوں۔" لڑکی نے بڑے خلوص سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلا کر مرغ کی بولی بولتا ہوا کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

"اُس رات تم کس سے خوفزدہ تھیں؟"

"فنچ اور اُس کے ساتھیوں سے۔"

"کیا وہ مے پول میں موجود تھے؟"

"ہمارے شبہات کے مطابق وہ وہیں تھے۔"

"فنچ بھی تھا؟"

"ہاں.... وہ بھی تھا۔"

"مگر وہ تو اپنے قد کی بناء پر ہزاروں میں پہچانا جا سکتا ہے۔"

"پتہ نہیں وہ کس طرح اپنا قد لمبا کر لیتا ہے۔"

"میں جانتا ہوں وہ کس طرح اپنے قد میں تبدیلی کر سکتا ہے۔"

"مجھے بھی بتائیے۔" حمید بول پڑا۔ "ورنہ میں اب گدھوں کی سی آوازیں نکالنا شروع کر دوں گا۔"

"اُس کی عمر ہی سرکس کی ملازمت میں گذری ہے۔ کیا تم نے سرکس کے مسخروں کو بانسوں پر چلتے نہیں دیکھا۔ وہ اونچے بانس اپنے پیروں پر باندھ کر چلتے ہیں۔ نہ صرف چلتے ہیں بلکہ اکثر تو تیزی سے دوڑتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ فنچ اس فن کا ماہر ہے۔ اُس کے پاس لکڑی کے مصنوعی پیر ہیں انہیں کے ذریعہ وہ اپنا قد گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے۔"

"آپ بالکل ٹھیک فرما رہے ہیں ڈاکٹر کا بھی یہی خیال ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اُس کی چال میں ذرہ برابر بھی بناوٹ نہیں محسوس ہوتی۔"

"وہ اس فن کا ماہر ہے۔" فریدی بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ اُن دونوں میں کیوں ٹھن گئی ہے۔"

"آپ کو اس کا بھی علم ہو گا۔"

"ہاں مجھے علم ہے اور آج ہی ہوا ہے۔ لیکن میں تصدیق چاہتا ہوں۔"

"فنچ نے ایک یتیم بچی کی پرورش کی تھی۔ اسے بھی اس نے سرکس کے لئے تربیت دی تھی اور اُسے اپنی ہی بیٹی سمجھتا تھا۔ ایک رات ڈریڈ کے آدمی نے اُسے سرکس سے اٹھا لیا اور دوسری صبح اُس کی لاش سڑک پر پائی گئی۔"

"اور وہ صرف تیرہ سال کی تھی؟"

"ہاں یہ بھی صحیح ہے۔" لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ چلے تھے۔ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "ڈریڈ درندہ ہے میں اُس سے نفرت کرتی ہوں۔ لیکن اُس کے پھندے میں پھنسی ہوئی لڑکیاں کسی طرح بھی اُس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔"

"تم فنچ کے آدمیوں کی ٹوہ میں بھی تو رہی ہو؟"

"ہاں.... میں تھی۔ مگر مجھے اُس سے گہری ہمدردی ہے۔ میں مجبوراً اُس کے خلاف کام

کرتی رہی ہوں۔ آج ہی میں نے ڈاکٹر ڈریڈ کو اطلاع دی ہے کہ فنچ اسپرنگ کاٹیج میں ہے۔"

"کہاں؟" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"اسپرنگ کاٹیج میں۔ اگر ڈریڈ کا ایک آدمی میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں ہرگز اُسے اُس کی اطلاع نہ دیتی۔"

"اس وقت تمہارا کیا پروگرام تھا؟"

"یہی کہ کیپٹن حمید کو ارجن پورے کے ایک مکان میں لے جاؤں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔ میرے بیگ میں دو طرح کے چاکلیٹ تھے۔ میں نے غلطی سے وہ پیکٹ نکال لیا جو بعد کے استعمال کے لئے تھا۔ اسکیم یہ تھی کہ میں کیپٹن کو ساتھ لے کر باہر آؤں گی اور وہاں ایک ٹیکسی پہلے سے موجود ہوگی۔ جسے ہمارا ہی ایک آدمی ڈرائیور کرتا ہوگا۔ پھر ٹیکسی میں بیٹھ جانے کے بعد میں کیپٹن کو خواب آور چاکلیٹ پیش کرتی لیکن کھیل بگڑ گیا۔ کیپٹن کسی طرح بھی اپنی موٹر سائیکل وہاں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ موٹر سائیکل ہی سے ارجن پورہ چلیں گے۔"

"تم نے فنچ کے متعلق کس وقت اطلاع دی تھی اور اطلاع دینے کا طریقہ کیا تھا؟"

"اس کے لئے میں نے ٹرانسمیٹر استعمال کیا تھا کیونکہ ڈریڈ نے پچھلی رات اپنی قیام گاہ تبدیل کر دی تھی۔"

"پچھلی رات وہ کہاں تھا؟"

"لڑکی نے اُسی عمارت کا پتہ بتایا جہاں سے آج ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔"

"موجودہ قیام گاہ کہاں ہے۔"

"اگر یہ معلوم ہوتا تو میں ٹرانسمیٹر کیوں استعمال کرتی۔"

"اب تم کیا چاہتی ہو؟"

"یہاں سے چلے جانے کے علاوہ اور جو کچھ بھی ہو سکے۔"

فریدی نے حمید سے کہا۔ "اسے تیسری منزل کے کسی کمرے میں پہنچا دو۔"

حمید اُسے ساتھ لے کر چلا گیا اور تقریباً بیس منٹ بعد پھر واپس آ گیا۔

"میں دس منٹ بعد مر جاؤں گا۔" وہ کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

"کیوں....؟"

"ہارٹ فیل ہو جائے گا۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "آپ یہ تو بتانے سے رہے کہ باہر

ڈرادینے کی دھمکی اتنی کارگر کیوں ہوئی تھی۔"

"بہت معمولی سی بات ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "امریکہ کی مختلف ریاستوں کی پولیس نے ڈریڈ کو اُسی کے آدمیوں کے ذریعہ پکڑنے کی کوشش کی ہے۔ لہٰذا اُس کا جو ساتھی بھی پولیس کے ہاتھوں میں پڑنے کے باوجود بھی کبھی آزاد دیکھا گیا مردہ ہی دیکھا گیا۔ ڈریڈ کا یہ اصول ہے کہ کسی ایسے ساتھی کا وجود برداشت نہیں کر سکتا جسے پولیس سزا دیئے بغیر چھوڑ دے۔"

"پھر اب ہم اس لڑکی کا حلوہ بنائیں گے یا اچار ڈالیں گے؟"

"اُٹھو.... ذرا اسپرنگ کاٹج تک ہو آئیں۔"

"اور اگر وہ بھاگ گئی تو....؟"

"واپسی پر تم اس کا حشر دیکھ ہی لو گے۔"



اسپرنگ کاٹج کے چھوٹے سے پھاٹک میں دو آدمی داخل ہوئے۔ سارا پائیں باغ دن کی طرح روشن تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہوئے آدمی نے اُن دونوں کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور تیزی سے اُن کی طرف بڑھا لیکن وہ برآمدے کی طرف جانے والی روش کی بجائے بائیں جانب مڑ کر چہار دیواری سے لگ گئے تھے۔ انہیں ایسا کرتے دیکھ کر اُس آدمی نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور جھک کر چلنے لگا۔ چہار دیواری سے تقریباً تین چار فٹ ہٹ کر ڈوڈونیا کی باڑھ کا سلسلہ تھا۔ یہ آدمی باڑھ کے پیچھے آچھپا۔ اُس کی نظر اُن دونوں پر تھی جو دیوار کے قریب جھکے کھڑے تھے۔

اُن میں سے ایک آدمی ٹارچ کی روشنی میں دیوار پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ دفعتاً اُس نے دوسرے سے کہا۔ "راستہ مل گیا۔"

"کہاں؟" دوسرے نے پُراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

"یہ رہا....!" اُس نے انگلی سے دیوار کے ایک سوراخ کی طرف اشارہ کیا۔

"آہا.... تو چلو....!"

"نہیں پہلے تم....!"

"واہ بھئی.... پہلے تم....!"

"بیکار بحث کر کے وقت برباد نہ کرو.... چلو....!"

"میں تو پہلے ہرگز نہیں جاؤں گا جس نے راستہ دریافت کیا ہے پہلے وہی قدم رکھے۔"

باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی حیرت سے انہیں دیکھتا رہا۔

"تم چاہتے ہو کہ میں دوسرا طریقہ اختیار کروں۔"

"کیا طریقہ اختیار کرو گے۔ میں بھی تو دیکھوں۔" دوسرے کو شاید غصہ آگیا تھا چھپے ہوئے آدمی نے حیرت سے دیکھا کہ اُن کے ہاتھوں میں ریوالور تھے اور دونوں کی نالیں ایک دوسرے کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہاری یہ جرأت۔" ایک بولا۔

"ہاں! کیا میں تم سے کمزور ہوں۔" دوسرے نے کہا اور بیک وقت دونوں کے ریوالوروں سے شعلے نکلے۔ باڑھ کے پیچھے چھپا ہوا آدمی اچھل کر عمارت کی طرف بھاگا۔ وہ درانہ اندر گھستا چلا گیا اور پھر اگر سنبھل نہ گیا ہوتا تو اُس چھوٹے سے آدمی سے ٹکرا جانا لازمی تھا جو خود بھی تقریباً دوڑتا ہوا صدر دروازے کی طرف آرہا تھا۔

"اوہ.... معاف کیجئے گا جناب۔" وہ آدمی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔

"کیا بات ہے؟" چھوٹے آدمی نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

اُس نے ہانپتے ہوئے جلدی جلدی پورا واقعہ دہرا دیا۔

"خطرہ....!" چھوٹا آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "دیکھو! باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔ دروازے بند کر دو۔ ہو سکتا ہے یہ جال پولیس ہی نے بچھایا ہو۔"

"مگر جناب! انہوں نے ایک دوسرے پر گولیاں چلائی تھیں اور ڈھیر ہو گئے تھے۔"

"تم نے انہیں صرف گرتے دیکھا ہوگا۔ ضروری نہیں کہ ریوالور اصلی ہی رہے ہوں چلو... خاموشی سے بیٹھو۔ میں جا رہا ہوں۔ پولیس تم لوگوں کے خلاف کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتی۔"

ننھا آدمی کھڑکی سے دوسری طرف صحن میں کود گیا۔ کمپاؤنڈ سے پھر فائر کی آواز آئی اور وہ آدمی جہاں تھا چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ صدر دروازے کی طرف دوڑا اور اُسے بند کرنے کے بعد کھڑکیاں بھی بند کرنے لگا۔ دو تین فائر اور کچھ چیخیں پھر سنائی دیں۔

عمارت میں اس کے علاوہ چار آدمی اور بھی تھے اور یہ بھی غیر ملکی ہی تھے۔

"کیا قصہ ہے؟" ایک نے اُس سے پوچھا۔

وہ اُسے بتانے لگا۔ دو فائر پھر ہوئے اور اُس نے اُس کے متعلق ننھے آدمی کی رائے ظاہر کی۔

"مگر پولیس کیوں؟" دوسرا آدمی بولا۔ "آخر اسے اس قسم کا ڈرامہ کھیلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ لازمی طور پر ڈریڈ ہی کے آدمی ہوں گے۔"

ایک گولی آکر کھڑکی کے شیشے سے لگی اور وہ چکنا چور ہو گیا۔

"سنو!" وہ آدمی دوسرے دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ لوگ شہری علاقے میں دیر تک گولیاں نہیں چلا سکتے۔ یہ پولیس ہی معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں ہمارے پاس جو اسلحہ ہے اُس سے تو پیچھا چھڑانا ہی چاہئے۔"

وہ سب ایک بڑے کمرے میں آئے۔ اپنے ریوالور نکال کر میز پر رکھے اور ایک آدمی انہیں سمیٹ کر رومال میں باندھنے لگا۔ فائروں کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں اور پھر ساتھ ہی کسی نے صدر دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"جلدی کرو۔" ایک آدمی بولا اور ریوالوروں کا رومال اٹھاتا ہوا صحن کی طرف بڑھا۔ دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔

اُس آدمی نے صحن میں کھڑے ہو کر ریوالوروں کو دوسری طرف پھینک دیا۔ اس سے پہلے اُس نے عقبی دروازے سے جھانک کر اطمینان کر لیا تھا۔ دوسری طرف سناٹا تھا۔ اس عمارت کی پشت پر آبادی نہیں تھی بلکہ دور تک کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ شاید اسی بناء پر اس عمارت کا نام اسپرنگ کاٹیج تھا۔

وہ پھر اُسی کمرے میں واپس آگیا۔ صدر دروازہ اب بھی پیٹا جا رہا تھا۔

"لیکن دوست....!" ایک آدمی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "اگر وہ پولیس نہ ہوئی تو ہم کیا کریں گے؟ ریوالور بھی تم نے پھینکوا دیئے۔"

"دروازہ کھولو!" باہر سے ایک گرج دار آواز آئی۔ "ورنہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔"

وہ پانچوں بہت احتیاط سے صدر دروازے کی طرف بڑھے اور ایک نے بھاری آواز میں پوچھا۔ "کون ہے؟"

"پولیس!.... دروازہ کھولو۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہم کیسے یقین کر لیں جبکہ باہر ڈاکو موجود ہیں۔ انہوں نے ہمیں لوٹنے کی کوشش کی تھی۔"

"تم دوسری طرف سے بھی نہیں نکل سکو گے۔" باہر سے آواز آئی۔ "مکان کا محاصرہ کیا جا چکا ہے۔"

"بڑی مصیبت ہے۔" وہ آدمی بلند آواز میں بڑبڑایا۔ "اس دیس میں آکر جان سلامت لے جانا مشکل ہے۔"

"ہم دروازہ توڑ رہے ہیں۔" باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی دروازہ اس طرح ہلایا جانے لگا

جیسے سچ مچ توڑ ڈالا جائے گا۔

"ٹھہرو! ہم کھولتے ہیں۔" ایک آدمی کہہ کر آگے بڑھا۔

"نہیں ٹھہر جاؤ۔" دوسرا بولا۔ "انہیں دروازہ توڑنے دو۔ اگر یہ وہی ڈاکو ہوئے تو کیا ہوگا؟ جنہوں نے ہمیں خوفزدہ کرنے کے لئے فائر کیئے تھے۔"

"یہاں دو لاشیں بھی ہیں جن کے لئے تمہیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔" باہر سے آواز آئی۔

"ہمیں کسی لاش کا علم نہیں۔ وہ ہمارے آدمیوں میں سے بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ ہم سب اندر موجود ہیں۔"

دروازے پر ضربیں لگائی جا رہی تھیں۔ یہ پانچوں خاموش کھڑے رہے۔ جس آدمی نے دروازہ کھولنا چاہا تھا بہت زیادہ نروس نظر آ رہا تھا۔ آخر کار دروازہ ٹوٹ ہی گیا اور وہ پانچوں اچھل کر بھاگے۔

"خبردار.... ٹھہرو.... ورنہ ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔" کرنل فریدی نے کہا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ وہ رک گئے۔

"اپنے ہاتھ اٹھالو۔" فریدی نے سخت لہجے میں کہا اور انہوں نے خاموشی سے تعمیل کی۔ اُس کے ساتھ کیپٹن حمید کے علاوہ تین آدمی اور بھی تھے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" اُس نے اُن سے کہا اور اندر گھستا چلا گیا۔

"آخر ہم لٹ ہی گئے۔" ایک آدمی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا اور آہستہ سے پوچھا۔ "فنچ کہاں ہے دوستو؟"

"کیسا فنچ؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ "ہم کسی فنچ کو نہیں جانتے۔"

"اچھی بات ہے۔ چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "ان کی جامہ تلاشی لو۔"

"ہم نہیں سمجھ سکتے جناب کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔ "ہم پر ہی ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ ہمیں ہی پولیس پریشان کر رہی ہے۔"

"چپ چاپ کھڑے رہو۔" حمید نے اُسے ڈانٹا۔

کچھ دیر بعد فریدی واپس آ گیا۔

"فنچ نکل گیا۔" اُس نے پانچوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔ "تم شریف آدمیوں

کو ہاتھ لگانا بھی مشکل ہوگا۔ کیوں! کیا خیال ہے؟"

"ہم بالکل نہیں سمجھے جناب۔"

"باہر دو لاشیں ہیں۔"

"میں اُنکے متعلق آپکو کچھ بتا سکوں گا مگر شاید آپ کو یقین نہ آئے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"یہ میں بعد کو سوچوں گا کہ یقین آنا چاہئے یا نہ آنا چاہئے۔"

اُس نے جو کچھ بھی دیکھا تھا بتایا اور کیپٹن حمید بے ساختہ ہنس پڑا۔ مگر فریدی کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہ آیا۔

"کیا فنچ اُس وقت یہاں موجود تھا؟" فریدی نے سوال کیا اور وہ آدمی جو حمید کے قہقہے پر نروس ہو گیا تھا رو میں کہہ گیا۔ "جی ہاں۔"

لیکن پھر سنبھلنے میں بھی دیر نہیں لگائی اور جلدی سے بولا۔ "کیا پوچھا تھا آپ نے؟"

"کچھ نہیں۔ اب صرف تم یہ بتا دو کہ فنچ یہاں سے کہاں گیا ہوگا؟"

"جناب والا۔ میں آپ سے استدعا کروں گا کہ اس نام کے متعلق ہمیں کچھ اور بھی بتایئے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ان چاروں کو حراست میں لے لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "ان کے پاس یقینی طور پر پاسپورٹ ہوں گے۔ لیکن چونکہ کمپاؤنڈ میں دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں اس لئے ہم انہیں اُس وقت تک حراست میں رکھ سکتے ہیں جب تک کہ ان لاشوں کے متعلق تفتیش جاری رہے گی۔"

"یہ سراسر ظلم ہوگا جناب۔"

"کیوں؟ کیا تمہارے ملک میں مشتبہ آدمی بخش دیئے جاتے ہیں۔" فریدی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی اور اسی وقت اپنے ہاتھوں سے اس مکان کو مقفل کر کے چپ چاپ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ جاؤ گے۔ یہاں دو قتل ہوئے ہیں اور تم نے اختلاف بیانیوں سے کام لیا ہے۔"

"ہم نے اختلاف بیانی سے کام نہیں لیا۔"

"پہلے تم کہہ رہے تھے کہ یہاں ڈاکوؤں نے حملہ کیا تھا اور اس کے بعد ایک ناقابل یقین داستان دہرا دی۔"

"آپ یقین کیجئے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جیسے ہی وہ گرے میں اندر بھاگ آیا۔ پھر متعدد فائروں کی آوازیں آئیں اور ہم نے دروازہ بند کر لیا۔"

فریدی چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "کچھ بھی ہو میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہ عمارت کو مقفل کرانے کے بعد انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس کا ایک آدمی وہیں رک گیا تھا کیونکہ دونوں لاشیں ابھی وہیں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ انہیں قریبی تھانے بھجوا کر اسپرنگ کاٹیج میں واپس آگیا۔

"آخر اب ڈریڈ کے ساتھیوں پر کیوں اتنے مہربان ہیں؟" حمید نے پوچھا۔ "آپ اُس کے آدمیوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں لیکن فنچ کے آدمی آپ سے نہ چھوڑے گئے۔ حالانکہ اب مجھے بھی اس چرخ سے ہمدردی ہوگئی ہے اور آپ بھی اس کیلئے ہمدردی ہی کا جذبہ رکھتے ہوں گے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ "میں ڈریڈ کے صرف اُن آدمیوں کو نظرانداز کرتا ہوں جن کے متعلق مجھے یقین ہوتا ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کچھ نہ جانتے ہونگے۔"

"اور اس وقت تو وہ صاف نکل گئے۔"

"ہاں.... آں....!"

"بس دھوکا کھا گیا۔ اندر سے دو فائروں کی آوازیں آئیں اور میں سمجھا شاید کھیل شروع ہو گیا ہے۔ اگر کچھ دیر اور خاموش رہتا تو اُن میں سے ایک بھی نکل کر نہیں جا سکتا تھا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ فنچ کے آدمی اُس کی قیام گاہ سے واقف ہیں؟"

"فنچ کچھ دیر پہلے یہیں تھا اور وہ پچھلی دیوار سے کود کر فرار ہوا تھا۔ دوسری طرف نرم زمین پر اُس کے پیروں کے نشانات دیکھنے کے بعد میں نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"یہ دونوں کم بخت بہت دنوں سے دردسر بنے ہوئے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

لیکن اُس نے دوسرے ہی لمحے میں فریدی کو اچھلتے دیکھا۔ اُس نے ڈوڈونیا کی باڑھ کی دوسری طرف چھلانگ لگائی تھی۔ حمید بھی بے اختیارانہ انداز میں اُسی طرف جھپٹا لیکن پھر اچانک اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے زمین نے اُس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ کیونکہ اُس نے ایک ننھے سے آدمی کو اچھل کر دیوار پر چڑھتے دیکھا تھا۔ اگر وہاں اندھیرا ہوتا تو وہ اُسے کوئی بندر ہی سمجھتا۔

نیلا بیگ

حمید کو اس کی توقع نہیں تھی کہ پھاٹک تک پہنچنے میں جو وقت صرف ہوگا اُس کے بعد انہیں فنچ کا سایہ بھی مل سکے لیکن شاید فنچ ہی اس معاملے میں چوک گیا تھا۔ کیونکہ پھاٹک سے نکلتے نکلتے

دی کی نظر اُس پر پڑ گئی تھی۔ مگر ٹھیک اُسی وقت فنچ نے آبادی کے پیچھے والی جھاڑیوں میں نگ لگائی۔ یہ دونوں بھی اپنی پوری قوت سے دوڑ رہے تھے۔

جھاڑیوں میں گھسے تو فنچ کھائی کے اُس پار نظر آیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" فریدی حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا بولا۔

حمید رک گیا۔ لیکن اُسے فریدی کی اس حرکت پر تعجب ضرور ہوا۔ اور پھر جب نظر اٹھائی تو ا پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کیونکہ فنچ بھی رک گیا تھا۔ اوپر کھائی کے اُس پار تاروں کی ہاؤں میں وہ صاف نظر آرہا تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا لیکن فریدی اُسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ "نہیں۔"

"میں اسے نکلنے جا رہا تھا۔" حمید جھلا گیا۔ "آپ خواہ مخواہ پریشان ہو گئے۔"

"بہت دلیر ہے حمید صاحب۔ بہت دلیر۔ میں اسے چھپ کر مارنا پسند نہیں کروں گا۔"

"نہیں آپ اسے کاک ٹیل پارٹی دیجئے۔ میرے باوا کا کیا جاتا ہے۔"

"ارے آؤ نا۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں نے بہت دنوں سے دوڑ نہیں لگائی۔ موقع ملا ہے تو تم لوگ ڈھیلے پڑ رہے ہو۔"

"ذرا سنئے۔ وہ مچھر کی اولاد چیلنج کر رہا ہے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ حمید اور زیادہ جھلا کر بولا۔ "اگر آپ محکمہ سراغ رسانی میں نہ ہوتے تو آپ صرف کسی پاگل خانے ہی میں ملاقات ہو سکتی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

فنچ جہاں پہلے تھا وہیں اب بھی کھڑا تھا۔

"ہائیں یہ کیا؟" دفعتاً حمید کے منہ سے بے اختیارانہ طور پر نکلا۔ نہ جانے کدھر سے نکل کر چار آدمیوں نے فنچ پر حملہ کر دیا تھا۔

"کیا یہ آپ کے آدمی ہیں؟" حمید نے فریدی کا بازو پکڑ کر کہا۔

"نہیں.... اوہ....!" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا معلوم ہوا جیسے اُن کے ہاتھ رک گئے ہوں لیکن پھر وہ کھیتوں میں کود گئے۔ کھیت ب میں تھے لہٰذا اب وہ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔

دفعتاً انہوں نے یکے بعد دیگرے تین چیخیں سنیں اور فریدی کھائی میں اُتر گیا۔ حمید نے بھی اس کا ساتھ دینا چاہا لیکن جھاڑیوں میں الجھ کر منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ پھر جتنی دیر میں وہ اٹھتا

فریدی نظروں سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ اٹھ کر پھر دوڑا۔ اُسے چوٹیں سہلانے کا بھی ہوش نہیں تھا۔ وہ اپنی دانست میں حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ کھائی کے دوسری طرف پہنچا۔

لیکن یہاں اُسے صرف فریدی نظر آیا۔

"پانچ ہوئے۔" اُس نے کہا۔

"کیا پانچ ہوئے؟" حمید نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

"مرنے والے۔" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔

پھر حمید کی نظر اُن تین آدمیوں پر پڑی جو زمین پر پڑے ہوئے تھے۔

"کیا یہ مر گئے؟" حمید نے بوکھلا کر پوچھا۔

"ہاں....!"

"مگر.... آپ نے شاید ہوائی فائر کیا تھا؟"

"تم اس وقت کہاں ہو؟" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید جھک کر لاشوں کو دیکھنے لگا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "انہیں خنجر سے ہلاک کیا گیا ہے اور یہ اتنے مشاق ہاتھوں کا کرشمہ ہے کہ یہ شاید ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکے۔ تینوں زخم دل کے مقام پر ہیں۔"

"اور یہ ہیں کون؟"

"ڈریڈ کے آدمیوں کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں۔"

"اُف.... فوہ.... تو یہ فنچ تھا۔ لیکن ہر حال میں اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے۔ آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔"

"میں نے نکل جانے دیا؟" فریدی نے حیرت سے دہرایا۔

"یقیناً.... نہ آپ دیر لگاتے.... اور نہ....!"

"اور نہ ہم دونوں بھی زندہ رہتے۔" فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔ "ڈریڈ کے آدمی یہاں چھپے ہوئے تھے۔ کیا تم اندھیرے سے آئے ہوئے تیر کا رخ موڑ سکتے ہو۔ میں تو کم از کم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ دھوکے سے کیے گئے حملے سے بھی بچ جاؤں گا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اس وقت محض دماغ ٹھنڈا رکھنے کا عادی ہونے کی بناء پر بال بال بچ گیا۔"

حمید کچھ نہیں بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اس موقعے پر تنہا ہوتا تو کیا ہوتا۔ شاید اس کا وہی انجام ہوتا جس کی طرف ابھی فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ فنچ کا چیلنج وہ کبھی نہ برداشت کر سکتا اور پھر

ہر ہے جو کچھ بھی ہوتا۔

"یہ فنچ حقیقتاً ڈاکٹر ڈریڈ سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ میرے اندازے آج تک غلط نہیں ہوئے۔"

حمید کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

"بیکار ہے۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "اب ہم اُسکی گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔ پہلے بھی اگر وہ چاہتا ...رار ہو سکتا تھا مگر نہ جانے کیوں وہ اسپرنگ کاٹج میں واپس آ گیا تھا۔ آہا ٹھہرو... کیا وہ وہاں سے ...کوئی خاص چیز لے جانا بھول گیا تھا۔ آؤ جلدی کرو۔ آخر وہ واپس کیوں آیا تھا اور شاید یہاں اس ...چیلنج کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ ہمیں جھکائیاں دے کر پھر اسپرنگ کاٹج میں جا گھسے۔"

انہوں نے بڑی تیزی سے کھائی پار کی اور اسپرنگ کاٹج کی طرف چل پڑے۔ حمید کے ذہن ...نی ہی سی دیر میں اچھی خاصی برف باری ہو گئی تھی اور اُس نے اب کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ...رتا بھی کیا۔ حالات بڑی تیز رفتاری سے رخ بدل رہے تھے۔

وہ پھر اسپرنگ کاٹج میں واپس آئے۔ اُن کے محکمے کا وہ آدمی وہیں موجود تھا جہاں وہ اُسے ...ڑ کر گئے تھے۔

"ادھر کوئی آیا تو نہیں؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں جناب!" اُس نے جواب دیا۔

"آؤ....!" فریدی حمید سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن پھر رکا اور مڑ کر اُس آدمی سے ...۔ "کسی کو بھی کمپاؤنڈ میں قدم مت رکھنے دینا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آدمی ہو خواہ غیر سرکاری۔"

"بہت بہتر.... جناب....!" اُس نے کہا اور پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

"مگر دروازہ تو آپ مقفل کرا چکے ہیں۔" حمید بڑبڑایا۔

"فکر مت کرو۔ اسی لئے میں نے اُسے یہ ہدایت دی ہے۔ قفل کھولنا پڑے گا۔"

برآمدے میں پہنچ کر فریدی نے وہاں کی روشنی بجھا دی۔

حمید جانتا تھا کہ اُسے قفل کھولنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس قسم کے ...ہر وقت اُس کی جیب میں پڑے رہا کرتے تھے۔

دو منٹ کے اندر ہی اندر وہ عمارت میں تھے۔



ڈاکٹر ڈریڈ کسی زخمی بھیڑیے کی طرح غرا رہا تھا اور کریگ اُس کے سامنے کھڑا اس طرح

کانپ رہا تھا جیسے اُسے دوسرے ہی لمحے سفرِ آخرت کا خدشہ ہو۔

"میں تم سب کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا۔"

"ڈاکٹر ڈریڈ.... انصاف پسند ہے۔" کریگ کانپتا ہوا بولا۔

"ہاں میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"دیکھئے ڈاکٹر.... آج فنچ ختم ہی ہو جاتا.... مگر وہ فریدی آکودا۔"

"وہ بھی تمہاری ہی وجہ سے آکودا۔ میں پورا پورا انصاف کروں گا۔"

"میری وجہ سے کیوں ڈاکٹر؟"

"میری سنگلٹن جانتی تھی کہ فنچ اسپرنگ کاٹیج میں ہے۔"

"لیکن مجھے کیا علم کہ وہ جانتی تھی۔"

"تم نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر وہ اسکیم بنائی ہی کیوں تھی میں انصاف پسند ہوں اور پورا پورا انصاف کروں گا۔"

دفعتاً الماری میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور ڈاکٹر ڈریڈ اُدھر متوجہ ہو گیا۔

"کون ہے؟" وہ ماؤتھ پیس میں غرایا۔

"سام اسپیکنگ ڈاکٹر....!"

"کیا بات ہے؟"

"جس نیلے بیگ کے متعلق آپ نے پوچھا تھا وہ صندوق میں موجود نہیں ہے۔"

"کیا بکتے ہو.... دوبارہ تلاش کرو۔"

"آپ سنئے تو سہی۔ اُس کی بجائے دفتی کا ایک ڈبہ ملا ہے جس پر تحریر ہے فنچ کی طرف سے ڈاکٹر ڈریڈ کے لئے تحفہ۔ اور اُس ڈبے میں ایک سڑا ہوا آلو ہے۔"

"مگر اُس کی رسائی صندوق تک کیسے ہوئی؟" ڈریڈ دہاڑا۔

"اُس کا جواب کریگ ہی دے سکے گا ڈاکٹر۔ وہ بڑی لاپروائیاں برت رہا ہے اور ہر وقت ڈا کے چکر میں رہتا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ دونوں اُودھم مچائے ہوئے تھے۔"

"اوہ.... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فنچ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہے؟"

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے.... ڈاکٹر....!"

"اچھا....!" ڈریڈ ریسیور رکھ کر کریگ کی طرف مڑا لیکن جو کچھ بھی دیکھا کم از کم اُس کے لئے تو غیر متوقع ہی تھا۔ کریگ کے کانپتے ہوئے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ اب بھی بُری طرح

کانپ رہا تھا۔

"اب انصاف نہیں ہو سکے گا.... ڈاکٹر....!" اُس نے بالکل اسی طرح کانپتی ہوئی آواز میں کہا جیسے جاڑا دے کر بخار آگیا ہو۔

"نہیں ہو گا۔" ڈاکٹر ڈریڈ مسکرایا۔ "تم اپنا ہاتھ تو دیکھو۔ کیا اس ہاتھ سے تم مجھ پر فائر کر سکو گے۔ ویسے میں تمہاری اس دلیری کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ ڈریڈ پر ریوالور اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔ اس دلیری کے عوض میں نے تمہیں معاف کر دیا.... اور.... اس کے عوض.... ڈالی بھی تمہیں دی جاتی ہے۔"

کریگ حیرت سے منہ کھولے سنتا رہا۔

"میں اپنے بچے کھچے آدمیوں کو ضائع نہیں کرنا چاہتا ورنہ میں تنہا رہ جاؤں گا۔" ڈریڈ نرم لہجے میں بولا۔ "آئندہ جو کچھ بھی کرو سوچ سمجھ کر کرو۔"

"مم.... میں.... بہت محتاط رہوں گا ڈاکٹر....!" کریگ ہکلایا۔

"یقیناً.... ورنہ اب کوئی ٹھوکر ہم سب کو غارت کر دے گی۔ خیر ہاں.... اب فنچ کے لئے ایک ہی تدبیر رہ گئی ہے۔ تم وہ الماری کھول کر اوپری خانے سے وہ ٹیوب نکالو جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا ہے۔"

کریگ نے ریوالور جیب میں رکھ لیا اور بڑے سعادت مندانہ انداز میں الماری کی طرف بڑھا۔ اُس کا ہینڈل پکڑ کر دروازہ کھولا اور اوپری خانے میں ٹیوب تلاش کرنے لگا۔

"اوہ.... جی ہاں..!.. مل گیا۔" وہ شیشے کا ٹیوب لئے ہوئے مڑا جس میں سرخ رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔

"ٹھیک.... اسے خوب ہلا کر روشنی کے رخ دیکھو کہ اس میں سفید ذرات ہیں یا نہیں۔"

وہ اُسے مٹھی میں پکڑ کر ہلانے لگا پھر بلب کی طرف اٹھا کر دیکھنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ٹیوب ایک ہلکی سی آواز کے ساتھ پھٹا اور سرخ سیال کی بوچھاڑ اُس کے چہرے پر پڑی۔

"آغ.... غاہ....!" وہ کسی جانور کی طرح چیخ کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اُس کے دونوں ہاتھ آنکھوں پر تھے اور وہ بُری طرح تڑپ رہا تھا۔

"مار ڈالا.... سور.... کمینے.... کتے!" گالیاں اُس کے منہ سے ابلتی رہیں اور وہ تڑپتا رہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ بے حس و حرکت کھڑا تھا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ کریگ طرح چیختا اور تڑپتا رہا۔

ڈاکٹر ڈریڈ کی آنکھوں میں کچھ اس قسم کی چمک لہریں لے رہی تھی جیسے وہ اُس کا مرغوب ترین کھیل ہو۔ کریگ کی آواز مضمحل ہوتی گئی اور آخر کار اُس کی گردن جھٹکے کے ساتھ ایک طرف جا پڑی۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اُس کی دونوں آنکھیں بہہ گئی تھیں۔

"ڈریڈ کا انصاف۔" ڈاکٹر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑاتا ہوا فون کی طرف مڑ گیا۔

"ہیلو.... سام....!" وہ ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ "ہمیں یہ عمارت اسی وقت خالی کر دینی چاہئے۔ نمبر تین میں چلو۔ نیلا بیگ اگر نہ ملا تو سمجھو ساری محنت برباد ہو گئی۔ اب فنچ کو ہر قیمت پر مر جانا چاہئے۔ وہ اس قیام گاہ سے بھی واقف ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پولیس کی رہبری کے فرائض انجام دے ڈالے اور میں اُس وقت تک پولیس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا جب تک بیگم ارشاد والا مسئلہ نہ طے ہو جائے.... تمہیں ڈالی پسند ہے نا....؟"

"نن.... نہیں.... جج.... جناب....!" دوسری طرف سے ہکلاہٹ سنائی دی۔

"نہیں وہ تمہیں پسند ہے۔ وہ تمہیں بطور انعام دی جاتی ہے۔"

"اوہ.... ڈاکٹر.... میں کسطرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ مگر کریگ میرا دشمن ہو جائے گا۔"

"کریگ....!" وہ مڑ کر لاش کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ کریگ اب اس دنیا میں نہیں۔ نائین تھری کا ٹیوب ٹسٹ کرتے وقت اُس کی موت واقع ہو گئی۔ ٹیوب پھٹ گیا.... خیر.... ہاں تو.... نمبر تین میں شفٹ کرنے کی تیاری کرو۔"

"بہت.... بہت.... اچھا.... جناب!" دوسری طرف سے پھنسی پھنسی سی آواز آئی اور ڈاکٹر ڈریڈ نے ریسیور رکھ دیا۔



فریدی اور حمید نے اسپرنگ کاٹیج کی تلاشی لینی شروع کر دی تھی۔ لیکن یہ کام بہت احتیاط سے ہو رہا تھا۔ انہوں نے کمروں میں روشنی نہیں کی تھی بلکہ ٹارچوں کی مدھم سی روشنی میں دیکھ بھال کر رہے تھے۔

حمید کا دل اس کام میں ذرہ برابر بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اگر فریدی ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ بھاگ ہی نکلنے میں عافیت سمجھتا۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ ڈرپوک تھا۔ اُسے اُس کی پرواہ نہیں تھی کہ اندھیرے میں کسی کی گولی اُس کا مغز بھی پھاڑ سکتی ہے۔

وہ تو اکتایا ہوا تھا۔ یہ چیز اُس کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ اگر کوئی کام اُس کی مرضی یا توقع

...طابق نہیں ہوتا تھا تو اُس کی اکتاہٹ ہمیشہ بڑھ جایا کرتی تھی۔

وہ سمجھتا تھا کہ فنچ اس وقت پکڑ لیا جائے گا مگر اُس کی توقعات کے مطابق وہ حقیر کیڑا نہ پکڑا ...اس کے علاوہ چلتے چلاتے اُس کے چیلنج نے تو اُسے ذہنی طور پر بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ ایک ...ھے چار فٹ کا چرخ سا آدمی فریدی کو چیلنج کر کے نکل جائے۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کم از ...یدی کو تو گولی مار دے جس نے اس وقت عالمگیر شہرت کو بٹہ لگایا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ حمید ...یرو پرستی کے معاملے میں عام ذہنی سطح سے بلند نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں پسند کرتا تھا کہ اُس ...ی پسندیدہ ہیرو کی شخصیت میں کسی قسم کی جھول نظر آ سکے۔

وہ بے دلی کے ساتھ اِدھر اُدھر چلتا رہا۔ آخر فریدی ہی نے کہا۔ "تم بہت سست نظر آ رہے ہو؟"

"جی ہاں۔ اس وقت میں نے ایک انتہائی دلیر آدمی کی مٹی پلید ہوتے دیکھی ہے۔"

"اوڈ فر.... کیا تم مجھے ٹارزن یا ہنٹر والی کا بیٹا سمجھتے ہو؟" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آپ کیلئے یہ بڑی بات نہ ہو گی۔ لیکن میں.... میرا دل چاہ رہا ہے کہ خود کشی کر لوں۔"

"یہاں نہیں.... پہلے ہی سے پانچ لاشوں کے اٹھوانے کی فکر ہے۔" فریدی نے کہا اور اُس ...رچ کی باریک سی شعاع اندھیرے میں اِدھر اُدھر رینگتی رہی۔

اچانک حمید نے ٹارچ اُس کے ہاتھ سے گرتے دیکھی اور دروازے کی طرف جھپٹا۔

"روشنی.... حمید....!" اُس نے دروازے کے باہر چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

حمید ٹارچ اٹھانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ منہ کے بل نیچے چلا گیا۔ کسی نے اُس کی ٹانگوں میں پھنسا کر دھکا دیا تھا۔

"میں نے دیکھ لیا ہے فنچ ہے۔" فریدی نے کمرے کے باہر سے کہا۔ "تم کمرے سے نکل ...سکتے۔"

حمید بڑی پھرتی سے اٹھا۔ فنچ اُسی کمرے میں موجود تھا لیکن وہ ایک دیوار سے جا لگا۔ کیونکہ ...میں گھپ اندھیرا تھا۔ ٹارچ بھی اُس کے ہاتھ نہیں آ سکی تھی۔ اُس نے اپنی ٹارچ کے لئے ...میں ہاتھ ڈالا لیکن وہاں نہ ٹارچ تھی اور نہ ریوالور۔ شاید اُسی وقت دونوں اُس کی جیب سے ...گئے تھے جب وہ گرا تھا۔

"فنچ خود کو میرے حوالے کر دو۔" فریدی نے باہر سے کہا۔

"تم دروازے کے پاس سے ہٹ جاؤ دوست۔" حمید نے فنچ کی آواز سنی۔ "ورنہ تمہیں اپنے ...ی کی لاش بھی یہاں سے اٹھوانی پڑے گی تم لوگوں سے میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔"

حمید آہستہ آہستہ آواز کی طرف رینگنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ گرتے گرتے سنبھل گیا ہو۔

"فنچ میں گولی ماردوں گا.... ٹھہرو۔"

پھر دوڑنے کی آواز آئی اور حمید بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ عمارت کا عقبی دروازہ جو صحن کی ایک دیوار میں تھا کھلا ہوا ملا۔ حمید نے فریدی کو آوازیں دیں لیکن جواب ندارد۔ آخر وہ دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے کہ فریدی اُسی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ یہاں بھی اندھیرا تھا لیکن تاروں کی چھاؤں میں وہ کم از کم فریدی کو تو پہچان ہی سکتا تھا۔

"دیکھو.... برآمدے میں سوئچ بورڈ ہے.... روشنی کردو.... وہ کم بخت میری ٹانگوں کے نیچے سے نکل گیا۔"

حمید نے جلد ہی سوئچ بورڈ تلاش کرلیا اور صحن میں روشنی پھیل گئی۔ اُس نے فریدی کو جھک کر کچھ اٹھاتے دیکھا۔ وہ بھی اُسکے قریب پہنچ گیا۔ یہ نیلے رنگ کے چمڑے کا ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔

"وہ یہی لے جارہا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن دیوار پر چڑھتے وقت یہ اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ خدا کی قسم وہ بڑا پھرتیلا ہے۔ بندروں سے بھی تیز۔ پہلے اُس نے میرے ہاتھ پر پتھر مار کر ٹارچ گرادی تھی اور پھر اُسی کمرے سے یہ بیگ لے بھاگا۔ کیوں؟ اس بار تو موقع ہی موقع تھا لیکن تم نے اُسے پکڑا کیوں نہیں؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ اور فریدی نے ہنس کر کہا۔ "کیا پہلے بھی کبھی کوئی ایسا مجرم نظروں سے گذرا ہے۔ بخدا مجھے تو بعض اوقات اس کی ان حرکتوں پر پیار آتا ہے.... کتنا بے جگر ہے۔"

ننھا فتنہ

بیگم ارشاد نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے اور شب خوابی کا لباس پہن کر مسہری کیطرف بڑھی لیکن پھر اُسے رک جانا پڑا کیونکہ ایک گوشے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

"ہیلو....!" اُس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"کون ہے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"بیگم ارشاد....!"

"اچھا.... انور بول رہا ہوں بیگم ارشاد۔"

"کیا بات ہے؟" بیگم ارشاد نے غیر متوقع طور پر نرم لہجے میں پوچھا۔

"میں وہ دو ہزار روپے واپس کرنا چاہتا ہوں جو شاہینہ نے مجھے دیئے تھے۔"

"مجھے روپوں سے کوئی سروکار نہیں۔"

"ظاہر ہے کہ جب میں شاہینہ کے لئے کام نہیں کررہا ہوں....!"

"کیوں نہیں کررہے ہو؟" بیگم ارشاد نے بات کاٹ دی۔

"نہیں! میں نہیں چاہتا کہ اُن پر پاگل پن کے دورے پڑتے رہیں۔"

"تمہارا جو دل چاہے کرتے رہو۔ لیکن کوٹھی کیطرف رخ نہ کرنا اور شاہینہ سے بھی مت ملو۔"

"پھر میں کیا کرسکوں گا بیگم ارشاد۔ مجھے واقعات کا بھی تو علم نہیں ہے۔"

"میں تمہیں دس ہزار کا آفر دیتی ہوں۔ ایک آدمی کو تلاش کرنا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔"

"مگر پولیس کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔"

"کس بات کا علم؟"

"یہی کہ تم اُس آدمی کی تلاش میں ہو۔"

"ہوسکتا ہے بشرطیکہ اُس دس ہزار میں اُس کا قتل بھی شامل نہ ہو۔"

"نہیں یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جس کے لئے قتل ضروری ہو۔"

"اُس کی تلاش کیوں ضروری ہے؟"

"دس ہزار روپے کا آفر اس لئے نہیں ہے کہ تمہیں غرض و غایت بھی بتائی جائے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں غرض و غایت سے کوئی سروکار نہیں رکھوں گا۔ آپ اُس آدمی کے ونشان سے تو مطلع کیجئے۔"

"نام.... مجھے یاد نہیں لیکن اُس کے داہنے ہاتھ پر روپے کے برابر ایک گہرا سرخ نشان ہے۔ تم اُسے ارجن پورہ یا شہر کی دوسری بستیوں میں تلاش کرسکتے ہو۔"

"بس اتنا ہی.... یا اور کچھ؟"

"اُس کے متعلق بس اتنا ہی مجھے معلوم ہے۔"

"تب تو دس ہزار بہت کم ہیں۔ بیگم ارشاد مجھے کم از کم تیرہ لاکھ آدمیوں کی آستینیں الٹنی

پڑیں گے۔ دو آنے فی کس تو دیجئے تاکہ میں بھی انکم ٹیکس ادا کرنے کے قابل ہو سکوں۔"

"کیا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟" بیگم ارشاد بگڑ گئی۔

"نہیں بیگم صاحبہ۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ آپ بھی تو اتنی راتوں سے بھٹکتی پھر رہی ہیں پھر کیا اُس کا سراغ مل سکا؟"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یہ مشکل کام ہے لیکن میں دس ہزار سے زیادہ کے آفر کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"میں آپ کا یہ کام مفت بھی کر سکتا ہوں مگر ٹھہریئے کیوں نہ میں اُس بلیک میلر ہی کی گردن لوں۔"

"بلیک میلر....!" بیگم ارشاد نے حیرت سے دہرایا۔ "کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"نہیں.... لیکن اگر کوشش کروں تو یہ میرے لئے کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔"

"تم نے کرنل فریدی سے بھی ان باتوں کا تذکرہ کیا تھا؟"

"نہیں.... لیکن آپ کے خلاف ایک رپورٹ ضرور لکھوائی تھی۔"

"کرنل فریدی اُس کے لئے یہاں پوچھ گچھ کرنے آیا تھا۔ کیا تم نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ کوئی مجھے بلیک میل کر رہا ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ تو میرا کیس تھا۔ اس کا تذکرہ میں کیسے کر سکتا تھا۔ شاہینہ نے اُسی بلیک میلر کا پتہ لگانے کے لئے مجھے دو ہزار دیئے تھے۔ رپورٹ تو میں نے اس لئے لکھوائی تھی کہ آپ میرے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہ کر سکیں۔"

"خیر اس پر خاک ڈالو.... اب میں تم سے کہتی ہوں کہ اگر اُس بلیک میلر کا پتہ لگا سکو تو اس کے لئے تیس ہزار کا آفر ہے۔"

"آپ اُسے نہیں جانتیں؟"

"نہیں اب تک میں نے صرف اُس کی آواز سنی ہے۔"

"اور وہ لہجے سے کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا ہے۔"

"اوہ.... اُس کے متعلق تم مجھ سے کم نہیں جانتے۔" بیگم ارشاد نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "لیکن انور.... تم اُس وقت تک کوٹھی میں قدم نہیں رکھو گے جب تک کہ وہ بلیک میلر تمہارے ہاتھ نہ آجائے۔"

"وہ آپ سے کتنی رقم طلب کر رہا ہے؟"

"دو کروڑ....!"

"اسکی چوتھائی مجھے قارون بنا سکتی ہے۔ کاش میں بھی کسی معاملے میں آپکو بلیک میل کر سکتا۔"

"اُسی بلیک میلر سے مل جاؤ۔" بیگم ارشاد نے تلخ لہجے میں کہا۔

انور ہنسا اور پھر بولا۔ "لیکن دعوت والی رات آپ نے یقیناً اُسے دیکھا ہوگا؟"

"حالات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اُسے دیکھا ہوگا لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اُسے نہیں دیکھ سکی۔ اُس کا ایک خط مجھے ملا تھا اور اُسی کے ساتھ وہ سوئی بھی تھی۔ مجھے مجبوراً وہی کرنا پڑا جو کچھ خط میں تحریر تھا۔ اگر ایسا نہ کرتی تو اور نہ جانے کس بے عزتی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اُس وقت وہ تمہیں قتل کرنے کو بھی کہتا تو میں انکار نہ کر سکتی۔"

"شکریہ۔"

"تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو۔"

"لیکن یہ آپ نہ بتائیں گی کہ وہ کس سلسلے میں آپ کو بلیک میل کر رہا ہے؟"

"نہیں" بیگم ارشاد نے سخت لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔



یہ ایک بڑی عمارت تھی اور اس کے چاروں طرف مختلف پھلوں کے باغات تھے۔ عمارت قدیم طرز کا نمونہ تھی مگر پھر بھی تھی شاندار۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کا مکین مغربی ملک کا باشندہ ہوگا اور ڈاکٹر ڈریڈ کے متعلق بھی نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ پرانے طرز معاشرت کا دلدادہ ایک مشرقی آدمی نہیں ہے۔ اُس کے چہرے پر گھنی سیاہ ڈاڑھی تھی اور جسم پر لمبا لبادہ۔ کبھی کبھی وہ عقال اور ہندیل استعمال کرتا تھا اور اس بڑی عمارت کے زیر سایہ رہنے والے "چھوٹے" آدمی اُسے کوئی عرب سمجھتے تھے۔

اُس کے ساتھیوں کی وضع قطع بھی عربوں ہی کی سی تھی اور اس کی محبوبائیں پردے میں رہتی تھیں۔ یہ عمارت ایک جاگیردار سے کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ڈاکٹر کو یہ سب کچھ فنچ کی وجہ سے کرنا پڑا تھا۔ رہا پولیس کا معاملہ تو وہ دنیا بھر کی پولیس کو اپنا کھلونا سمجھتا تھا۔ حالانکہ فریدی کے ہاتھوں اُسے دوبار شکست ہو چکی تھی لیکن وہ اس سے اتنا زیادہ خائف نہیں تھا۔

وہ فنچ کو حقیر بھی سمجھتا تھا اور اُس سے خائف بھی تھا۔ اس وقت بھی اُسی کے متعلق خیالات

میں الجھا ہوا باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اگر اُسے فنچ کی موجودہ جائے رہائش کا علم ہوتا تو اُسے فنا کرا دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا۔ اور وہ اس کی طرف سے بھی مطمئن نہیں تھا کہ فنچ کو اس کی موجودہ جائے قیام کا علم نہ ہو گا۔

"سام....!" اُس نے اُس شخص کو مخاطب کیا جو اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

"ہاں ڈاکٹر....!"

"آخر فنچ کا مسئلہ کس طرح طے کیا جائے؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہم سب مل کر یا تو خود فنا ہو جائیں یا اُسے ف کر دیں۔"

"اوہ.... اب اتنی اہمیت نہ دو اس کیڑے کو۔ اُسکی مثال اُس کوے کی سی ہے جو کسی بھیڑیئے کے سامنے سے ہڈی اٹھا لے جائے۔ وہ بیگم ارشاد والا بزنس خراب کر دینے پر تل گیا ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر یہ بھی تو سوچئے کہ ابھی تک وہ ہمارے بہت ہی خاص قسم کے پندرہ آدمیوں موت کے گھاٹ اُتار چکا ہے۔"

"ہاں.... آں.... مجھے اس کا بھی قلق ہے۔" ڈاکٹر ڈریڈ نے لاپروائی سے کہا اور ہونٹو میں ایک سگریٹ دبا کر سلگانے لگا۔

"بیگم ارشاد کے لئے اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔" اُس نے ایک کش لے کر کہا۔ "اُس کی لڑکی کو پکڑ لیا جائے جسے وہ بے حد چاہتی ہے۔ ورنہ ایسی صورت میں جب کہ نیلا بیگ بھ ہاتھ سے جاتا رہا ہم اُس کا کیا بگاڑ سکیں گے۔"

"یہ فنچ شاید سچ مچ کوئی خبیث روح ہے۔" سام نے کہا۔ "ورنہ نیلے بیگ کو اڑا لے جانا کس آدمی کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔"

"چھوڑو....!" ڈریڈ برا سا منہ بنا کر بولا۔ "وہ کریگ کی غفلت سے ہوا تھا۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد ڈریڈ نے کہا۔ "مگر نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا....؟"

"یہی کہ اُس لڑکی کو اغواء کیا جائے۔ اس سے حالات پیچیدہ ہو جائیں گے۔ خیر دشواریو اور پیچیدگیوں کی تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مگر یہ فنچ....!"

ڈاکٹر ڈریڈ رک گیا۔ یہاں اس کنج میں وہ اکثر گھاس پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ جگہ چنبیلی کی جھاڑیو

مری ہوئی تھی اور یہاں ہر وقت اُنکے پھولوں کی بھینی بھینی مہک چکراتی رہتی تھی۔

ڈریڈ ایک درخت کے آدھے کٹے ہوئے تنے پر کہنیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی پیشانی پر تفکر کی وجہ سے ہلکی ہلکی سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔

سام دوسری طرف متوجہ تھا۔ دفعتاً ڈاکٹر اُس تنے سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا اور ٹھیک اُسی ایک فائر بھی ہوا۔ گولی ڈریڈ کے بائیں پہلو کے نیچے سے نکل گئی۔ وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تا زمین پر لڑھکتا ہوا اُس کے طرف بڑھ رہا تھا۔

ڈریڈ نے پیچھے ہٹتے ہوئے تنے پر دو تین فائر کئے لیکن ایک بھی گولی اُس پر نہ پڑ سکی۔ پتہ ڈریڈ کا نشانہ خطا کر رہا تھا یا اُس لڑھکتے ہوئے تنے کی حرکت کچھ اس انداز کی تھی کہ اُس پر اں نہ پڑ سکیں۔

"اوہ.... سام.... گدھے۔" ڈاکٹر ڈریڈ دانت پیس کر غرایا۔ "کھڑا کیا دیکھ رہا ہے۔ وہ اس کھلے تنے میں گھسا ہوا ہے۔"

دفعتاً فنچ اُس کے سامنے تھا۔ وہ اتنی ہی پھرتی سے اُس کھوکھلے تنے سے نکلا تھا جیسے کوئی چوہا سوراخ سے نکلے۔ اُس نے چھوٹتے ہی دو فائر ڈاکٹر ڈریڈ پر جھونک دیئے تھے۔ لیکن اُس کا نہ بھی غلط ہی رہا.... اور پھر دوسرا فائر ڈاکٹر ڈریڈ کو دوسری دنیا کی سیر کرا ہی دیتا لیکن اُسی وقت نے اُس پر چھلانگ لگائی اور اُس کا ہاتھ بہک گیا۔ کچھ بھی ہو وہ سام کی گرفت میں نہیں ۔ اُس کے نیچے سے نکلتے نکلتے اُس نے پھر ڈاکٹر ڈریڈ پر فائر کر دیا۔ ڈریڈ اپنا ریوالور خالی کر چکا بڑی مشکل سے وہ اس بار بچ سکا۔ اگر وہ خود کو زمین پر گرا نہ دیتا تو جسم کے کسی نہ کسی حصے پر ضرور لگی ہوتی۔ فنچ سمجھا شاید اس بار وہ کامیاب ہو گیا ہے لہٰذا اُس نے سام کو ریوالور کی زد پر ہوئے کہا۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

سام نے بڑی مایوسی سے ڈاکٹر ڈریڈ کی طرف دیکھا جو زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

فنچ نے بائیں ہاتھ سے چاقو نکال کر اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "ڈریڈ کی ناک کاٹ لو۔ میں یہ ناک اُس ننھی سی قبر پر رکھوں گا جو آج بھی اس کے لئے بے چین ہو گی۔"

سام چاقو اٹھانے کے لئے جھکا۔ پھر کانپتا ہوا ڈریڈ کے پاس آیا اور ڈریڈ اب بھی اُسی طرح حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

شاید فنچ بھی ڈریڈ کی ناک کٹنے کا دل کشا منظر ہی دیکھنے کے لئے آگے بڑھ آیا تھا۔ لیکن اسے اسی لمحے میں اُسے اپنی اس از خود رفتگی پر پچھتانا پڑا۔ ڈریڈ لیٹے ہی لیٹے اُس پر جھپٹ پڑا تھا۔

ریوالور اُس کی گرفت سے نکل گیا اور وہ خود ڈریڈ کے نیچے دب کر رہ گیا۔

"سام چاقو....!" ڈریڈ دہاڑا۔ "میں اسے بکرے کی طرح ذبح کروں گا۔"

لیکن پھر خود ہی کسی بھینسے کی طرح ڈکرا کر دوسری طرف الٹ گیا اور فنچ.... وہ ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھرتا ہوا چہار دیواری کی طرف جارہا تھا۔ سام اُس کے پیچھے دوڑا۔ لیکن وہ ابھی راستے ہی میں تھا کہ فنچ بندروں کی طرح دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔

سام کو رک جانا پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ اب فنچ کو پالینا مشکل ہی ہوگا کیونکہ چہار دیواری کے اُس طرف کروندوں کا جنگل تھا۔ یہ عمارت دراصل شہر سے دس میل دور ایک گاؤں میں واقع تھی۔

پھر وہ کنج میں واپس آیا۔ ڈاکٹر ڈریڈ گھاس پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس کا چہرہ کچھ اس طرح اُترا ہوا سا نظر آرہا تھا جیسے جسم کے کسی حصے میں ناقابل برداشت قسم کا درد ہو رہا ہو۔

"تم.... نمک حرام....!" وہ سام کی طرف انگلی اٹھا کر مضمحل آواز میں بولا۔ "میری ناک کاٹنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

"اوہ.... ڈاکٹر.... میں سمجھا تھا.... شاید.... آپ....!"

"مر گئے....!" ڈریڈ نے دہاڑنے کی کوشش کی لیکن پھر کراہ کر خاموش ہو گیا۔ اُس کی پلکیں جھکی جارہی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سانس لینے سے بھی جی چرا رہا ہو۔

"اب.... پھر....!" وہ ہاتھ اٹھاتا ہوا رک رک کر بولا۔ "یہاں سے بھی بھاگنے.... کی.... کوشش.... کرو.... جلدی.... مجھے.... اندر.... لے چلو۔"

وہ زمین پر چت لیٹ کر کراہنے لگا اور سام بوکھلا کر عمارت کی طرف بھاگا۔



بیگم ارشاد نے انور کو ہدایت تو کردی تھی کہ وہ اُس کوٹھی سے دور ہی دور رہے لیکن انور کی دانست میں یہ ایک لغو بات تھی۔ کوٹھی سے دور رہ کر وہ اس بلیک میلر پر ہاتھ ڈال ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ اس سلسلے میں احتیاط ضرور برت رہا تھا۔ اس بار اُس نے میک اپ بھی ایسا ہی کیا تھا جس کے بارے میں اُس کا خیال تھا کہ چالاک سے چالاک آدمی بھی اُسے نہیں پہچان سکے گا۔

اور وہ مستقل طور پر کوٹھی ہی میں رہ پڑا تھا۔ بات دراصل یہ تھی کہ بیگم ارشاد کو شکار کے گوشت کا شوق تھا اور انہیں دنوں اُن کے یہاں کا شکاری بیمار پڑ گیا تھا۔ اس طرح انور کو اس کی لاعلمی میں وہاں قدم جمانے کا موقع مل گیا۔

جیسے ہی دونوں ڈنکی ٹیل کمپاؤنڈ میں قدم رکھتے وہ ہوشیار ہو جاتا۔ اس دوران میں اُس نے محسوس کیا تھا کہ بوڑھا ڈنکی ٹیل بیگم ارشاد سے فلرٹ کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے۔

اس وقت بھی نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ کے ساتھ لان پر ٹہل رہا تھا.... اور انور ایک ایسی جگہ چھپ گیا تھا جہاں سے دونوں کی گفتگو سن سکتا تھا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل شاہینہ سے کہہ رہا تھا۔ "میرے ڈیڈی بالکل ڈفر ہیں۔ انہیں آج تک یہی نہیں معلوم ہو سکا کہ کسی عورت سے کس طرح گفتگو کرنی چاہئے۔"

"تم انہیں سکھاتے نہیں۔" شاہینہ مسکرائی۔

"ارے توبہ۔" وہ اپنا کان پکڑ کر بولا۔ "اُس وقت تک نہیں سکھا سکتا جب تک کہ وہ اپنی مونچھیں نہ صاف کردیں۔ ایک مونچھ کے بال میری ناک میں گھس گئے تھے اور چھینکتے چھینکتے میرا بُرا حال ہو گیا.... ڈیڈی ازائے پرفکٹ ڈفر.... یو سی۔"

شاہینہ نے بُرا سا منہ بنایا مگر کچھ بولی نہیں۔

"ایک بار وہ اپنی ایک دوست کی بڑی بہن سے کہنے لگے۔" ڈنکی ٹیل نے کہا اور ہنسنے لگا۔ پھر بدقت تمام ہنسی پر قابو پانے کے بعد بولا۔ "انہیں اپنی اُس دوست سے کچھ کچھ محبت ہو چلی تھی لیکن آپ ایک دن.... اُس کی بڑی بہن....!"

"میں اُس کی بڑی بہن کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔" شاہینہ جھلا گئی۔

"چلئے تو میں اسی کے متعلق بتاؤں گا۔ وہ بھی بڑا دلچسپ قصہ ہے۔"

شاہینہ کی جھلاہٹ اور بڑھی اور اُس نے چنچناتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے ساتھ ضرور ٹہلیں؟"

"اوہ.... آپ خفا ہوتی ہیں۔" وہ دردناک آواز میں بولا۔ "آپ کو کیا معلوم....!"

وہ اپنے سینے پر اس انداز میں ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گیا جیسے خون کی قے ہونے والی ہو۔

"آپ ہوش میں ہیں یا نہیں....؟"

"کاش میں ہوش میں ہوتا۔ جب سے آپ کو دیکھا ہے دوپہر کا کھانا رات کو کھاتا ہوں اور رات کا کھانا دوسرے دن دوپہر کو۔ اکثر دن میں دوبار شیو کر ڈالتا ہوں لیکن جب ہوش آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ میں ڈیڈی کا شیو کر رہا تھا اور ڈیڈی مسکرا کر میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

"ڈنکی ٹیل.... تم اپنی بکواس بند کرو۔ ورنہ مجھے کسی نوکر کو بلانا پڑے گا۔"

"یقیناً بلائیے.... بشرطیکہ وہ مجھ سے زیادہ اچھا ہو۔"

شاہینہ جو آپے سے باہر ہو رہی تھی ہاتھ چھوڑ بیٹھی.... چٹاخ کی آواز اتنی ہلکی بھی نہیں تھی کہ دور دور تک نہ پھیلتی۔ لیکن ڈنکی ٹیل نے نہ تو گال سہلایا اور نہ اس کے چہرے ہی سے یہ ظاہر ہوا کہ اُس نے ابھی ایک عدد زوردار تھپڑ ریسیور کیا ہے۔

"اُس نے کہا تھا۔" وہ آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو تم دوسرا بھی پیش کر دو۔"

سچ مچ شاہینہ نے دوسرے گال پر بھی تھپڑ رسید کر دیا اور ڈنکی ٹیل نے جیب سے رومال نکالتے ہوئے کہا۔ "لائیے.... میں آپ کا ہاتھ صاف کر دوں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے گال گندے رہے ہوں۔"

شاہینہ لاپروائی سے دوسری طرف مڑ گئی۔ وہ کافی تیز رفتاری سے عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ انور نے ڈنکی ٹیل کے ہونٹوں پر ایک بڑی سفاک سی مسکراہٹ دیکھی۔

بھیانک رات

میری سنگلٹن کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ نہ وہ اب سنگار کرتی اور نہ گھٹنوں تک کے اسکرٹ پہنتی بلکہ ایسے ہی لباس میں رہتی جس سے پورا جسم ڈھکا رہے۔ وہ ساڑھی زیادہ پسند کرتی تھی۔ اب اُس کے ہونٹوں پر نہ لپ اسٹک کی گہری تہہ نظر آتی اور نہ گالوں پر روژ کی سرخی لیکن وہ اس کے باوجود بھی دلکش نظر آتی تھی۔ پہلے کی میری اور اب کی میری میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اب تک پاکیزگی ہی کی زندگی بسر کرتی رہی ہو۔

حمید کے لئے میری سنگلٹن کی یہ حیرت انگیز تبدیلی عجیب تھی۔ وہ اُس کی اس کایا پلٹ کو دیکھتا اور عش عش کرتا۔ اول تو وہ اپنا زیادہ تر وقت بائیبل پڑھنے میں صرف کرتی تھی اور اگر کبھی حمید کو اُس سے گفتگو کرنے کا موقع بھی ملتا تو ولیوں اور پاکباز بزرگوں کے قصے چھیڑ جاتے۔

آج حمید بڑی مشکل سے اُسے ڈھب پر لایا تھا اور وہ دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ مگر کسی معصوم بچی کی طرح اس میں نہ بناوٹ تھی اور نہ ترغیب کی جھلکیاں۔ حمید کہہ رہا تھا۔ "میں آج بہت اُداس ہوں اور تم قہقہے لگا رہی ہو۔"

"کیوں تم اداس کیوں ہو؟"

"کیونکہ میں تمہاری طرح نیک نہیں بن سکتا۔"

"تم میں کون سی بُرائی ہے۔" میری سنگلٹن نے حیرت سے کہا۔ "نہ تم چور ہو، نہ ڈاکو، نہ شرابی.... نہ زانی۔"

"مگر میرا بکرا تو مجھے اچھا نہیں سمجھتا۔"

میری ہنسنے لگی اور پھر سنجیدگی سے بولی۔ "نہیں تم دونوں فرشتے ہو۔ اپنی زندگی میں مجھے پہلے دو آدمی ملے ہیں جنہوں نے میری مرضی کے خلاف مجھے استعمال نہیں کیا۔ ویسے بھی یہاں میں نے عام طور پر محسوس کیا ہے کہ مشرق ابھی اخلاقی طور پر اتنا نہیں گرا جتنا مغرب گر چکا ہے۔"

"شکریہ....!" حمید بھی اس موضوع پر سنجیدہ ہو گیا کیونکہ یہ مشرق کے وقار کا سوال تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم ہم جیسے فراڈ آدمیوں کے جال میں پھنسنے والی ہو۔" حمید نے پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں....؟" میری چونک کر اُسے گھورنے لگی۔

"ارے یہ فراڈ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم نے تمہیں اس طرح پناہ دی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمہاری مدد سے ڈریڈ تک پہنچ سکیں۔"

"میری مدد سے؟" اُس نے حیرت سے کہا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ "شاید آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہاں ڈریڈ کی تقریباً تین درجن پناہ گاہیں ہیں۔ مجھے صرف نو جگہوں کا علم ہے لیکن فریدی ایسی پچیس عمارتوں سے واقف ہیں جہاں ڈریڈ پناہ لے سکتا ہے۔ پھر میں ان کی کیا مدد کر سکوں گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جگہوں سے واقف ہیں؟"

"انہوں نے خود ہی مجھے بتایا تھا۔"

حمید کے لئے یہ اطلاع بالکل نئی تھی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ فریدی ڈریڈ کی مختلف پناہ گاہوں کا علم بھی رکھتا ہے۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تم اُس زرد پوش آدمی کے متعلق کیا جانتی ہو جس کی دیکھ بھال تمہارے سپرد تھی۔"

"بس اُس کی دیکھ بھال ہی کرتی تھی۔ اُس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ویسے میرا خیال ہے کہ وہ کوئی صحیح الدماغ آدمی نہیں ہے۔"

"ڈریڈ کے ساتھیوں میں اُس کی کیا حیثیت ہے؟"

"میں یہ بھی نہ بتا سکوں گی۔ وہ پاگل ضرور ہے مگر عورتوں کے لئے ہر وقت اُس کی رال ٹپکتی رہتی ہے۔"

"ڈریڈ سے اُس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔ ویسے اکثر میں نے دیکھا ہے کہ اُس نے ڈریڈ کے منہ پر بھی اُسے گالیاں دی ہیں اور وہ خلاف توقع سن سن کر ہنستا رہا ہے۔"

"تم نے کہا تھا کہ تمہیں فنچ سے ہمدردی ہے۔"

"بلاشبہ مجھے اُس سے ہمدردی ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ کئی آدمیوں کا قاتل بھی ہے؟"

"ہوگا....!" میری نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔ "پہلے وہ قاتل نہیں تھا۔ پہلے وہ ایک ایمان دار آدمی کی طرح محنت سے اپنی روزی کماتا تھا۔ پھر ڈریڈ سے بدلہ لینے کی دھن میں غلط راستوں پر نکل گیا اور اب وہ ڈریڈ ہی کی طرح ایک بُرا آدمی ہے۔ وہ بے دریغ دوسروں کے مال پر ہاتھ ڈال دیتا ہے۔ بے دریغ لوگوں کو قتل کرتا ہے مگر اُسے نہ بھولو کہ پہلے وہ ایک بے ضرر اور ایمان دار آدمی تھا۔ اُسے اس راہ پر ڈالنے والا ڈریڈ ہی ہے۔ لہٰذا ڈریڈ کے مقابلے میں مجھے اس سے ہمدردی ہی ہونی چاہئے کیا تم اس کے لئے ہمدردی نہیں محسوس کرتے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارا کام تو مجرموں کو قانون کے حوالے کرنا ہے۔ خواہ اُن کے مجرم بن جانے کی وجہ کچھ ہو۔"

کچھ دیر خاموش رہی پھر حمید بولا۔ "کیا ڈاکٹر ڈریڈ یہاں کی کسی مال دار عورت کو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"ہاں.... لیکن میں نہیں جانتی کہ وہ عورت کون ہے۔ البتہ یہ جانتی ہوں کہ اُس عورت سے اُس کا مطالبہ دو کروڑ کا ہے۔"

"میں رمبا ناچنا چاہتا ہوں۔!" حمید اس گفتگو سے اکتا کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے کیپٹن! میں عہد کر چکی ہوں کہ بقیہ زندگی کنواریوں کیطرح بسر کروں گی۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چار نوکر لکڑی کا ایک بہت بڑا صندق اٹھائے اندر داخل ہوئے اور اُسے اسٹور روم کی طرف لے جانے لگے۔ دفعتاً وہ صندوق ایک ستون سے ٹکرایا اور تھوڑی سی جگہ کا پلاسٹر اکھڑ گیا۔

"اوہ ہو....!" حمید دہاڑا۔ "دیکھتے نہیں۔ کہیں یہ اُدھڑا ہوا پلاسٹر تمہاری کھالیں اُدھڑنے

سبب نہ بن جائے مگر یہ صندوق کیسا ہے؟"

"صاحب نے بھجوایا ہے۔" ایک نوکر نے جواب دیا۔

حمید پھر میری کیطرف متوجہ ہو گیا۔ "تم دیکھ رہی ہو۔ ستون کا تھوڑا سا پلاسٹر اُتر گیا ہے۔ نل صاحب ابھی تشریف لا رہے ہوں گے۔ سب سے پہلے اسی ستون پر نظر پڑیگی۔ ایک ایک ئے پر نظر رہتی ہے اُس شخص کی۔ بھلا ایسے شخص کے ساتھ کون شادی کرنا پسند کرے گی؟"

"اتنا ہوش مند ہونا تو بڑی اچھی بات ہے۔"

"ہاں تم کہہ سکتی ہو کیونکہ تم بقیہ زندگی کنواریوں کی طرح بسر کرو گی۔"

وہ کچھ نہ بولی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بائبل کے ورق الٹ رہی تھی اور حمید بُرا سا منہ بنائے ئے اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

ٹھیک چھ بجے فریدی وہاں آیا۔ وہ سیدھا اُسی طرف چلا آیا تھا۔ لیکن اُس نے آتے ہی وہی کیا کی پیشین گوئی حمید کچھ دیر پہلے کر چکا تھا۔ وہ ستون کے ادھڑے ہوئے پلاسٹر کو دیکھتا رہا پھر بولا۔

"یہ پلاسٹر کیسے اُدھڑ گیا....؟"

"صندوق سے پوچھئے۔" حمید نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "لیکن صندوق یہی جواب دے گا نوکر جانیں۔ نوکروں سے ہرگز کچھ نہ پوچھئے گا ورنہ وہ سوچیں گے اتنا بڑا آدمی ہو کر اتنی سی ت کے لئے جواب طلب کرتا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ تم کسی صندوق کا تذکرہ کر رہے ہو؟"

"وہی جو آپ نے بھجوایا تھا۔ اب یہی جملہ لاطینی میں دہراؤں؟"

"میں نے کوئی صندوق نہیں بھجوایا تھا۔"

"کیا....؟" حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر بولا۔ "وہ اسٹور روم میں موجود ہے۔"

فریدی اُسی حصے کی طرف جھپٹا جہاں اسٹور روم تھا۔ حمید بھی تقریباً دوڑتا ہوا اُس کے اتھ چل رہا تھا۔

فریدی اسٹور روم میں گھس پڑا اور حمید نے ایک صندوق کی طرف اشارہ کیا۔

یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا اور اُس کی اونچائی تقریباً ڈھائی فٹ تھی اور لمبائی چار فٹ، چوڑائی بھی ں فٹ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

فریدی نے اُس کا ڈھکن اٹھا دیا لیکن صندوق خالی تھا۔

"اوہو....!" حمید کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ شاید اتنا وزنی تھا کہ اسے چار آدمی اٹھا کر

اندر لائے تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سارے دروازے بند کرادو۔ نصیر سے کہو کہ وہ تین آدمیوں کو رائفلوں سمیت عقبی پارک میں لے جائے اور ادھر تو کتے چھوٹے ہی ہوئے ہیں۔"

"یعنی کوئی آدمی اس صندوق میں یہاں آیا ہے۔"

"جلدی کرو۔"

لیکن پھر فوراً ہی کسی خیال کے تحت اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے رکنے کا اشارہ کیا۔ اُس کی نظر ایک گوشے کی طرف تھی جہاں لکڑی کے پرانے صندوقوں کے ڈھیر تھے۔ اُس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور خود آہستہ آہستہ اُس گوشے کی طرف بڑھا اور پھر اچانک حمید نے صندوق ایک دوسرے پر گرتے دیکھے۔ فریدی نے کسی کی ٹانگ پکڑ رکھی تھی۔ حمید بوکھلا کر آگے بڑھا۔

فریدی نے جھٹکا مارا لیکن اُس آدمی نے کسی سانپ کی طرح زمین پکڑلی تھی اور پھر جب وہ پلٹا تو کسی ایسے سانپ ہی کی طرح پلٹا جس کی دم پکڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔

حمید کے حلق سے ایک تحیر آمیز سی چیخ نکلی.... یہ فنچ تھا.... اور فریدی کے بازوؤں میں لٹکا ہوا کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اُس کی گردن اُس کے ہاتھوں میں آجائے۔

"پٹخ دیجئے.... سالے کی ہڈیاں چور ہوجائیں۔" حمید دہاڑا لیکن فریدی اس مشورے پر عمل نہ کرسکا۔ پتہ نہیں فنچ نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا تھا یا خود اُس نے ہی ایسا کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ فنچ تھوڑی دیر تک تو جدوجہد کرتا رہا مگر پھر اُس نے ہاتھ پیر ڈال دیئے۔

دوسرے ہی لمحے میں فریدی داہنے ہاتھ سے اُس کی گردن پکڑے کسی مردہ چھپکلی کی طرح لٹکائے ہوئے تھا.... اور اسی طرح وہ برآمدے تک چلا آیا۔ فنچ کی آنکھیں بند تھیں اور اُس کی سانسیں بھی رک گئی تھیں۔

جیسے ہی میری سنگلٹن کی نظر اُس پر پڑی وہ چیخ مار کر کھڑی ہوگئی۔ "یہ.... یہ.... فنچ....!"

"ہاں.... میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" فریدی مسکرایا۔

"یہ.... یہ شاید.... مر گیا۔" میری قریب آکر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتی ہوئی بولی۔

"ہاں.... شاید....!" فریدی نے اُس کو اُسی طرح لٹکائے ہوئے نیچے سے اوپر تک دیکھ کر کہا۔ پھر حمید سے بولا۔ "یہ اُسی نیلے بیگ کے چکر میں آیا تھا۔"

"میں اس کے لئے رنجیدہ ہوں۔" میری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس کی وہ خواہش پوری نہ ہوسکی جس کے لئے اس نے اس زندگی میں قدم رکھا تھا۔"

"مجھے بھی افسوس ہے۔" فریدی اُسے فرش پر ڈالتا ہوا بولا۔

فنچ کی لاش حمید کو عجیب سی لگ رہی تھی اور اُس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُسے وہی فنچ تسلیم کرلے جس نے ایک رات اُن دونوں کو چیلنج کیا تھا۔ وہ تو اُسے بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی فٹ پاتھ پر کوئی مفلوج فقیر سردی سے اکڑ کر مر گیا ہو۔

"اس کے کارنامے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے۔" فریدی میری سے کہہ رہا تھا۔ "آج تک ایسا دلیر اور بے باک مجرم میری نظروں سے نہیں گذرا۔ مگر اس کی اس جہالت پر اسکے کارنامے ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی ننھا سا بچہ مصنوعی مونچھیں لگا کر بوڑھا بننے کی کوشش کرے۔"

پھر نہ جانے کیوں حمید بھی اُس کے لئے رنجیدہ ہوگیا۔ نوکر صحن میں کھڑے پلکیں جھپکا رہے تھے اور پورے گھر پر کچھ ماتمی سی فضا طاری ہوگئی تھی۔

لیکن یک بیک سب کی آنکھوں میں بجلی کوند گئی۔ کیونکہ فنچ اچانک اچھل کر راہداری کے دروازے کے قریب جا گرا تھا۔ پھر اُس نے راہداری میں چھلانگ لگائی۔

"لینا....!" حمید دہاڑ کر خود بھی جھپٹا۔ فریدی بھی دوڑ پڑا تھا۔

پھر جیسے ہی فنچ پورچ سے نکل کر عقبی پارک کی طرف بھاگا آٹھ دس خونخوار قسم کے کتے اُس پر جھپٹ پڑے لیکن فنچ کی تیز رفتاری کی داد دینی پڑے گی کیونکہ وہ انہیں کافی پیچھے چھوڑ گیا تھا۔

مگر... پھر وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرا اور کتوں نے اُسے جا لیا۔ فریدی وغیرہ دور کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن حمید نے محسوس کیا کہ فریدی کچھ مضطرب سا نظر آنے لگا ہے۔ ویسے بھی جب فنچ اسطرح دھوکا دے کر نکل بھاگا تھا تو اُس نے بڑے بے اختیار انداز میں قہقہہ لگایا تھا۔

اور یک بیک پھر اُس نے فریدی کو ہنستے دیکھا کیونکہ دوسری طرف فنچ نے کتوں سے باقاعدہ جنگ شروع کردی تھی۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بڑا سا چاقو تھا اور دوسرے ہاتھ میں کوٹ جو اُس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اپنے جسم سے اتارا تھا۔

اب تک کئی کتے بُری طرح زخمی ہوچکے تھے۔

"اگر.... یہ بچ کر نکل جائے تو مجھے ان قیمتی کتوں کے مرنے کا ذرہ برابر بھی افسوس نہ ہوگا۔" فریدی نے مضطربانہ انداز میں کہا اور پھر حمید کی طرف مڑا جو ریوالور نکال چکا تھا۔

"خبردار....!" وہ اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ "تمہیں اسے اس طرح ہلاک کرتے ہوئے شرم نہیں آئے گی۔"

"آپ ان کتوں کو آواز دے کر ہٹاتے کیوں نہیں؟" میری نے روہانسی آواز سے کہا۔

"یہ اس وقت میری نہیں سنیں گے کیونکہ قریب قریب سبھی زخمی ہو چکے ہیں۔"

"میں اسے بچاؤں گی۔" میری مجنونانہ انداز میں آگے بڑھی لیکن فریدی نے اُس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "پاگل نہ بنو تمہاری بوٹیاں بھی ہمیں نہ ملیں گی۔"

"مجھے چھوڑ دو..... مجھے چھوڑ دو۔" وہ پاگلوں کی طرح چیختی رہی۔ شاید سچ مچ اُس کا دماغ الٹ گیا تھا۔ وہ بالکل ہسٹیرائی قسم کا کوئی دورہ معلوم ہو رہا تھا۔ وہ چیختی رہی۔ "فنچ..... فنچ..... میرے بچے..... میرے بیٹے..... میں آ رہی ہوں۔ میرے بیٹے..... میرے بیٹے۔"

اور پھر وہ بے ہوش ہو کر بازو پر جھول گئی۔

دوسری طرف فنچ اُسی جوش وخروش کے ساتھ کتوں سے لڑ رہا تھا۔ تین کتے بالکل ہی بیکار ہو کر چیختے ہوئے زمین پر گھسٹ رہے تھے۔ فریدی نے بے ہوش لڑکی کو وہیں گھاس پر ڈال دیا۔ وہ اُس لڑائی میں اس طرح محو ہو گیا تھا جیسے کوئی بچہ کسی بازی گر کے کمالات دیکھ رہا ہو۔

صرف فریدی ہی کی یہ کیفیت نہیں تھی بلکہ جتنے بھی وہاں کھڑے تھے سب کا یہی حال تھا۔

اب کتے سست پڑنے لگے تھے۔ دفعتاً ایک بار فنچ نے ایک لمبی دوڑ لگائی اور کتوں کو جھکائی دے کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔

"میرے خدا.....!" فریدی نے ایک طویل سانس لی۔ "بلیوں اور بندروں سے بھی زیادہ پھرتیلا۔"

اور پھر انہوں نے دیکھا کہ فنچ بندروں کی طرح ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتا ہوا چہار دیواری کی طرف نکلا جا رہا ہے۔ نیچے کتے اُس کے کوٹ کی دھجیاں اڑا رہے تھے اور تین کتے اُن درختوں کے نیچے اچھلتے پھر رہے تھے جن پر فنچ چھلانگ لگاتا تھا۔

ذرا ہی سی دیر میں فنچ دیوار پر نظر آیا اور اُس نے سیدھے کھڑے ہو کر اس طرح اپنا ہاتھ ہلایا جیسے "ٹاٹا" کہہ رہا ہو..... پھر وہ دوسری طرف کود گیا۔

فریدی کی محویت ختم ہو گئی اور اُس نے ہنس کر کہا۔ "تم نے دیکھا؟"

اور پھر وہ اُن کتوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "میری کو اندر لے جاؤ۔ ڈاکٹر کو فون کرو۔"



رات تاریک تھی۔ انور ارشاد منزل کے نوکروں کے کوارٹروں کے قریب ٹہل رہا تھا۔ ڈنکی

ں کی نگرانی کرتے ہوئے اُسے چوتھا دن تھا۔ وہ روزانہ بلاناغہ یہاں آتے تھے لیکن اُن کی آمد کا ن مقرر نہیں تھا۔ وہ کسی وقت بھی آ سکتے تھے لیکن انور نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ بیگم ارشاد نے بغیر انہیں واپس کر دیا ہو۔ البتہ شاہینہ اُن سے کتراتی تھی۔ اُنہیں دیکھتے ہی اُس کے ہونٹ ت سے سکڑ جاتے۔

ایک بار انور نے فون پر بیگم ارشاد سے ڈنکی ٹیلس کے متعلق پوچھا۔

اُس نے جواب دیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔ ویسے سوال یہ ہ کہ آخر یہ روزانہ کیوں آتے ہیں جب کہ بزنس کی بات بھی طے ہو چکی ہے۔ پہلے تو بہت ری میں تھے۔ انہیں عجلت میں انگلینڈ واپس جانا تھا۔ اسی لئے انہوں نے تجارتی معاہدوں کی یل میں جلدی کی تھی۔ مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہیں رہ پڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"ان کا قیام کہاں ہے؟"

"نیاگرا ہوٹل میں.....!"

"ٹھیک.....!" انور نے کہا تھا۔ "میں نے انہیں وہاں چیک کرنے کی کوشش کی ہے کئی ..... لیکن وہ وہاں نہیں ملے۔ یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے کمرے ضرور لے رکھے ہیں مگر شاذ و دری وہاں جاتے ہیں۔ وہاں رات تو انہوں نے ایک بار بھی نہیں بسر کی۔"

"انور.....!" بیگم ارشاد نے بڑے جوش سے کہا تھا۔ "تم سچ مچ کام کر رہے ہو مگر اُس بلیک لے کے ساتھ ہی ساتھ وہ آدمی بھی ضروری ہے جس کے بازو پر سرخ نشان ہے۔ چالیس ہزار ہارے ہیں اور تم یہ سمجھو کہ وہ تمہارے ہی پاس ہیں۔ اخراجات کی رقم الگ۔ اُس سے کوئی ل نہیں۔"

"کہاں دو کروڑ..... کہاں صرف چالیس ہزار.....!"

"وہ مجھ سے دو پیسے بھی نہیں لے سکتا۔ خواہ میں فنا ہو جاؤں۔"

اس کے بعد گفتگو ختم ہو گئی تھی اور انور ابھی تک اُن لوگوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ ں معلوم کر سکا تھا جو کچھ بیگم ارشاد کو بتایا تھا لیکن اُس کی تگ و دو جاری ہی رہی۔

آج شام ہی اُسے شبہ تھا کہ آج یہاں کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ کیونکہ اُس نے کئی خاص کیں نوٹ کی تھیں۔ نوکروں کے کوارٹروں کے پیچھے اُسے جھاڑیوں میں ربر کا ایک لمبا سا پائپ ڑا ملا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ وہ عرصہ سے وہیں پڑا رہا ہوگا۔ لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ل نیا تھا اور کم از کم ابھی تک دھوپ یا پانی سے محفوظ رہا ہے۔ دوسری طرف اس عمارت کی

پشت پر ایک جگہ جھاڑیوں میں اُسے کچھ ایسے اوزار پڑے ملے جن کی مدد سے دروازے اور قفل بہ آسانی کھولے جاسکتے تھے۔ انور نے انہیں بھی جوں کا توں پڑا رہنے دیا۔ لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ کیا کرنل فریدی کو اس کی اطلاع دے۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ایسی صورت میں وہ اُن چالیس ہزار سے محروم ہو جائے گا جو کچھ ہی دنوں کے لئے سہی اُس کی زندگی شاندار ضرور بنا دیتے۔ مگر وہ تنہا کہیں کھیل ہی نہ بگاڑ دے۔

وہ کافی دیر تک اسی ادھیڑ پن میں رہا اور پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کی اطلاع کرنل فریدی کو نہیں دے گا۔ وہ پہلے بھی کئی معرکے تنہا ہی سر کر چکا تھا۔ اُسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ حالات صرف دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ یا کام بن جائے گا یا بگڑ جائے گا بن جانے کی صورت میں اُس کے چالیس ہزار کھرے ہو جائیں گے اور اگر کام بگڑ گیا تب بھی اُس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ بیگم ارشاد اُسے مظلوم نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آخر وہ اُس آدمی کے وجود کو پولیس سے کیوں چھپانا چاہتی ہے جس کی تلاش میں ہے۔ وہ آدمی اُس کے لئے یقیناً بڑی اہمیت رکھتا ہے ورنہ وہ اُس کے لئے چالیس ہزار کیوں خرچ کرتی اور وہ اُسے قانون کی نظروں میں بھی نہیں لانا چاہتی۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بلیک میلر سے بھی زیادہ پولیس سے خائف ہے۔ پھر ایسی صورت میں اگر وہ گڑھے میں جاگرتی ہے تو اُسے اُس سے ہمدردی کیوں ہو۔ وہ اپنی کسی غیر قانونی حرکت کی سزا ضرور بھگتے گی۔

بہر حال یہ انور کا فیصلہ تھا کہ وہ کسی کو بھی ان حالات کی اطلاع نہیں دے گا۔ رات ہوتے ہی وہ بہت زیادہ محتاط ہو گیا۔ اُس کا قیام بھی نوکروں کے کوارٹروں ہی میں سے ایک میں تھا۔ تقریباً گیارہ بجے جب سب ملازمین اپنے کوارٹروں میں پہنچ گئے تو انور آہستہ سے رینگتا ہوا اپنے کوارٹر سے باہر نکل آیا۔ یہاں گہرا اندھیرا تھا۔ کمپاؤنڈ کا یہ حصہ عموماً تاریک ہی رہا کرتا تھا۔ وہ کوارٹروں کے عقب میں آیا۔ زمین پر پڑے ہی پڑے ربر کے اُس پائپ کو ٹٹولنے لگا جسے سر شام ہی وہاں دیکھ چکا تھا لیکن اب اُس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اُسی طرح آگے بڑھنے لگا لیکن کچھ دور چلنے کے باوجود اُس پائپ کا سراغ نہ ملا اور انور نے مزید آگے بڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ وہ اس اندھیرے میں زہریلے کیڑوں کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔

لیکن وہ مڑ ہی رہا تھا کہ اُسے عجیب قسم کی بو محسوس ہوئی۔ کچھ میٹھی میٹھی سی دماغ پراگندہ کر دینے والی بو۔ وہ اپنی ناک دبا کر بڑی تیزی سے مڑا اور اُس وقت تک نہیں رکا جب تک کہ اُس کا دم نہیں گھٹنے لگا۔ اب اُس پائپ کا مقصد اچھی طرح واضح ہو گیا تھا۔ اُس پائپ کے ذریعہ کوارٹروں

ں مہلک گیس پہنچائی جارہی تھی تاکہ ملازمین بے ہوش ہو جائیں.... تو یقیناً یہ رات ہنگامہ ثابت ہونے والی تھی۔

انور کوارٹروں سے بہت دور نکل آیا تھا۔ اُس نے مالتی کی جھاڑیوں کے قریب سیدھے ے ہو کر دو تین گہرے گہرے سانس لئے۔ یہاں کی فضا میں گیس کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ بڑی تیزی سے اصل عمارت کی پشت پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن یہاں بھی وہ دیر ے پہنچا۔ وہ پُر اسرار لوگ اپنا کام کر چکے تھے۔ اُسے عقبی دروازہ کھلا ہوا ملا۔ انور پھر رک گیا۔ وہ چ رہا تھا کہ اندر جائے یا نہ جائے۔ کیا اُسے اندر داخل ہونے کیلئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ہئے۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا پھر سر ہلا کر اُسی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک طویل ہداری تھی اور بالکل تاریک۔ شاید انور اُس رات بھی اس راہداری میں نکل آیا تھا۔ جب نوجوان لی ٹیل نے اُس سے سانپ والا مذاق کیا تھا۔ انور بے آواز چلتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ پھر ایک جگہ ے رکنا پڑا۔ کیونکہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی روشنی راہداری میں بھی پھیل گئی تھی۔ ں نے آہٹ لی اور جلد ہی اُسے معلوم ہو گیا کہ کمرے کے اندر کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ دوسرے ہی لحے میں کمرے کے اندر تھا۔ یہاں بلب روشن تھا اور کمرہ بالکل خالی تھا۔ البتہ ایک چیز نے فوراً ہی ر کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی۔ یہ ٹیلی فون تھا اور اس کا ریسیور کریڈل میں ہونے کی بجائے ز پر پڑا ہوا تھا اور میز کے نیچے ایک سلیپر نظر آیا۔ زنانہ سلیپر جس کا استر نہایت نفیس قسم کے ل کا تھا۔ انور نے دوسرے سلیپر کیلئے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن وہ نہ مل سکا۔ تو گویا یہاں کوئی رت کسی کو فون کر رہی تھی.... ٹھیک اُسی وقت اُسے یہاں سے اٹھا لیا گیا۔ جس کا ایک سلیپر یں رہ گیا اور ریسیور میز پر پڑا رہا۔ انور بڑی تیزی سے باہر نکلا۔ اُس نے اپنے جوتے اتار دیئے تھے رہوا کی طرح راہداری طے کر رہا تھا۔ اس راہداری کے اختتام پر پھر وہی بڑا ہال تھا جہاں ایک رات ں نے جشن سالگرہ میں شرکت کی تھی۔ ہال میں روشنی نظر آرہی تھی۔ انور ابھی اُس کے روازے سے دور ہی تھا کہ اس کا پیر کسی نرم چیز پر پڑا اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اُسے اٹھانے لئے جھکا۔ یہ بھی ایک سلیپر ہی تھا اور انور نے محسوس کیا کہ اُس کا استر بھی مخمل ہی کا ہے۔

انور آگے بڑھ کر دروازے کے شیشوں سے اندر جھانکنے لگا اور جو کچھ بھی اُسے نظر آیا اُس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا۔ اُس نے ہال میں شاہینہ اور بیگم ارشاد کے علاوہ تین آدمی اور بھی کھے۔ دو کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے اور تیسرا کوئی مجہول سا آدمی تھا۔ دبلا پتلا اور ہاسا۔ اُس کے چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی مگر الجھی ہوئی سی۔ اُس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔

جسم پر ایک لمبا سا زرد رنگ کا لبادہ تھا۔ بیگم ارشاد سونے کے لباس میں اور ننگے پیر تھی۔ شاید وہ دونوں سلیپر اُسی کے تھے جو انور کو کچھ دیر پہلے ملے تھے۔

"تم اپنا داہنا ہاتھ کھولو۔" ایک نقاب پوش اُس مجہول آدمی سے کہہ رہا تھا۔ اُس نے اپنے داہنے ہاتھ کی آستین اوپر چڑھالی اور انور بے ساختہ چونک پڑا۔ کیونکہ وہ سرخ نشان یہاں سے بھی صاف نظر آرہا تھا۔ وہ یقیناً روپے ہی کے برابر رہا ہوگا اور بہت واضح۔

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔" بیگم ارشاد نے کہا اور انور نے اُس کی آواز میں کسی قسم کی کمزوری نہیں محسوس کی البتہ شاہینہ بہت زیادہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"یہ محض دھمکی نہیں ہے بیگم ارشاد۔" نقاب پوش غرایا۔ "تمہارے وہ خطوط بھی میرے پاس موجود ہیں جو تم نے اُس بلیک میلر کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔"

بیگم ارشاد کچھ نہیں بولی۔ صرف اُسے گھورتی رہی اور وہ مجہول سا زرد پوش آدمی اپنے ہونٹ چاٹ چاٹ کر شاہینہ کو گھورتا رہا۔ شاہینہ بھی کبھی کبھی اُس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

"دیکھوں تو وہ خطوط کیسے ہیں؟" بیگم ارشاد نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"بڑی چالاک ہو۔" نقاب پوش سر ہلا کر بولا۔ "خطوط میں تمہارے حوالے کردوں گا۔ دو کروڑ کا انتظام کردو۔ تمہارے لئے کوئی بڑی بات نہیں ہے اور پھر ابھی تمہیں پتہ نہیں کتنے دن زندہ رہنا پڑے اور تمہاری لڑکی کا مستقبل....!"

"خبردار لڑکی کا نام نہ لینا۔" ایک دروازے سے آواز آئی اور نوجوان ڈنکی ٹیل کا چہرہ دکھائی دیا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور پھر اُس کے پیچھے بوڑھا ڈنکی ٹیل بھی نظر آیا۔ وہ بھی خالی ہاتھ نہیں تھا۔

"آج یہ چور پکڑا گیا۔ بڑی بات ہوئی۔" بوڑھے نے نقاب پوشوں کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔ پھر اپنے بیٹے سے بولا۔ "تم دونوں کے نقاب اُتار دو۔"

نوجوان ڈنکی ٹیل آگے بڑھا۔ انور اس ماجرے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ بھی کود پڑے لیکن پھر اُس نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ بوڑھا ڈنکی ٹیل غیر معمولی قسم کے لباس میں تھا اور اُس کی چمڑے کی پیٹی سے ایک بہت بڑا تھیلا لٹک رہا تھا۔ دونوں نقاب پوش ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے۔ نوجوان ڈنکی ٹیل نے بڑی تیزی سے انہیں بے نقاب کردیا۔

"آہا.... سام....!" بوڑھے نے کہا۔ "میں سمجھا تھا شاید تم کریگ ہو۔ او سام گدھے۔ یہ ڈاکٹر نہیں ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ میں ہوں۔ پچھلے سال سے میں نے روپوشی اختیار کررکھی تھی۔ یہ چور

لوگوں کو خواہ مخواہ دھوکا دیتا رہا۔ میں فنچ کے ہاتھوں ذلیل ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے بہتر سمجھا کہ کچھ دن خاموش بیٹھوں.... او سام گدھے۔ کیا دیکھتا ہے۔ مار اس چوہٹے کو۔"

سام چپ چاپ کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ اچانک دھم سے کوئی فرش پر آکودا اور انور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک چھوٹا سا آدمی تھا اور اُس کی مٹھی میں چاقو دبا ہوا تھا۔ اُس نے بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ کر بندروں کی طرح دانت نکالے اور اُس کی پرواہ کئے بغیر اُس پر چھلانگ لگادی کہ اُس کے ہاتھ میں ریوالور ہے۔

انور بوڑھے کی پھرتی پر دنگ رہ گیا بلکہ اُس کی سمجھ ہی میں نہ آسکا کہ وہ سب کچھ آن واحد میں کیسے ہوگیا۔ ریوالور کا رخ بھی اُن دونوں کی طرف رہا اور چھلانگ لگانے والا چھوٹا آدمی اُس تھیلے میں بھی پہنچ گیا جو ایک ہی لمحہ پہلے بوڑھے ڈنکی ٹیل کی کمر سے لٹکا ہوا تھا۔

بوڑھا تھیلے کے منہ کو بند کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "تو تم اب آرام کرو تھوڑی دیر۔ پھر تم سے بھی سمجھوں گا.... ہاں.... ہاں شوق سے تم اپنا چاقو اس تھیلے پر آزماؤ۔ اگر تم اسے کاٹ سکو تو میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔"

اُس نے تھیلے کو ایک طرف ڈال دیا اور پھر اُن دونوں کی طرف مڑ کر دہاڑا۔ "سام کے بچے تو کھڑا منہ دیکھ رہا ہے اسے مارتا کیوں نہیں جو تجھے ایک سال سے ذلیل کرتا رہا ہے۔"

"یہ جھوٹا ہے۔" دوسرے آدمی نے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں.... چور.... میں جھوٹا ہوں.... سام....!" اُس نے پھر سام کو للکارا اور سام یک بیک دوسرے آدمی پر ٹوٹ پڑا۔

"کیا کرتا ہے گدھے....!" دوسرے نے کہا۔

"تم چور ہو۔" سام دانت پیس کر بولا۔ "تم نے ڈاکٹر ڈریڈ کا میک اپ کررکھا ہے۔ ڈاکٹر ڈریڈ ایسا چوہا نہیں ہوسکتا جو فنچ جیسے حقیر کیڑے سے ڈر کر بھاگتا پھرے۔"

"میں تجھے مار ڈالوں گا سام! ہوش میں آ۔" دوسرا آدمی غرایا۔

پھر انور نے اُن دونوں کو ایک دوسرے پر جھپٹتے دیکھا۔ بڑا عجیب کھیل تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کی جیب میں بھرا ہوا ریوالور موجود تھا اور اُسے اطمینان تھا کہ وہ یہیں کھڑے کھڑے بیگم ارشاد کی مدد کرسکے گا۔ اس دروازے کی اوٹ سے وہ اُن سبھوں کو ختم کرسکتا تھا۔ اُس نے اُس زرد پوش مجہول کی طرف بھی دیکھا جو کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں

طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس کی نظر تھیلے پر پڑی جو ادھر اُدھر اچھلتا پھر رہا تھا اور وہ دونوں لڑ رہے تھے۔ شاہینہ اور بیگم ارشاد ایک دوسرے سے چمٹی ہوئی بُری طرح کانپ رہی تھیں۔

پھر نہ جانے کیسے اُس تھیلے کا منہ کھل گیا اور وہ چھوٹا آدمی بجلی کی سی سرعت سے دونوں لڑنے والوں کے درمیان آ گیا۔

پھر ایک چیخ ہال میں گونج گئی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ ننھے آدمی نے چاقو ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتا ہوا بوڑھے ڈنکی ٹیل سے بولا۔ "اب تم مجھے شوق سے حراست میں لے لو.... کرنل فریدی۔"

ڈنکی ٹیل کا ریوالور والا ہاتھ نیچے جھک گیا۔

مرنے والے کا ساتھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بوڑھے ڈنکی ٹیل کو دیکھ رہا تھا۔ ہال میں تقریباً سبھی بھونچکے نظر آ رہے تھے مگر زرد پوش مجہول کی پچھلی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا فنچ....!" ڈنکی ٹیل غرایا۔

"میں نے جو کچھ بھی کیا ہے اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔" چھوٹے آدمی نے کہا اور اُسی طرح ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا حالانکہ اب ڈنکی ٹیل کا ریوالور اُس کی طرف نہیں اٹھا ہوا تھا۔ انور نے بھی اُس کی زبان سے کرنل فریدی کا نام سنا تھا اور سناٹے میں آ گیا تھا۔ اگر فریدی کا نام نہ سنتا تو اس قتل کے بعد بے تحاشہ فائرنگ کرتا ہوا اندر گھس پڑتا۔ لیکن اب اُس نے نہایت اطمینان سے دروازہ کھولا اور ہال میں داخل ہو گیا۔

نوجوان ڈنکی ٹیل سام کے ہتھکڑیاں لگا رہا تھا۔

دفعتاً بیگم ارشاد کھڑی ہو گئی اور اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں بوڑھے ڈنکی ٹیل کو مخاطب کیا۔

"کیا آپ سچ مچ کرنل فریدی ہیں؟"

"ہاں بیگم ارشاد... کیا تمہیں وہ رات یاد ہے جب کمپاؤنڈ کے پھاٹک پر ہماری ملاقات ہوئی تھی۔"

"مجھے یاد ہے۔"

"اور تم اسی آدمی کی تلاش میں بھٹکتے رہنے کے بعد واپس آئی تھیں۔" فریدی نے زرد پوش آدمی کی طرف اشارہ کیا جواب بھی پہلے ہی کی طرح کرسی سے ٹیک لگائے بیٹھا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"اوہ.... تو آپ بھی یہی کہانی لے کر آئے ہیں۔" بیگم ارشاد نے مسکرانے کی کوشش کی۔

دفعتاً نوجوان ڈنکی ٹیل نے انور کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"تمہارا اچا فرزند....!" انور نے اردو میں کہا۔

"گٹ آؤٹ....!" اُس نے ریوالور ہلا کر کہا۔

"انور....!" فریدی نے اُسے مخاطب کیا۔ "تم بہت دنوں سے میرے پیچھے رہے ہو۔"

انور کچھ نہ بولا۔ وہ آگے بڑھ کر ڈاکٹر ڈریڈ کی لاش پر جھک گیا تھا۔

"زندہ ہے یا مر گیا؟" فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

"ٹھنڈا ہو چکا ہے....!" انور نے جواب دیا۔

"فنچ کا ہاتھ تھا کرنل۔" فنچ نے بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر کہا۔

"خاموش رہو۔" فریدی نے اُسے جھڑک دیا اور بیگم ارشاد سے بولا۔ "اگر تم بھی اپنے ہاتھ ہتھکڑیوں کے لئے پیش کر دو تو بہتر ہے۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں؟" بیگم ارشاد بپھر گئی۔

"تمہارے خطوط اور دوسرے کاغذات میرے پاس ہیں۔" فریدی مسکرایا۔

"فنچ نے وہ کاغذات ڈاکٹر ڈریڈ کے پاس سے اڑائے تھے اور پھر وہ میرے ہاتھ لگ گئے۔"

بیگم ارشاد پہلے تو کھڑی ہانپتی رہی پھر دوڑتی ہوئی ہال سے نکل گئی۔

"حمید اسے دیکھو۔" فریدی نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ نوجوان ڈنکی ٹیل بھی دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

شاہینہ نے بھی اٹھنا چاہا لیکن فریدی نے کہا۔ "تم جہاں ہو وہیں بیٹھی رہو گی۔"

شاہینہ اس طرح بیٹھ گئی جیسے اُس کے پیروں میں کھڑے ہونے کی قوت ہی نہ ہو۔

"اُن کاغذات میں تم کیوں دلچسپی لے رہے تھے؟" فریدی نے فنچ سے پوچھا۔

"محض اس لئے کہ ڈریڈ بھی اُن میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں کئی سال سے اُسے ہر کام پر شکست دیتا آیا ہوں۔ ایک دن وہ بھی تھا جب میری بچی کی لاش سڑک پر پڑی ہوئی تھی۔ میں لوگوں سے کہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن تک چلیں۔ لیکن وہ اس طرح خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ جاتے تھے جیسے ڈریڈ انہیں بھی مار ڈالے گا۔ میں بڑی بے بسی سے رویا تھا۔ مگر آج دیکھو.... وہ پڑا ہے ڈریڈ۔ ان چھوٹے چھوٹے نحیف ہاتھوں نے اُسے موت کی گھاٹ اتارا ہے.... ہاہاہا.... وہ بے بس فنچ کہاں ہے وہ اُس مظلوم بچی کے بعد ہی مر گیا تھا۔"

"خدا کے لئے مجھے بتایئے کرنل، یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ورنہ میرا دم نکل جائے گا۔"

"مجھے افسوس ہے شاہینہ وہ تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہ ہو گی۔" فریدی نے جواب دیا۔

شاہینہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے وہ کسی بُری خبر کے سننے سے ڈرتی ہو۔ انور اُس ننھے سے آدمی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً حمید دوڑتا ہوا اندر آیا۔

"اُس نے.... اُس نے.... عمارت میں آگ لگا دی ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔ "آگ تیزی سے.... پھیل رہی ہے.... نہ جانے پٹرول کے کتنے ٹین الٹ دیئے ہیں۔"

"کدھر.... آگ کس حصے میں ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"چاروں طرف....!"

"کیا بکتے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ اتنی جلدی؟"

"اوہ.... عمارت کے چاروں طرف دیوار سے ملی ہوئی پتلی سی نالیاں ہیں۔ انہیں میں پٹرول بہا کر اُس نے آگ لگادی ہے۔ آگ بہہ رہی ہے چاروں طرف۔"

"اوہ.... نکلو.... انور تم اس زرد لباس والے اور شاہینہ کو سنبھالو۔ حمید.... تم سام کو دیکھو.... اور" اُس نے فنچ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں کرنل شکریہ۔ میں اپنی حفاظت آپ کر سکتا ہوں۔" اُس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم قیدی ہو.... چلو....!" فریدی غرایا۔

"ہاں.... میں قیدی ہوں لیکن اگر میں اس موقع سے فائدہ نہ اٹھاؤں تو مجھ سے زیادہ احمق ساری دنیا میں نہ ملے گا۔"

پھر فریدی کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی لیس دار مچھلی ہاتھ سے نکل گئی ہو۔ فنچ اچھل کر بھاگا۔

"تم لوگ نکلنے کی فکر کرو.... جاؤ۔" فریدی بقیہ لوگوں سے کہتا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا۔

حمید کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ فریدی کو ایسی صورت میں تنہا چھوڑ دے لیکن اُس پر خود اُسی کی طرف سے ایک ذمہ داری عائد کر دی گئی تھی۔ یعنی وہ سب کو صحیح و سلامت وہاں سے نکال لیجائے۔

وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ انہیں آنچ محسوس ہونے لگی اور اسی دوران میں انور نے بھی محسوس کیا کہ شاہینہ پر غشی طاری ہوتی جا رہی ہے۔ پھر اگر وہ اُسے سنبھال نہ لیتا تو اُسی کے ساتھ خود بھی گرا ہوتا۔ بدقت تمام اُس نے اُسے کاندھے پر ڈالا اور زرد پوش مجہول کا ہاتھ پکڑے ہوئے چلتا رہا۔ لیکن اب اُس نے بھی بولنا شروع کر دیا تھا۔ وہ دانت پر دانت جمائے کہہ رہا تھا۔

"اس لڑکی کو میرے کاندھے پر ڈال دو.... کتنی چھوٹی ہے.... ہائے.... ہائے۔"

"چل بے خاموشی سے۔" حمید پلٹ کر دہاڑا۔ "ورنہ گردن توڑ دوں گا۔"

پھر وہ جدھر بھی گئے انہیں کھڑکیوں اور دروازوں سے آگ کی لپٹیں دکھائی دیں۔ کمپاؤنڈ میں لوگ چیخ رہے تھے اور اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ پھر کچھ لوگ کسی نہ کسی طرح اندر گھسے اور انہوں نے شدید ترین جدوجہد کے بعد انہیں باہر نکالا۔

حمید نے باہر نکلتے ہی فریدی کو آوازیں دیں لیکن کہیں جواب نہ ملا۔ دفعتاً اُسے قریبی تھانے کے کچھ کانسٹیبل نظر آئے۔ اُن کے ساتھ ایک سب انسپکٹر بھی تھا۔ حمید نے جلدی جلدی اُسے کچھ نہ کچھ بتانے کی کوشش کی اور قیدیوں کو اُس کے سپرد کر کے اُس نے ایک بار پھر آگ میں چھلانگ دی۔

"فریدی صاحب.... فریدی صاحب۔" وہ چاروں طرف چیختا پھر رہا تھا۔ اور آگ اب آہستہ آہستہ اندر بھی اپنا تسلط جمانے لگی تھی۔

چیختے چیختے حمید کا حلق خشک ہو گیا لیکن جواب نہ ملا۔ وہ ایک ایسے کمرے میں پھنس گیا تھا جہاں ہر طرف آگ کی لپٹیں نظر آ رہی تھیں۔ اس کا سارا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا اور ذہن جواب دے رہا تھا۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بہت دور سے اُسے آواز دے رہا ہو۔ اُس نے "ہاں" کہنے کے لئے حلق پر زور دیا مگر آواز نہ نکل سکی۔ آگ میں گھرے ہونے کے باوجود بھی اُس کے سامنے اب تاریکی ہی تاریکی تھی۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُس کے منہ میں جلتی ہوئی سلاخ ٹھونس رہا ہو۔

"اُم.... اُم.... نہیں۔" وہ اچھل پڑا اور کوئی چیز فرش پر گر کر چھنچھنائی۔

پھر اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ وہ اپنی خواب گاہ میں تھا اور فریدی اس کی مسہری کے قریب بیٹھا ہوا شاید اُس کے حلق میں دوا اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"فادر....!" حمید چنگھاڑ کر اُس کی گردن سے چمٹ گیا۔

"حمید گدھے! میں بہت خفا ہوں تم سے۔ تم باہر نکل آنے کے بعد پھر اندر کیوں چلے گئے تھے۔ میں تو نہایت آسانی سے پہلے ہی نکل گیا تھا۔ وہ نکل گیا نا سؤر۔"

"فنچ نکل گیا۔" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں.... وہ نکل گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے بندر پکڑنے کی مشق آج تک نہیں کی۔ اب کروں گا۔"

"مگر وہ مردود آپ کو پہچان گیا تھا۔"

"ہاں بعد میں پہچان لیا تھا۔ ورنہ پہلے تو وہ مجھے ڈاکٹر ڈریڈ ہی سمجھا تھا۔ اسے چھوڑو۔ خدا کی پناہ! تمہیں وہاں اُس آگ سے نکالنے میں کتنی دشواریاں پیش آئی تھیں۔ اگر مجھے ذرا سی ہی دیر ہو جاتی تو تم حمید مسلم بن گئے ہوتے۔"

"مگر میں شاید بالکل ٹھیک ہوں۔" حمید بوکھلا کر اپنا جسم ٹٹولتا ہوا بولا۔

"بالکل.... لیکن میرے پیر دیکھو۔"

حمید نے جھک کر دیکھا اور لرز گیا.... اُس کے دونوں پیر آبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

"میں سمجھا تھا شاید آپ کہیں گھر گئے ہیں۔" حمید نے کہا.... کچھ دیر خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔ "بیگم ارشاد ملی تھی؟"

"ہاں.... لیکن کوئلے کی شکل میں۔ شاید اُس نے اپنے جسم پر بھی پٹرول چھڑک کر آگ لگالی تھی۔"

"لیکن اُس کا جرم کیا تھا؟"

"بہت بڑا جرم۔ مگر تھی بڑے گردے کی عورت، زندگی بھر کوئی نہ کوئی اُسے بلیک میل ہی کرتا رہا تھا۔ وہ زرد پوش فرشتہ اس کیس کی اہم ترین کڑی تھا۔ تم بتاؤ وہ کون ہو سکتا ہے۔ بیگم ارشاد کو اس کی تلاش تھی اور ڈریڈ اس کے سلسلے میں اُسے بلیک میل کر رہا تھا۔"

"اُس کا کوئی عاشق ہوگا۔"

"ہشت! وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔ اوہو! تمہاری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ہاں حمید صاحب کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ وہ ایک ارب پتی کا لڑکا ہے۔ مگر گمنامی اور عسرت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اگر مجھے وہ نیلا بیگ نہ ملتا تو شاید یہ کہانی پردہ راز ہی میں رہتی۔ ارشاد کی دو بیویاں تھیں۔ ایک اُس لڑکے کی ماں اور ایک یہ جو جل کر مر گئی۔ یہ کسی معمولی آدمی کی مطلقہ تھی اور شاہینہ دراصل اُسی آدمی کی لڑکی ہے۔ کسی طرح یہ ارشاد سے آٹکرائی اور اُس نے اس سے نکاح کر لیا۔ ارشاد کی پہلی بیوی سے ایک بچہ ہوا اور ایام زچگی میں وہ کسی وجہ سے پاگل ہو گئی۔ ایک صبح ارشاد کو معلوم ہوا کہ بیوی اور بچہ دونوں غائب ہیں حالانکہ دماغ ماؤف ہو جانے کے بعد سے بچہ اُس سے الگ ہی رکھا جاتا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ غائب ہو گیا۔ دو دن بعد وہ شہر کے ایک حصے میں مل گئی لیکن بچہ اُس کے ساتھ نہیں تھا لہٰذا خیال کیا گیا کہ ممکن ہے دیوانگی میں وہ اُسے کہیں پھینک آئی ہو۔ کافی عرصے تک بچے کی تلاش جاری رہی۔ اس سلسلے میں جو اشتہارات شائع ہوئے اُن میں اُس داغ کا حوالہ ضرور ہوتا تھا۔ اب [illegible] ریڈ اُس کے بازو پر بیگم ارشاد کو دکھا رہا تھا۔ اب سنو! لڑکے پر یہ

گزری تھی کہ بیگم ارشاد نے اُسے اپنے کسی معتبر آدمی کے سپرد کر کے شاید مار ڈالنے کی اسکیم بنائی تھی۔ لیکن اس معتبر آدمی نے اُسے دھوکا دیا۔ بچے کو مار ڈالنے کی بجائے پرورش کر ڈالی اور زندگی بھر بیگم ارشاد کو بلیک میل کر کے لمبی لمبی رقمیں وصول کرتا رہا۔ اُس نیلے بیگ سے بیگم ارشاد کے خطوط بھی نکلے ہیں جن میں وہ بار بار اُس سے استدعا کرتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ اُس لڑکے کو مار ڈالے اور اُس کے معاوضے میں وہ ایک کروڑ کی رقم تک جا پہنچتی ہے۔"

"گڈ گاڈ....!"

"اور پھر نہ جانے کس طرح یہ زرد پوش فرشتہ ڈاکٹر ڈریڈ کے ہاتھ لگتا ہے اور اب وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے اگر وہ لڑکا منظر عام پر آجاتا تو بیگم ارشاد جیل میں ہوتی اور شاہینہ در در کی بھیک مانگتی پھرتی۔ اب کیا رہ گیا.... ڈریڈ اور بیگم ارشاد کی وجہ سے دو باتیں شاید کبھی نہ معلوم ہو سکیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آدمی کون تھا جسے بیگم ارشاد نے بچے کو مار ڈالنے پر آمادہ کیا تھا اور دوسری بات یہ کہ ڈاکٹر ڈریڈ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا تھا۔"

"ارے یہ تو زرد پوش فرشتے ہی سے معلوم ہو جائے گا۔"

"مشکل ہے۔" فریدی نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ "ڈریڈ کے زہروں نے اُس کا دماغ ماؤف کر دیا ہے۔ شاید وہ کبھی ٹھیک نہ ہو سکے۔ شاید اُسے اپنے قابو میں رکھنے کیلئے اُس نے ایسا کیا تھا۔"

"کیا وہ سر ارشاد کا لڑکا ثابت کیا جا سکے گا؟ جبکہ اُس آدمی کا بھی پتہ نہیں جس نے اُس کی پرورش کی تھی۔ مگر ممکن ہے ان واقعات کا اعلان ہو جانے پر وہ خود ہی سامنے آجائے۔"

"کیا ڈریڈ نے اُسے زندہ چھوڑا ہوگا؟ ہرگز نہیں حمید صاحب۔ یہ ثابت کرنا میرا کام ہے کہ وہ سر ارشاد کا لڑکا ہے۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید بولا۔

"اُف.... فوہ! کتنے دنوں تک ہم ڈنکی ٹیل بن کر جھک مارتے رہے ہیں۔ بعض اوقات تو میں سچ مچ خود کو گدھے کی دم تصور کرنے لگتا تھا اور اُس دن تو گدھے کا پٹھا ہو گیا تھا جب شاہینہ نے میرے گالوں پر تھپڑ مارے تھے۔ خدا کرے اُس کے ہاتھ میں کیڑے پڑیں۔"

"تم سے کس نے کہا تھا کہ اُس سے اظہار عشق کر بیٹھو۔"

"انور کا تو دم ہی نکل گیا تھا.... وہ بھی کیا یاد کرے گا۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ ورنہ اس بار ڈریڈ کا ہاتھ آنا مشکل ہی ہو جاتا۔"

"مگر اس کو فنچ نے ختم کیا۔"

”میں تو اُسے کبھی ہاتھ نہ لگاتا۔ اسکیم یہ تھی کہ اُسے سام کے ہاتھوں ختم کرادوں۔ وہ مجرم جو خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں انہیں میں غلاموں سے پٹوانے کا عادی ہوں۔ اور فنچ جیسے لوگوں کے لئے تھلیے تیار کرتا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ ڈریڈ کا تعاقب کرتا ہوا وہاں ضرور پہنچے گا۔“

”مگر آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا تھا کہ آج ڈریڈ وہاں آرہا ہے؟“

”مجھے اطلاع ملی تھی کہ اُس کے آدمی ارشاد منزل میں کچھ انتظامات کررہے ہیں۔ انتظامات کی تفصیل سے صاف ظاہر تھا کہ آج وہاں ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔“

کچھ دیر بعد حمید بولا۔ ”آہا.... اُس کا کیا حال ہے؟.... میری کا....!“

”وہ.... اُس کی ذہنی حالت ابھی تک اعتدال پر نہیں آئی۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اُسے پاگل خانے بھجوادیا جائے۔“

حمید ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ لیٹ گیا۔

(ختم شد)